بعونِ صناعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان
اردو کا کلاسیکی ادب
مقالاتِ سرسید
حصّہ دوازدہم
تقریری مقالات
ناشر
مجلسِ ترقیِ ادب
۲۔ نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور
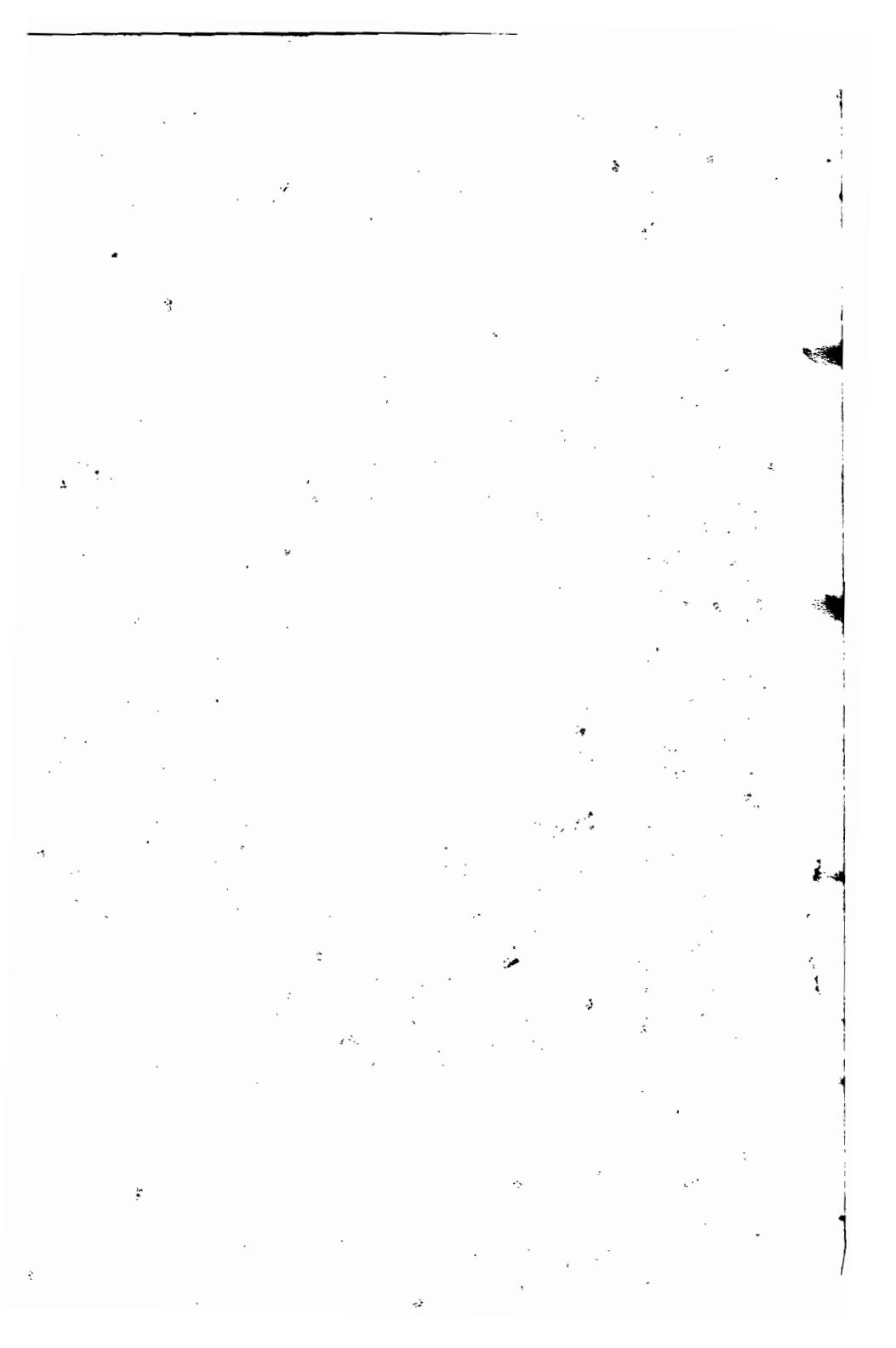
مقالات سرسید حصہ دوازدہم

طبع دوم : جون ۱۹۹۳ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
ناظم مجلس ترقی ادب ، کلب روڈ ، لاہور

مطبع : سعادت آرٹ پریس A-19 ایبٹ روڈ لاہور

طابع : توفیق الرحمٰن

قیمت : ۷۰ روپے

حصّہ دوازدہم

تقریری مقالات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

پیش لفظ

سرسید کے متعدد مبسوط مقالات اور مضامین ایسے بھی ہیں جو انھوں نے مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر اور مختلف موضوعات پر لکھ کر یا زبانی پڑھے اور وہ اُس وقت کے اخبارات میں چھپ کر بعد میں لوگوں کی نظروں سے چُھپ گئے اور پھر دنیا اُن سے مستفید نہ ہو سکی -

اس قسم کے تقریری مقالات میں بھی وہی زور ، جوش اور اثر پایا جاتا ہے ، جو سرسید کے تحریری مضامین میں موجود ہے - اور اُن میں بھی سرسید نے بہت سے مفید اور کار آمد اور نصیحت آمیز موضوعات پر اپنے زریں خیالات کا اظہار فرمایا ہے - اور وہ قوم کے لیے اتنے ہی قابلِ عمل اور لائقِ تقلید ہیں جیسے سرسید کے وہ قابلِ قدر مضامین جن کو آپ مقالات کے پہلے حصوں میں پڑھ چکے ہیں - سرسید کے یہ تقریری مقالات اور بہت سے لکچر اور خطبات مولوی امام الدین صاحب گجراتی نے ۱۹۰۰ء میں فراہم کیے تھے - یہ ضخیم مجموعہ سرسید کے ۱۸۶۳ء سے لے کر ۱۸۹۸ء یعنی سرسید کی وفات تک کے تقریری مقالات پر مشتمل تھا اور منشی فضل الدین تاجر کتب لاهور نے اسے شائع کیا تھا - یہ مجموعہ مولانا امام الدین صاحب مرحوم نے اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڈھ ، علیگڈھ انسٹیٹوٹ گزٹ اور سفر نامۂ پنجاب مرّتبہ سید اقبال علی صاحب سے اخذ و انتخاب کرکے مرتّب فرمایا تھا - مگر اب نایاب اور نا پید ہے - خوش قسمتی سے اس کا ایک قدیم نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۲ ، ۸۵۵ ہے - میں نہایت ہی ممنون ہوں اپنے محترم دوست

سردار مسیح صاحب ایم ۔ اے ۔ انچارج شعبۂ مشرقیات پنجاب پبلک لائبریری کا کہ آنھوں نے نہایت مہربانی سے مجھے اس نایاب نسخہ سے مستفید ہونے کا موقع دیا ۔ میں نے ۵۷۴ صفحات کے اس ضخیم مجموعہ میں سے صرف وہ چند مقالات انتخاب کیے جن میں سرسید نے مستقل عنوانات اور مفید موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ھے ؛ باقی خطبات اور مقالات وقتی نوعیت کے تھے اور چنداں مفید بھی نہ تھے، اس لیے میں نے آنھیں چھوڑ دیا ۔ امید ھے کہ ناظرین کرام پیشِ نظر مجموعہ کو نہایت دلچسپ پائیں گے ۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

ہمارے رؤسا اور قومی بھلائی

(اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڈھ، ۱۳ جولائی ۱۸۶۶ء)

ہم کو خیال کرنا چاہیے کہ انواع و اقسام کے وہ رعب و داب کیا ہیں جو دولت مند اور ذی رتبہ اور با وجاہت اور با وقار ہندوستانیوں کی ذات سے اُن لوگوں کی بھلائی کے لیے جن پر وہ لوگ خدا کے نزدیک اور دنیا کی آنکھوں میں سردار ہیں، کام میں آسکتے ہیں اور وہ کیا تدبیریں ہیں جن سے اچھی طرح ان کا اثر ہو سکتا ہے۔ اور پہلے سے بھی کسی ایسے رعب و داب نے اپنا اثر کیا ہے اور اگر کیا ہے تو وہ کس طرح کا رعب و داب ہے؟ ہم نے کئی کروڑ آدمیوں کے باہمی ارتباط اور میل جول اور علم و ہنر اور مال و دولت کے نہایت عمدہ فوائد کو ترقی دینے اور ان کو عمدہ عمدہ طریقوں کی رہنمائی کرنے کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا ہے۔ پس ہم کو اپنے حال کی دیکھ بھال کرنی چاہیے کہ ہماری نیت اور ہمارا ارادہ پاک و صاف ہے؟ اور ہمارا مقصود اور ہمارا منشا نیک اور درست ہے؟ اور ہماری کارروائی کے طریقے ایسے ہیں یا نہیں جو ازروئے عقل اور تجربے کے ہونے چاہئیں اور پھر ہم کو غور کرنا اور سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ ترقی ہم نے اپنے کارو بار میں کی ہے وہ کیا کی ہے اور کہاں تک کی ہے تاکہ ہم کو اپنا حال معلوم ہو کہ ہم کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں اور آئندہ کو کیا کریں گے۔

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ ہر تربیت یافتہ ملک میں ایسے ایسے

سردار اور دولت مند اور ذی رتبہ اور باوجاہت اور صاحبِ وقار اور نہایت نامی اور مشہور تجار ہوئے ہیں جو اپنے زمانہ کے لوگوں میں آپس کے ارتباط اور آپس کے میل جول کے طریق کی بنیاد ڈالتے ہیں ۔ اور ان کے مال و دولت کی ترقی کی بلکہ ان کے اطوار اور چلن کی بناء قائم کرتے ہیں ۔ ہندوستان میں یہ بات سب ملکوں سے زیادہ تر صادق آتی ہے ۔ کیوں کہ ہندوستان میں ذی رتبہ اور باوجاہت اور با وقار آدمیوں کی نہایت تعظیم اور بہت کچھ عزت کی جاتی ہے ۔ حد سے زیادہ ان کا اعتبار اور اعتماد ہوتا ہے ۔ خصوصاً ایسے لوگوں کا جو مذہبی کاموں میں مقتدا اور پیشوا گنے جاتے ہیں ۔ مثلاً برہمن یا مولوی یا کوئی پیر فقیر کہ تمام ہندو مسلمان ہر ایک کی باعتبار اپنے مذہب کے بہت ہی کچھ تعظیم اور توقیر کرتے ہیں ۔ اور دن رات ان کی رضا مندی ڈھونڈتے ہیں ۔ اور ان کے پند و نصائح پر کان دھرتے ہیں اور حد سے زیادہ ان کی اطاعت کرتے ہیں ۔ ہر سردار بڑے بڑے خاندانوں کا سرگروہ اور مرکز ہوتا ہے ۔ وہ بہت سے اپنے رفیقوں اور اپنے متعلق کاشت کاروں کی بستی کی بستی پر بھلائی برائی کے معاملوں میں ہر طرح کا رعب اور اختیار رکھتا ہے ۔ کسی اور ملک میں کوئی بڑا آدمی یا دولت مند یا عالم و فاضل اور دانا بلکہ نہایت نیک خصلت آدمی بھی بے شمار آدمیوں پر ایسا قوی دبدبہ نہیں رکھتا جیسا کہ یہاں رکھتا ہے ۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اور کسی ملک میں بے شمار آدمیوں کی طبیعتیں ایسی جلد کسی کی طرف راغب اور اس کے قابو میں نہیں آ جاتی ہیں ۔ جیسے کہ ہندوستان میں ۔ اور نہ کسی ملک میں ایسے بے شمار آدمی ایسی جلد تربیت اور ہدایت قبول کرتے ہیں ۔ جیسے کہ اس ملک میں ۔ پس اس ملک میں تمام بڑے بڑے

ایسے لازمہ اور ذریعے جو ہمیشہ باقی رہنے والے اور نیک کاموں اور بڑی بڑی تدبیروں اور انتظام کے واسطے ضروری ہیں موجود ہیں ۔ اب صرف اتنی بات کی حاجت ہے کہ عالی ہمت اور عالی حوصلہ اور جانفشانی اور جانکاہی کرنے والے لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے ہر ملک میں پیدا کیا ہے اور کرتا جاتا ہے اُن قوتوں اور ذریعوں کو جو موجود ہیں حرکت دیویں اور صحیح سالم پہلوؤں پر پھر آویں ۔ ہم کو غالب توقع کرنی چاہیے کہ وہ لوگ اپنی تمام کوششوں میں شریک اور متفق رہیں گے اور اپنی دلی رغبت اور نیک نیتی اور مستعدی سے کام انجام دیں گے اور کامیابی اور اقبال مندی اُن کے قدموں میں رہے گی ۔

عام اور خاص اور ظاہری اور باطنی اطوار اور طریقوں میں کچھ اور ترقی ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ ایک متوسط درجہ کا ہندوستانی بھی خوش اخلاق اور تواضع و تکریم اور اچھی تربیت کی باتوں میں ایسے اور ملکوں کے اعلیٰ درجہ کے آدمی سے جن پر خدا نے زیادہ عنایت کی ہے اور وہاں کے باشندوں کو بہت سی تربیت اور تعلیم بخشی ہے ۔ زیادہ رتبہ رکھتا ہے حاصل یہ کہ ہماری یہ خواہش نہیں ہے کہ ہمارا چال چلن ذرا بھی بدل جاوے بلکہ بڑی آرزو یہ ہے کہ وہ بدستور قائم رہے ۔ کہتے ہیں کہ اچھے اطوار اور اچھی تربیت ہر جگہ یکساں ہوتی ہے چناں چہ اسی وجہ سے اچھی تربیت اور تعلیم یافتہ لوگوں میں بلا شبہ وہ ارتباط اور ربط ضبط پایا جاتا ہے جو ایک قوم یا مذہب یا زبان کا شریف آدمی دوسری قوم یا مذہب کے آدمی سے فوراً پیدا کر لیتا ہے ۔ جن لوگوں نے ہمارے ملک کے اطوار اور طریقوں کو خوب دیکھا بھالا اور سوچا سمجھا ہے بلکہ غیر مذہب اور غیر زبان کے نا آشنا لوگوں نے بھی اُن طور طریقوں کو

جیسا کہ چاہیے کمال خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ جب ہم یہ غور کرتے ہیں ۔ کہ گلشن اقوام کی روح کے پھولوں کی خوش بُو اس قومؑ کے اطوار ہوتے ہیں اور انھیں سے لوگوں کے اخلاق کا ظہور ہوتا ہے ۔ تو ہمارے لیے بڑی فرحت اور فرض کی یہ بات ہے کہ ہم یقین کریں کہ وہ سامان جس کا ہونا ضرور چاہیے بہت کچھ ہماری طبیعتوں میں موجود ہے ۔ اور پھر ہم لوگوں میں سے ہر ایسے شخص کو جو کچھ بھی سر برآوردہ ہے لازم ہے کہ ہمارے اچھے اطواروں کے قائم رکھنے میں کوشش کرے ۔ اور ہماری ان خواهشوں کو جن سے ہمارے اطوار ایک فتح مند قوم کے بہت سے نا آشنا لوگوں کے موجود ہونے سے جو صرف دبدبہ ہی رکھتے ہوں خراب ہو جاتے ہیں روکے ۔ کیوں کہ اس مفتوحہ قوم کے ارادے کیسے ہی نیک اور دیانت کے ساتھ کیوں نہ ہوں مگر وہ فتح مند قوم اس کے مقتضائے طبیعت اور نیت کو نہیں سمجھ سکتی ہے ۔ اس لیے مفتوحہ قوم کے اطوار ضرور خراب ہو جاتے ہیں ۔ یہ بات یعنی خراب ہو جانا اطوار کا ان شکایتوں سے ثابت ہے جو خود اہل یورپ اپنے نوکروں اور ان لوگوں کی بد اطواری کی کرتے ہیں جن سے ان کو اکثر کام پڑتا ہے اور ملنا جلنا رہتا ہے ۔

اچھے چال چلن کے بر خلاف بعضی رسمیں ایسی ہیں جو غرور یا اعتقاد باطل پر مبنی ہونے کی وجہ سے ناجائز اور مضر ہیں ان رسموں کے گھٹانے اور مٹانے میں دولت مند اور ذی وقار ہندوستانی شریف بہت کچھ کر سکتے ہیں ۔ ایسی بری رسموں کو جو از روئے اخلاق کے ناجائز اور عام فائدہ و فلاح کے مخالف ہوویں ہرگز گوارا کرنا مناسب نہیں ۔ گو وہ کسی اعتقاد کے بموجب جائز گردانی گئی ہوں یا کسی مذہب کی رو سے قائم کی گئی ہوں ۔ ان بری رسموں میں سے نہایت مشہور بری رسم بیوہ

کے ستی ہونے اور بیمار کو دم واپسیں دریا کے کنارے لے جا کر زبردستی سے اُس کی جان نکالنے کی رسم تھی اور دختر کشی اور شادیوں میں اسراف ہونا اب بھی موجود ہے ۔ ان میں سے دختر کشی کی رسم ایک ایسی بد اور خراب رسم ہے کہ انسان کے دل میں جو اچھے اخلاق کا اثر قبول کرنے کی قابلیت ہے وہ رسم صرف اُسی کو مغلوب نہیں کرتی اور فنا اور بد اخلاق ہی پیدا نہیں کرتی بلکہ مخلوق کی ترقی کی بھی مانع ہے جس کے سبب سے قوم کی شان و شوکت اور دولت بڑھ نہیں سکتی ۔ حال میں یہ ثابت ہوا ہے کہ اس طرح جانیں تلف کرنے کا نہایت سخت اور مہیب جرم بڑے تربیت یافتہ ملک یعنی انگلستان میں بھی موجود ہے ۔ مگر جن سببوں سے یہ جرم وقوع میں آتے ہیں وہ دونوں ملکوں میں مختلف ہیں ۔ انگلستان میں تو یہ گناہ جس سبب سے ظہور میں آتا ہے ۔ اس کا ذکر کرنا ہم کو ضرور نہیں مگر ہندوستان میں یہ سبب ہے کہ عالی خاندان مفلس راجپوت شادی کے سامان مہیا نہ کر سکنے کے اندیشہ سے اپنی معصوم بچی کو مار ڈالتے ہیں ۔ پس ہندوستان میں جو دختر کشی ہوتی ہے وہ شادیوں میں اسراف بیجا کی رسم کے ساتھ لازم و ملزوم ہے ۔ دولت مند اور شریف ذی وقار ہندو خصوصاً عالی خاندان راجپوت اس جاہلانہ رسم بد کو مٹانے میں اپنی کوششوں کے بہتر نتیجے حاصل کر سکتے ہیں ۔ اس بات کا ہندو امیروں اور گورنمنٹ عالیہ کو یقین بھی ہے ۔ چناں چہ اودھ کے تعلقہ داروں اور راجپوتانہ کے راجاؤں نے اس کے رفع کرنے میں بہت کوشش کی اور کامیاب ہوئے لیکن ابھی تک اس برائی کی بالکل بیخ کنی نہیں ہوئی اور بہت سی دقتیں اس کے جڑھ سے کھود ڈالنے کے لیے اٹھانی باقی ہیں ۔

ایک بُری رسم جس کو ہم مختصر بیان کریں گے بے تعداد جوروئیں رکھنا ہے - جس کا بعض بعض مقاموں میں رواج ہے ممکن ہے کہ اس امر میں پند و نصیحت اور کوشش اس قدر کام نہ کرے گی - جس قدر کہ اس کے امتناع کا ایک قانون اثر کرے گا - اور اس کے لیے پہلے ہی سے گورنمنٹ کے حضور میں عرض گذرانی گئی ہے -

آخر ان رسموں کے معاملہ میں ہم نہایت بری رسم پر جس سے فاحشہ عورتوں (یعنی رنڈیوں) کا سلسلہ قائم اور زیادہ ہوتا ہے اور جس سے میلوں اور تماشوں اور تہواروں میں بازاروں میں کوڑا کرکٹ میل کچیل پھیلتا ہے توجیہہ کرتے ہیں ان سب خرابیوں کا اس طرح علانیہ ہونے دینا گویا قوانین اخلاق کی تعمیل میں سستی اور کاہلی کرنا ہے جس سے قوم کی معاشرت اور اخلاق و عقل اور مال و متاع اور ملک کے کاروبار میں ضرر پہونچتا ہے - اب ہم اُن بیسوں پر کچھ تھوڑی سی نظر ڈال کر جو غیر مادی اور غیر محسوس توہین لیکن نہایت عمدہ اور شاندار ہیں جن میں ہندوستان کے دولت مند اور ذی وقار شریف آدمی بھلائی پہنچانے میں اپنے رعب و داب کو بہت کچھ کام میں لا سکتے ہیں ایسے ذریعوں کا ذکر کرتے ہیں جو انسان کے کاروبار میں بہت سی قدر و منزلت اور ماہیت رکھتے ہیں -

ان میں سے سب سے اول جس بات پر ہم کو توجہ کرنی چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم زمین کی مالیت بڑھانے میں کوشش کریں - امیروں میں سے بہت سے آدمی زمیندار ہیں - جن میں سے بعضے تو ایسے وسیع اور اچھی جائدادیں رکھتے ہیں - جن کے سبب سے اُن کو شہزادوں کی سی شان و شوکت حاصل ہے اور بہت سے بڑے بڑے زمیندار بے شک ایسی شاہانہ حالت میں ہیں کہ وہ اپنی جائدادوں

پر اُن کا کچھ محاصل بڑھانے کی نظر سے کچھ بھی توجہ نہیں کرتے ۔ اور بعضے ایسے کاروبار میں پھنسے رہتے ہیں جن کے سبب سے وہ اپنی زمین پر کافی توجہ نہیں کر سکتے ۔ اس موقع پر ہم یہ لکھ سکتے ہیں کہ اپنی ریاستوں میں نہریں اور سڑکیں بنوانے سے بڑی ترقی ہوتی ہے ۔ مشہور ہے کہ بابو پرستو گیار ٹاگور رئیس کلکتہ نے بہت سا روپیہ خرچ کرکے اپنے علاقوں میں نہر کھدوائی ہے جس کے سبب سے اُن کی سالانہ آمدنی بہت زیادہ ہو گئی اور صرف نہر ھی کے طیار ہونے سے اُن علاقوں کی قیمت جو پہلے سے بھی قیمتی تھی ۔ دو چند ہو گئی ۔ جس طرح کہ دریا اور سڑک ہائے اعظم ایک قوم کی مال و متاع کے قائم رہنے کا باعث ہیں اسی طرح سے چھوٹے چھوٹے واستے اور نہریں ایک بڑے تعلقہ کے واسطے نفع اور بہبودی کا ذریعہ متصور ہیں اور اگر اس کام میں (جیسا کہ بعض وقت ہوتا ہے) اس قدر صرف کثیر ہوتا ہو کہ ایک زمیندار اس کا متحمل نہ ہو سکے تو چاہیے کہ چند زمیندار ایک دوسرے کے فائدے کے واسطے باہم شریک ہو کر اُس کو پورا کریں ۔ سوائے اس کے اور بہت سی باتیں جائداد آراضی کی ترقی سے متعلق ہیں ممالک مغربی و شمالی میں آب پاشی کے اور بھی بہتر ہو طریقے سکتے ہیں اور عمدہ عمدہ کلوں کے ذریعہ سے قسم قسم کے طریقے کھیتی کرنے کے جاری ہو سکتے ہیں ۔ جہاں کہیں ضرورت ہو وہاں زمین خشک بھی ہو سکتی ہے اور زمین افتادہ کے ترو تازہ کرنے کی تدبیریں بھی ہو سکتی ہیں ۔ اودھ کے تعلقہ داروں اور راجپوتانہ کے راجاؤں نے بڑے بڑے خرچ اور لاگت کے کاموں یعنی اودھ اور راجپوتانہ میں ایسی سڑکوں کے بننے میں شرکت کی ہے ۔ ان علاقوں کی ترقی کے سی باتیں جائداد اراضی کی ترقی سے متعلق ہیں ممالک مغربی و شمالی میں

آب پاشی کے اور بھی بہتر طریقے ہو سکتے ہیں اور عمدہ عمدہ ملکوں کے ذریعہ سے قسم قسم کے طریقے کھیتی کرنے کے جاری ہو سکتے ہیں ۔ جہاں کہیں ضرورت ہو وہاں زمین خشک بھی ہو سکتی ہے اور زمین افتادہ کے ترو تازہ کرنے کی تدبیریں بھی ہو سکتی ہیں ۔ اودھ کے تعلقہ داروں اور راجپوتانہ کے راجاؤں نے بڑے بڑے خرچ اور لاگت کے کاموں یعنی اودھ اور راجپوتانہ میں آھنی سڑکوں کے بننے میں شرکت کی ہے ۔ ان علاقوں کی ترقی کے طریقوں میں جن کا ذکر ہوا بہت سے بنگالی زمین داروں نے بہت سی کوشش کی ہے خصوصاً بابو کشن مکر جی نے جنھوں نے حال میں گورنمنٹ بنگال کو ایک نہایت معقول مشورہ دیا کہ ایک مدرسہ کشت کاری کا مقرر ہو اور اس میں کشت کاری کا فن تجربہ کے ساتھ ہندوستانیوں کو سکھایا جاوے مگر افسوس کہ لفٹنٹ گورنر نے اس معقول اور مفید صلاح کو منظور نہ فرمایا اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسے مدرسہ کا قائم ہونا شروع سے بڑی کامیابی کا باعث ہوتا اور پنجاب اور بنگالہ کے زمین دار اس کی مدد اور تعلیم سے نہایت خوشی کے ساتھ فائدہ اٹھاتے ۔ ہندوستان کے تمام حصوں میں سے طالب علم اس مدرسہ میں آتے اور تھوڑے ھی برسوں میں ہم دیکھ لیتے کہ کشت کاری کے کاموں میں بڑی ترقی ہو گئی ۔ جس قدر زمین اور روپیہ اس کام میں صرف ہوتا اس کی تعداد بالفعل بعید از قیاس اور فضول معلوم ہوتی ہے ۔ اس موقع پر ہم زمین داروں کے دلوں پر اس بات کو بخوبی نقش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ہر کام میں گورنمنٹ کی امداد کی آرزو نہ کریں یہ سچ ہے کہ اس ملک میں گورنمنٹ کو زمین کی مالیت کی ترقی سے ظاھرا فائدہ ہے کیوں کہ وہ خود بھی بہت بڑی زمین دار ہے ۔ اور اس کے کل محاصل کے ایک ثلث سے بہت زیادہ زمین سے

حاصل ہوتا ہے اس لیے گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ کشت کاری
کی ترقی میں جس طرح سے ممکن ہو مدد دیوے مگر پھر بھی
جہاں تک ہو سکے اس دلیل کا خیال اور استعمال نہ کرنا چاہیے ۔
اس میں کچھ شک نہیں کہ جب کچھ آدمی بہ ذات خود ایک
کام کرنے پر مستعد ہوتے ہیں تو اور لوگ بھی ان کی مدد کرنے
لگتے ہیں ۔ مگر جب تک کہ وہ خود آمادہ نہ ہوں گے ۔ کوئی
ساتھ نہ دے گا ۔ یہ ممکن ہے کہ گورنمنٹ اپنا ایک پیسہ بھی
زیادہ صرف نہ کرے کیوں کہ ایک ایک ہندوستانی زمین دار
بالکل ایسا ہی مال دار ہے جیسا کہ اس کا ہم جنس متمول
انگلستان میں ہے ۔ انگلستان میں ایک امیر آدمی اپنے ذاتی فائدوں
کا آپ ہی خیال رکھتا ہے اور آپ ہی اپنے خاص انجنیئر اور
علم جمادات کے عالم اور کان کھودنے والے مقرر کر لیتا ہے
اور جو وہ یہ سمجھتا ہے کہ کشت کاری کے مدرسے سے اس کی
جائداد کو فائدہ ہوگا تو وہ خود ہی بلا استعانت پارلیمنٹ یا
ہم قوموں کے اس کو قائم کر لیتا ہے یہ سبب ہے کہ وہ سب کچھ
کر سکتا ہے اور اس کی مختصر سی ملکیت بیس ہزار ایکڑ کی ایسے
غیر ملک کی ایک لاکھ ایکڑ کی ملکیت کے برابر ہے ، جہاں کے
باشندہ ہر ایک ترقی کے واسطے گورنمنٹ پر ہی حصر کرتے ہیں
اس طریقہ میں ہندوستان کے سوداگر زیادہ عقل مندی سے کام
کرتے ہیں یعنی وہ گورنمنٹ سے کسی نئی جنس کے پہلے پہل
تجارت کرنے کی استدعا نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی صورت فائدے
کی ہو تو وہ خود ہی اختیار کر لیتے ہیں ۔ امریکہ کی ملکی لڑائی
سے پہلے کیا گورنمنٹ سے کئی برس کے واسطے روئی کی تجارت کی
درخواست ہوئی تھی؟ اگر ایسا ہوتا اور روئی کی تجارت گورنمنٹ
کی خاص تجارت ہوتی تو اس وقت میں ہماری گورنمنٹ تمام دنیا

میں نہایت متمول ہوتی ایک مدرسہ کشت کاری کا بھی اس ملک میں ہوتا اور فن کاشت کاری کا ایک معلم بھی مقرر ہو جاتا جب اس ملک کے لوگ ہندوستان کو ایسا سمجھتے جیسا کہ فرانس والے اور ہالینڈ والے اپنے ملک کو سمجھتے ہیں مگر محنت اور ایجاد و اختراع اور استقلال اور طبیعت کی آزادی کم ہو جاتی اور کم ہو جانا ان چیزوں کا ملک کی کامیابی اور زمین کی زرخیزی کے حق میں مضر ہے ۔ ان تمام کوششوں میں سے جو زمین کی ترقی کے واسطے ہونی چاہئیں ۔ اُن تدبیروں کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے ، جن سے بھیڑ بکری اور مویشی اور تمام قسموں کے پرندوں کی نسل جو کھیت سے تعلق رکھتی ہیں درست ہووے ۔ آسٹریلیا کے نو آباد باشندے دور دور کے ملکوں سے پشمینہ کی بھیڑیں اور اونٹ اور جانوروں کے منگانے میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں یہاں بھی نہایت متمول آدمی مثل مہاراجہ بردوان اور راجہ پٹیالہ کے البتہ ایسا خرچ کر سکتے ہیں ۔ عوام میں سے کسی میں یہ سکت نہیں ہے کہ ایسا بڑا خرچ بے دھڑک اٹھا سکے ۔ ہاں اگر کچھ لوگ جمع ہو کر بالاتفاق ایسا کام کرنا چاہیں تو ممکن ہے ۔ کیوں کہ مفید جانوروں کی نسل درست کرنے کے لیے کچھ دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک جانے کی ضرورت نہیں ۔ بھیڑوں کی نسل اس طرح درست ہو سکتی ہے کہ کشمیر اور تبت اور کابل سے منگائی جاویں اور بنگالہ کی گایوں کی نسل اس طرح پر درست ہو سکتی ہے کہ وہاں ممالک مغربی و شمالی اور دکھن سے منگائی جاویں اور علیٰ ہذا القیاس ۔ چناں چہ مسٹر ٹیلر صاحب نے پٹنہ میں اسی طریق پر عمل کیا ، کہتے ہیں کہ ان کی کھیتی میں بڑی پیداوار ہوتی ہے ۔

ان دونوں معاملوں یعنی کاشت کاری اور پرورش مویشی کے

فن میں بہت سی نمائشوں میں جو تمام ملک میں قائم ہوئی ہیں ۔ بلاشبہ گورنمنٹ پیش قدمی کرنے لگی ہے اور ہندوستانی زمین داروں اور امیروں نے بھی بے تکلف بہت سی مدد دی ہے اور ہمیشہ کثرت سے شریک ہوتے ہیں ۔ ہم کو یقین ہے کہ اس کام سے بہت سا اصلی فائدہ ہوگا ۔ یہ ممکن ہے کہ اول ہی میں جو نمائش کی جاوے اُس میں تکلف اور بناوٹ ہونے کے سبب سے فائدہ اس کا ضائع ہو جائے لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ بناوٹ اور تکلف پر فائدہ غالب رہے گا اور فائدہ ہی اُن نمائشوں کا خاص مقصود ٹھہرے گا ۔

جو دولت مند ہندوستانی تجارت کے کاموں میں مصروف ہیں اُن کو یہ بات بتلانی کچھ ضروری نہیں کہ کس شے میں اُن کا فائدہ ہے اور کس کس طرح سے اُن کو اپنی قابلیت اور رعب داب کو اپنے نفع کی ترقی دینے اور اپنے ملک کی تجارت کے بڑھانے میں کام میں لانا چاہیے ۔ کچھ تھوڑا سا کہنا کافی ہوگا کہ وہ اپنے تمام معاملات میں نہایت صداقت اور دیانت برتیں اور ملک میں ایسے ایسے فنون اور کارخانے جاری کریں جن سے اقبال اور کامیابی حاصل ہو ۔ اس موقع پر ہم بابو ہیرا لال سیل صاحب کی مثال دے سکتے ہیں کہ وہ انھی دنوں میں گنگا کے جنوبی کنارہ پر مقام پتھر گھاٹا میں جو منگھر سے بہت دور نہیں ہے ۔ جہاں چینی بنانے کی مٹی کی کان نکلی ہے ۔ چینی کے برتنوں کا کارخانہ قائم کرکے اپنی دولت کو بڑھا رہے ہیں ۔

اس بات کے بیان کرنے سے ہماری طبیعت خواہ مخواہ اس پچھلے مضمون یعنی کانوں کی طرف مائل ہوتی ہے چاہیے یہ کہ بہت سے کان کھودنے والوں اور زمین کی پہنچاننے والوں کو بھی ہم پہونچا کر ایک سرے سے دوسرے سرے تک

ملک کا امتحان کرایا جاوے ھم کو اس بات کے یقین کرنے کی بہت سی وجوھات ھیں کہ ھندوستان مفید معدنیات اور فلزات سے از بس معمور ھے ۔ چناں چہ پہاڑوں میں کثرت سے لوھا موجود ھے اور کوئلہ جا بجا نکلتا ھے ۔

غالباً ملک برھا میں ٹین مل سکتا ھے ۔ اور یہ بات مدت سے معلوم ھے کہ سرمہ تبت کوچک میں موجود ھے ۔ جہاں ھمارے دولت مند آدمی کار براری کر سکتے ھیں ۔ سنا ھے کہ راجہ منڈی کے علاقہ اور ملک پنجاب میں نمک بہت ھوتا ھے ۔ اگر ایک عمدہ کان نمک کی مل جاوے تو زمین کے قطعۂ کی قیمت ھزار گنے سے زیادہ ھو جاتی ھے اور قرب و جوار کے لوگوں کو اس سے فائدہ بہت ھوتا ھے ۔

ھم ایسے مضمونوں کو ذکر کرنے سے پہلے جو بہبودی اور کامیابی سے متعلق ھیں یہ کہتے ھیں ۔ کہ وہ دولت مند اور ذی رتبہ ھندوستانی جو قصبوں اور شہروں میں جائداد کے مالک ھوتے ھیں اپنی رعایا کی جسمانی حالت کو بہت ترقی دے سکتے ھیں اس طرح پر کہ کوچے فراخ اور صاف اور مکان ھوا دار بنائے جاویں اور راستوں میں درختوں کی قطاریں لگائی جاویں تو ھوا کی غلاظت کا اثر جو بسبب انبوہ آدمیوں اور تنگی کوچوں کے ھوتا ھے ، دور ھو جاوے اور ان کی تندرستی کو ضرر نہ پہنچاوے اور تالاب بھی عمدہ پانی کے کھدوائے جاویں ۔

اب ھم سب سے اخیر اور بڑے معاملہ کا ذکر کرتے ھیں جن میں اوروں کی بہ نسبت نیکی پھیلانے کے واسطے رعب و داب زیادہ موثر ھے ۔ اُن میں اول معاملات عقلی اور بعدہ مذھبی اور روحانی کا ذکر کریں گے ۔ اس مقام پر ھم کو بلا شبہ اول درجہ پر تعلیم کو قرار دینا چاھیے ۔ مشرقی دنیا میں بہت سے علوم اور عالم

ہوئے ہیں ، لیکن اب تک اصلی یا دقیق علوم کا حاصل کرنا اور روزمرہ کے کاروبار اور ہنر و فن میں موافق علم کے عمل کرنا باقی ہے ۔ علم کے بموجب عمل کرنا ایسی چیز ہے کہ اسی کے باعث سے یورپ کو اس قدر سر بلندی حاصل ہوئی ہے جو طبیعت یا رائے کی آزادی کے باعث سے نہایت عمدہ ہو گیا ہے ۔ یہ یورپ کی آزادی طبیعت بسبب تہذیب مذہب کے پیدا ہوئی ہے اور اس تہذیب مذہب کے باعث سے جو لوگ کہ جسم اور روح کی جبری تعدی میں مبتلا تھے اس سے آزاد ہو گئے ۔ ہماری رائے میں اسی باعث سے یورپ اس بڑے درجہ کو پہنچا ہے جو اس کو اس وقت میں حاصل ہے اور شاید بسبب تہذیب مذہب کے ہندوستان بھی اس عالی رتبہ کو پہنچ جاوے گا جو اس کو اپنے حق کی وجہ سے دنیا کے اور ملکوں میں حاصل کرنا چاہیے ۔ پس ہم کو اپنے ملک کی ترقی کی توقع سچی اور عمدہ علم کے پھیلنے پر کرنی چاہیے ۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک عموماً علم نہ پھیلے گا اس وقت تک انسانوں کے خیر خواہ لوگ جو کچھ جاں فشانی اور کوشش اپنے ملک کی بھلائی کے واسطے کریں گے وہ ان کو بے فائدہ معلوم ہوگی اور جو رعب و داب وہ بھلائی کے واسطے عمل میں لاویں گے اس کو کچھ استقلال اور ثبات نہ ہوگا ۔ اس کی ایسی مثال ہے ۔ جیسے کہ چاروں طرف اندھیرا اور تاریکی ہو اور اس میں خفیف سی روشنی چمکتی ہو ان لوگوں کی تمام عمر ایسی کوشش میں صرف ہوگی کہ گویا ریت کی بنیاد پر ایک سنگ مرمر کا محل بنایا تھا ۔

اس معاملہ میں اور ایک صورت میں نہایت استحکام کے ساتھ ہم یہ کہتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کا متفق ہونا بڑے کام کی چیز ہے ۔ نہایت قوی آدمی اگر تنہا ہو تو بہت سے آدمیوں کے مقابلہ

میں اپنے آپ کو کمزور پاتا ھے اور نہایت عمدہ آن نتیجوں کی
قدر و منزلت جو بہت سی قوتوں کے شامل ہونے سے حاصل
ہوتی ھے اس طرح سے بڑھنے کی بہ نسبت جس طرح علم حساب
میں جمع کے عدد بڑھتے ھیں ایسی بڑھتی ھے جیسے ضرب کے
قاعدے سے عدد بڑھتے چلے جاتے ھیں ۔ پس یہ بات بخوبی ظاھر
ھے کہ جن کو خدا تعالیٰ نے عزت اور وقر اور اختیار عنایت کیا
ھے وہ صرف اپنے ھی فائدوں کی رعایت اور حفاظت میں متفق اور
مجتمع نہ ھوں بلکہ تعلیم اور نیک باتوں اور اخلاق کے ایسے
معقول اور مضبوط اصولوں کو شائع کرنے میں بھی اتفاق کریں
جن کے سبب سے ایک ملک قوموں میں امتیاز حاصل کرتا ھے ۔

تعلیم مختلف قسموں میں تقسیم ھو سکتی ھے یعنی دیسی زبان
اور انگریزی زبان اور ایسی تربیت جس سے جسم درست رھے اور
آدمی توانا اور تناور ھوں اور علم انشا وغیرہ اور مردوں اور
عورتوں کی تعلیم اور تعلیم عام اور تعلیم خاص ۔ عام تعلیم سے ھماری
مراد یہ ھے کہ بہت سے دھقانوں کے گروھوں کو جو دیہات وغیرہ
میں رھتے ھیں دیسی زبانوں میں بدرجہ اعتدال تعلیم کی جاوے
اور صرف لکھنا پڑھنا اور حساب سکھایا جاوے ۔ اگر ان لوگوں
کی عورتوں کو اب سے پچیس برس گزرنے سے پہلے پڑھایا لکھایا
جاوے گا تو ھماری رائے میں وہ بے موقع اور بے اثر ھوگا ۔ یہ
لوگ جو بہت محنت اور مشقت اور سختی کے ساتھ زندگی بسر
کرتے ھیں اس لیے آن کی جسمی تربیت کے واسطے یہ طریق زندگی
ھی کافی دافی ھے اور کچھ سکھانے اور سمجھانے کی حاجت
نہیں اور قصبوں اور شہروں کے واسطے ایسے اسکول اور کالج
جن میں انگریزی اور دیسی دونوں زبانوں میں تعلیم کی جاوے
قائم ھونے چاھیں ۔ یہ خاص تعلیم بڑے درجہ کی تعلیم ھوگی اور ان

اسکولوں اور کالجوں میں بڑے دقیق علم کو بڑی منزلت دینی چاہیے ۔ اور ان کی بڑی جماعتوں کے طالب علموں کی جسمانی تربیت کے واسطے کسی عام مقام میں ایک اکھاڑا کافی ہوگا اور لڑکیوں کے واسطے علیحدہ مدرسے ہونے ضرور ہیں ۔

علاوہ اس کے امیروں اور بڑے آدمیوں اور عالم و فاضل لوگوں کو چاہیے کہ اپنے ایسوسی ایشن اور سوسائٹی اس غرض سے بناویں کہ مفید علم بارزانی شائع کریں اور عمدہ عمدہ علوم اور فنون کو ترقی اور عظمت بخشیں اور فیاضی کے کام کیا کریں ۔ ایسے مفید علم کو جو عوام کے فہم سے مناسبت رکھتا ہو اس طرح پر بارزانی شائع کریں کہ مفید مفید مضمونوں پر چھوٹی چھوٹی اور سستی اصول کی کتابیں مشتہر کریں اور جا بجا ایسے آدمی مقرر کریں جو اُن کو گلی کوچوں میں بیچتے پھرا کریں اور صبح و شام اُن مقاموں میں جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں کوئی سستا اخبار سنانے سے بہت فائدہ ہوگا لیکن اس طرح سے جو غذا اس اخبار کے ذریعہ سے مہیا کی جاوے وہ ایسی ہو کہ اُس میں گرمی اور جوش نہ پایا جاوے ملائم اور ٹھنڈی ہووے یعنی ایسی نہ ہو جس سے گمراہی حاصل ہو اور طبیعت بے فائدہ بھڑکے ۔ اس عام اخبار کا ایڈیٹر جو تمام ہندوستان کے واسطے عام ہوگا ۔ ایسا نہایت عمدہ تعلیم یافتہ شخص ہونا چاہیے ۔ جس کی طبیعت نہایت سلیم اور حلیم اور بے شر ہو اور عمدہ عمدہ دقیق علوم اور فنون کے رواج کے واسطے ایک علمی روز نامچہ کا مقرر کرنا اور علمی لیاقت یا خوبی صنعت کے واسطے انعام دینا ایسے عمدہ اور صاف طریقے ہیں کہ تھوڑے خرچ سے بہت سا کچھ مطلب اُن سے حاصل ہو سکتا ہے ۔ سوائے اس کے لکچروں کا

دینا بھی فائدے سے خالی نہیں ۔

یہ بات بیان کرنے سے ہم کو خوشی ہے کہ ان سب باتوں میں بہت سی ترقی ہو گئی ہے چناں چہ دیہات میں دیسی زبانوں کی تعلیم بہت زور شور سے کی جاتی ہے ۔ اور تمام ملک میں جسم کی درستی کے واسطے اکھاڑے موجود ہیں اور بہت سے ایسے مدرسہ اور کالج جن کو صرف ہندوستانی قائم کرتے ہیں بڑے بڑے شہروں میں مثلاً کلکتہ اور لاہور اور آگرہ ۔ غازی پور کے جا بجا قائم ہوتے جاتے ہیں اور عورتوں کی تعلیم خواہ پردہ میں خواہ مدرسہ میں ہونا اب ایسا سوال نہیں رہا جس پر کچھ حجت اور شک و شبہ باقی رہا ہو ۔ اور دقیق علم انشاء کی جماعتیں بنتی جاتی ہیں اور بہت سے اخبار جاری ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر قسم اور ہر استعداد کے لکھنے پڑھنے والے موجود ہیں ۔ اور باوجود بے شمار اور بڑے بڑے ہرجوں اور دقتوں کے وہ اخبار ترقی پر ہیں ۔

اب ہم ختم کلام پر یہ کہتے ہیں کہ بڑے درجہ کی روحانی اور مذہبی تعلیم کے واسطے مختلف مذہبوں کی حقیقیت پر مباحثہ کرنے کے لیے ایسوسی ایشن یعنی جماعتیں مقرر کی جاویں جیسے کہ نہایت دانا اور نہایت اچھے ایشا کے بادشاہ ہمیشہ کرتے رہے ہیں اور ایمان کا زر خالص جن خراب باتوں سے پھیکا اور بد روپ ہو رہا ہے اُن برائیوں کو خاص خاص کمیٹیاں لوگوں کو جتایا کریں اور مقدس اور معزز کتابوں پر غور اور تمیز سے بحث کی جایا کرے اور غریبوں کے واسطے ہسپتالیں اور خیرات خانے اور رفاہ عام کے واسطے سرائیں بنائی جاویں اس بڑے معاملہ میں بہت کچھ ہو بھی چکا ہے لیکن اس کی مثالیں دینا کچھ

ضرور نہیں - شاید کسی کو ناگوار گذریں اس لیے اس موقع پر سب مذہب کے لوگوں کی نسبت عموماً ذکر کرنا بہت اچھا طریقہ ہے - اب ہم اپنی گفتگو کو انگلستان کے ایک بڑے شاعر کے چند لفظوں پر ختم کرتے ہیں - وہ یہ ہیں - کہ "تمام انسانوں کی غرض ثواب سے ہے گو وہ کسی ڈھب اور کسی طریقہ سے حاصل کیا جاوے -"

اہلِ ملک اور ترقیِ تربیت

(۲۰ ستمبر ۱۸۶۷ء)

وہ کون سی تدبیریں ہیں جن سے اہلِ ہند کی تربیت کو ترقی ہو اور وہ بھی مثل اور ملک کے رہنے والوں کے ملکی فخر اور امتیاز حاصل کریں ۔ اس مضمون میں غالباً ملکی فخر سے وہ فخر اور عزت مراد ہے جو کسی ملک کے رہنے والوں کو عام تربیت اور شائستگی کے پھیلنے سے بلا لحاظ مذہب اور قوم کے حاصل ہوتی ہے ۔ ہم لوگ اہلِ یورپ کو ایک شائستہ اور تربیت یافتہ قوم کہتے ہیں ۔ اور ان کی نسبت ہر طرح کا ملکی فخر و امتیاز منسوب کرتے ہیں ۔ وہ لوگ نہ ایک قوم ہیں اور نہ ایک مذہب رکھتے ہیں ۔ مگر انھوں نے اپنے ملک میں بلا لحاظ قوم و مذہب کے عام تربیت اور شائستگی پھیلانے سے ملکی فخر اور امتیاز کا خطاب حاصل کیا ہے ۔

ہندوستان باستثناء روس اور بالٹک کے شمالی حصہ کے یورپ کے برابر ہے اور جس طرح کہ یورپ میں متعدد قومیں آباد ہیں اسی طرح ہندوستان میں بھی متعدد قومیں بستی ہیں ۔ اور جس طرح یورپ کی قومیں باہم مشابہت رکھتی ہیں ۔ اسی طرح ہندوستان کی قومیں بھی باہم مشابہ ہیں ۔ اگر کوئی پردیسی یورپ میں جاوے تو اٹلی والوں اور انگلستان والوں میں کچھ تمیز نہ کر سکے گا ۔ اس طرح اگر کوئی پردیسی ہندوستان میں آوے تو ہندوستان کی بھی مشابہ قوموں میں یکایک کچھ امتیاز نہ کر سکے گا ۔

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں کئی سو برس سے کم میں جس کا شروع زمانہ بارہ سو برس کے قریب محمد بن قاسم سپہ سالار کے عہد سے قرار دیتا ہوں ایک اجنبی قوم ہندوستان میں آ کر آباد ہوئی جو مزاج اور سیرت اور طبیعت اور خصلت میں ہندوستان کی قوموں سے بالکل مختلف تھی مگر غور کرنے کی بات ہے کہ نیچر نے قوموں کی خصلتوں اور طبیعتوں کا اختلاف زیادہ تر ملک کی خاصیت پر رکھا ہے ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سرد ملک کے اُون دار جانور جب کئی نسل تک گرم ملک میں رکھے جاتے ہیں تو وہ اُون جو نیچر نے اُن کو سردی سے محفوظ رکھنے کے لیے بنائی تھی باقی نہیں رہتی ۔ پس کوئی قوم جو کسی ملک میں آ کر بسے ایک زمانہ کے بعد ملک کی خاصیت سے اس قوم کا بھی قریب قریب وہی رنگ ڈھنگ ہو جاتا ہے جو اس ملک کی قوموں کا ہوتا ہے اور وہ قوم بھی اُس ملک کی مشابہ قوموں میں داخل ہو جاتی ہے ۔ ملیبار کے کالے یہودیوں پر خیال کیا جاوے جو بخت نصر کے عہد میں ویران ہو کر وہاں آباد ہوئے ۔ حالاں کہ اِن کی اصلیت ملیباریوں سے بالکل مختلف ہے ۔ مگر مذہب کے اختلاف کے سوا کوئی شخص ان کو ایک ملیباری قوموں کی مشابہ قوم کے سوا اور کچھ نہیں بتلا سکتا ۔ پس مسلمان قوموں کی اصلیت کچھ ہی ہو مگر ایک ہی مدت دراز کی سکونت اور توطن اختیار کرنے کے سبب نیچر نے ان کے خون کو ان کی اصلیت کو بدل دیا ہے اور جس طرح اور قومیں ہندوستان میں آ کر آباد ہوئیں اور ہندوستان کی مشابہ قوموں میں داخل ہو گئیں ۔ اسی طرح مسلمانوں کا خون اور گوشت پوست ہندوستان ہی کی پیداوار ہے ۔ اور ہندوستان ہی کی آب و ہوا سے بن گیا ہے ۔ اس لیے وہ بھی ہندوستان کی ایک مشابہ قوموں

میں داخل ہیں ۔

مضمون میں جو ملکی فخر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے غالباً وہی فخر مراد ہے جو ہندوستان کی تمام موجودہ قوموں کی مجموعی تربیت اور شائستگی سے بلا لحاظ ان کے مذہب اور اُن کی اصلیت کے ملک کو حاصل ہو ۔ کیوں کہ اگر اس لفظ کا یہ مطلب نہ سمجھا جاوے تو ملکی فخر کے لفظ کا استعمال صحیح نہ ہوگا ۔ اور نہ ملکی فخر باقی رہے گا ۔ بلکہ خاص خاص قوموں کا فخر کہلائے گا ۔ جس کا حاصل ہونا نیچر کے رو سے بغیر ایک دوسرے کی ہم دردی اور مدد گاری کے غیر ممکن ہے اور اس کا نتیجہ بہ جز ملکی ذلت کے اور کچھ نہیں ۔

شاید ہمارے بعضے دوست ایسے ہوں کہ اہلِ ہند کی تربیت کو ترقی دینے کا مضمون سن کر متعجب ہوئے ہوں اور خیال کرتے ہوں کہ اہلِ ہند کی تربیت میں کیا کمی ہے جس کی ترقی دینے کی تدبیروں پر گفت‌گو کی جاتی ہے ۔ اہلِ ہند نے علم و ہنر و شائستگی میں تمام دنیا کی قوموں سے پہلے (مگر میں کہوں گا کہ مصریوں کے بعد) ملکی فخر و امتیاز حاصل کیا تھا ۔ ہندوؤں کا علم الہیات اُس زمانے کی تمام قوموں کے علم الہیات سے عمدہ تھا ۔ ان کا علم انشاء تمام دنیا کے علم پر فائق تھا ۔ مہا بھارت اور رامائن کی رزمیہ نظم تمام دنیا کی رزمیہ نظموں پر سبقت لے گئی تھی ۔ کیا مگھاکی رزمیہ نظم جس میں ایک روح نے بادل کے ھاتھ اپنے دوست کو پیغام بھیجا ہے اور جس میں برکھا کا سماں باندھا ہے ہرایک ملک کی کیفیت جس میں وہ ایلچی بادل گزرے گا دکھائی ہے اور پھر اس روح کا رنج و غم وطن کی فراق میں جتایا ہے ایسی عمدہ تھی کہ اس نے تمام دنیا کی بزمیہ نظم کو اشک حسرت سے ساون کے بادل کی طرح رلایا تھا ۔

ہندوؤں کے علم ہندسہ میں علم مثلث کے ایجاد میں اور بالخصوص اس ثبوت کے ایجاد میں جس میں مثلث کے تینوں ضلعوں سے اُس کی سطح دریافت ہوتی ہے - کیسی کچھ نام آوری پائی تھی - علم حساب میں کسور اعشاریہ کے ایجاد میں کیسا کچھ ان کو افتخار حاصل ہوا تھا - اہلِ عرب اگرچہ جبر و مقابلہ کی ایجاد کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ہندوستان نے اس میں ایسے قدیم زمانے میں بھی ایسا کمال حاصل کیا تھا کہ بعض عالموں نے انہیں کو اس کے موجد ہونے کا فخر و امتیاز دیا ہے - علم ہیئت میں ہندوؤں نے کیسی سر بلندی حاصل کی تھی - زمین کی روزانہ حرکت کا جس کی خوشہ چینی فیثا غورث یونانی حکیم نے کی اور پھر جس کو پرتکس نے رواج دیا - ہندوؤں نے ہی سب سے پہلے خیال کیا تھا - چودہ سو برس پیش تر حضرت مسیح کے ہندوؤں نے ہی طریق الشمس کو ستائیس نچھتروں پر تقسیم کیا تھا - پارس رائے نے اُسی زمانہ میں علم ہیئت کے نشان کو ہندوؤں کے نام سے سر بلند کیا تھا ہندوؤں کا علم جغرافیہ بہت کم تر درجہ گنا جاتا ہے مگر انہوں نے ساتویں آٹھویں صدی پیش تر جیسا کہ سریمتی سدھانتا سے ثابت ہے روم اور اٹلی کا حال جان لیا تھا - چین کے ملک سے وہ بہ خوبی واقف ہو گئے تھے - مگد کے راجا نے دوسری صدی مسیحی میں اس کے پاس ایلچی بھیجے تھے - ان کا علم سیاست مدن اور فصل خصومات کا جیسا کہ منو سمرتی سے ثابت ہے نہایت اعلیٰ درجہ تر ترقی پایا ہوا تھا - ان کے ہنر کسی ملک کے ہنروں سے کم نہ تھے - فن عمارت ان کو بہ خوبی معلوم تھا - زراعت کے فن میں سب سے اعلیٰ رتبہ رکھتے تھے - سنگ تراشی کے فن میں لاثانی تھے - ریشمی اور سوتی کپڑے بننے میں آج تک کسی ملک نے اُن کی ہم سری نہیں کی ہے -

مسلمان بھی جو ایک اجنبی قوم گنی جاتی ھے اور جن کو میں نے ابھی ثابت کیا کہ وہ بھی ھندوستان میں مدت سے متوطن ھو جانے کے سبب مثل اور قوموں کے ھندوستان ھی کی ایک مشابہ قوم ھو گئے ھیں ۔ علم و ھنر اور شائستگی میں کچھ کم درجہ نہ رکھتے تھے ۔ فصاحت اور بلاغت ان کا روز مرہ تھا ۔ شاعری ان کی ماں کے پیٹ سے ان کے ساتھ پیدا ھوئی تھی ۔ حریری و یمنی متنبی کی کتابیں بھی اب تک دنیا میں موجود ھیں پورے تیرہ سو برس کی عورتوں کا کلام اب تک ھمارے پاس موجود ھے ۔ جس کے ایک ایک فقرہ پر ہزاروں در شاھوار کی لاکھوں لڑیاں نثار ھوتی ھیں ۔ انھوں نے یونانیوں سے جتنا لیا اس کو بہت بڑھایا اور پھر کیا کچھ کر دکھایا ۔ طب کو کیسی کچھ ترقی دی ۔ علم کیمیا کے اصولوں کے ایجاد کا فخر مسلمانوں ھی کو نصیب ھوا یہاں تک کہ انگریزی زبان میں اب تک بہت سے لفظ عربی زبان کے اس علم کی اصطلاحوں میں مستعمل ھیں ۔ علم حیوانات میں ابو عثمان اور علم نباتات میں عبدالرحمان برونی کیسے نام آور ھوئے ۔ وزن ، ھوا اور علم مائیات اور جذب مرکزی اور تجاذب اجزا کی انھوں نے راہ نکالی ۔ اس بات کا فخر بلا شبہ مسلمانوں ھی کو ھے کہ ان ھی کے بزرگوں میں سے ابو علی الحسن تھا جس نے یونانیوں اور تمام دنیا کے لوگوں کی اس غلطی کو صحیح کیا ۔ کہ آنکھ سے شعاع بصر نہیں نکلتی بلکہ تمام چیزوں کی شبیہہ آنکھ میں آ کر بنتی ھے اسی تحقیقات کا یہ نتیجہ ھے جو تم آج کل فوٹوگراف کی ایسی ایسی عمدہ تصویریں دیکھتے ھو ۔ خلیفہ مامون کے عہد میں جو زمین کے دائرہ عظیمہ کی نمائش سنجار اور کوفہ کے میدانوں میں ھوئی ۔ وہ آج تک ھمارے فخر کا باعث ھے ۔ مسلمانوں کا عہد کثرت مدارس

سے نہایت اعلیٰ درجہ کی عزت رکھتا ھے ۔ بغداد ،کوفہ ، نیشاپور ، قرطبہ ، غرناطہ کے مدرسے تمام دنیا کے لوگوں کے لیے بہت بڑی یونی ورسٹی کے سے مدرسہ تھے ۔ اسپین یعنی اندلس کے کتب خانہ شاہی میں ایک لاکھ کتاب مجلد طلائی جلد سے آراستہ تھی اور خلفائے بنی امیہ اندلسی کے وقفی کتب خانہ میں چھ لاکھ کتب مجلد تھی جس کی فہرست چوالیس جلد میں تھی ۔ اس کے سوا ستر اور کتب خانہ وقفی تھے ۔ شماسیہ ، بغداد ، کوتاسیہ ، دمشق ، اندلس ، سمرقند ، مراغہ ، اب تک ھمارے رصد خانوں کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں سے معزز و ممتاز ھیں ۔

خلیفہ ھارون رشید عباسی نے شارل مین بادشاہ فرانس کو ایک گھڑی بہ طور تحفہ کے بھیجی تھی جس کا ذکر ایچیسن ھارڈ صاحب نے کیا ھے ۔ مسلمانوں کی ترقی تربیت کے لیے ایک نہایت عمدہ ثبوت ھے ۔ سب سے بڑی عزت جو کسی قوم کو نصیب ھو سکتی تھی وہ مسلمانوں کو نصیب ھوئی کہ تمام فرنگستان ان ھی کی بدولت علم و ھنر اور شائستگی کے زیور سے آراستہ ھوا ۔ ڈاکٹر ڈراپر صاحب فرماتے ھیں کہ علم سیکھنے میں اھل فرھنگ ابو علی الحسن اور ابو موسیٰ اور ابو الوفاء اور عطاء عرب کے زیادہ تر رھین منت ھیں ۔ ھماری روشنی جو دارالخلافہ قرطبہ سے آٹھی اور جس نے تمام فرنگستان، کو روشن کر دیا کبھی بجھنے والی نہیں ۔ پھر جب کہ ھندوستان کی ان دونوں قوموں کا یہ حال ھے تو اب کیا چیز باقی ھے جس میں ھماری تربیت و شائستگی کی ترقی دینے میں گفت گو کی جاتی ھے ۔ یہ باتیں جو کچھ مذکور ھوئیں سب سچ ھین ۔ اور حقیقت میں ھندوستان کی دونوں قوموں کے بڑے فخر کی باعث ھیں ۔ سچ یہ ھے کہ دونوں قومیں کیسی ھی مٹ کیوں نہ

جاویں آن کا یہ آبائی فخر مٹنے والا نہیں ۔ مگر اتنی بات ھے کہ بڑوں کے نام پر غرہ کرنا اور آپ کچھ نہ ھونا عقل کی بات نہیں ۔ مثل مشہور ھے کہ دو چیز در دو چیز باور نیاید ۔ ذکر توانگری در فقیری و ذکر جوانی در پیری :

آدمی را بچشم حال نگر
از خیالِ پیری و دے بگذر

ھمارے بزرگ کیسے ھی کیوں نہ ھوں - ھم میں تو وہ باتیں نہیں ۔ وہ بلا شبہ علوم دقیق کے موجد تھے مگر ھم تو اس کے سمجھنے کے بھی قابل نہیں ۔ پس ھم کو اپنے حال پر رونا چاھیے ، نہ کہ بزرگوں کے نام پر مغرور ھونا ۔

جب کہ سلسلہ کلام یہاں تک پہنچتا ھے تو خود بخود ھماری طبیعت اس طرف مائل ھوتی ھے کہ ھرگاہ ھمارے بزرگ ایسے تھے اور وہ نہایت عمدہ علوم کے عالم بلکہ موجد تھے اور اور ھنروں میں بھی باکمال تھے ۔ تو ھماری ترقی ، تربیت اور کاملیت کے درجہ پر پہنچنے کے لیے یہی بات کافی ھوگی کہ ھم انھیں علوم و فنون آبائی کے زندہ کرنے پر متوجہ ھوں ۔

مگر اس خیال میں بڑا دھوکا اور اس رائے میں بڑی غلطی ھے ۔ ھمارے ان بزرگوں کے بھی جن کا میں نے ذکر کیا کوئی بزرگ تھے ۔ مگر ان بزرگوں نے اپنی کوشش کے ذریعہ سے بہ نسبت اپنے بزرگوں کے زیادہ علم و ھنر کے خزانوں پر رسائی حاصل کی تھی ۔ بہت سے بیش قیمت علم کے جواھر خود تلاش کیے تھے اور علم کے بہت جواھرات کو جلا کاری اور تراش خراش سے جگمگا کر خوب صورت بنایا تھا ۔ اگر وہ لوگ اب تک زندہ رھتے یا ھم لوگ جو ان کے جانشین ھیں ۔ اپنے بزرگوں کی طرح علم و ھنر کی ترقی دینے پر مصروف رھتے تو اپنے بزرگوں

کے علم و ہنر و شائستگی کو بہت زیادہ اعلیٰ درجہ کی ترقی پر پہنچاتے ۔ اور اس دریائے نا پید کنارے سے اور بہت عمدہ عمدہ موتی و جواہر ڈھونڈ کر نکال لیتے مگر ہم نے کچھ نہیں کیا ۔ بلکہ اپنے بزرگوں کی کمائی بھی کھو بیٹھے ۔ پھر اگر ہم کو ہوش آوے اور پھر اپنی تربیت کی ترقی پر متوجہ ہوں تو ہم کو اول یہ دیکھنا چاہیے کہ ہماری غفلت اور نیند کے زمانہ میں اور لوگوں نے کیا کیا ہے اور علم و ہنر و شائستگی کو کہاں تک ترقی پر پہنچایا ہے ۔ اور جس قوم کو ہم دیکھیں کہ اس زمانہ میں علم و ہنر و شائستگی کی دولت سے مالا مال ہے اس کے سامنے ہم بھی اپنا ہاتھ پھیلاویں ۔

شائستگی سے میری مراد اُن رسموں اور عادتوں سے نہیں ہے جو بہ سبب ملکی حالات اور آب و ہوا کی تاثیر سے مختلف ملکوں کی قومیں مختلف طور پر برتاؤ میں لاتی ہیں ۔ اور ایک قوم دوسری قوم کی رسم کو حقارت سے دیکھتی ہے ۔ ایک ہندوستانی ٹوپی اتار کر ننگے سر ہونے کی رسم کو حقیر سمجھتا ہوگا ۔ ایک یورپین جوتا اتار کر ننگے پاؤں پھرنے کی رسم کو حقارت سے دیکھتا ہوگا ۔ کوئی ہاتھ سے نہ کھانا کھانے والوں کو جنگلی جانوروں کی مانند جانتا ہوگا ۔ کوئی کسی کو تیلیوں اور چمچوں سے کھاتے دیکھ کر متعجب ہوگا ۔ مگر اس قسم کی رسموں پر خیال کرنا اور ایک کو دوسرے کی حقارت کرنا ۔ یا اس کے درپے ہونا شائستہ پن نہیں ہے ۔ شائستگی سے میری مراد وہ خلقی اور عملی عمدہ باتیں ہیں جو نیچر کے قواعد پر خیال کر کر فی نفسہ عمدہ ہیں نہ کسی ملک یا کسی مذہب کی مرعات سے ۔ پس جب کہ ہم شائستگی کی ترقی کے درپے ہوں یا کوئی قوم اپنی فیاضی سے ہم کو شائستہ اور تربیت یافتہ کرنے کے درپے ہو تو ہم دولوں

کو واجب ھے کہ ھم اس قسم کے تعصبات کو دل سے دور کر کر اور دلی نیکی سے بلا کسی حقارت کے یا کسی اپنے غرور پندار کے ایک دوسرے کی نیکی اور ھم دردی میں شریک ھوں۔ اور اپنے فرض بھائی بندوں کی بھلائی چاھنے میں ادا کریں۔

اب ھم زمانہ حال کی قوموں پر نظر ڈالتے ھیں کہ کون قوم اس زمانہ میں تربیت کی دولت سے مالا مال ھے ترک و عرب فارس آج کل اسی نتیجہ کو پہنچے ھوئے ھیں جس نتیجہ کی ذلت و خواری ھم اٹھا رہے ھیں۔ افریقہ نے کبھی تربیت و شائستگی میں نام نہیں پایا تھا۔ البتہ مصر اگلے زمانہ میں بلکہ تمام دنیا میں سب سے پہلے نام آور تھا اور اب بھی وہ کچھ کر رھا ھے۔ مگر ھماری رسائی کے قابل نہیں۔ ھماری سرحد کی قومیں برھما والی ، بھوٹان والی شمالی پہاڑوں کی قومیں افغانستان اور آس کے قریب کی قومیں حبشی ، وحشی اور جاھل ھیں۔ تم ان کو خوب جانتے ھو پس اب مدار علم و ھنر اور قومی شائستگی کی ترقی کا یورپ اور امریکہ پر ھے۔ امریکہ اور یورپ کے بہت سے ملک ھماری دسترس سے باھر ھیں۔ البتہ انگلستان کے علم کے خزانوں پر ھماری دسترس ممکن ھے۔ خدا نے ایک اجنبی قوم کو ھم سے ملایا ھے جس سے صاف اس کی مرضی یہی معلوم ھوتی ھے۔ کہ ھم اسی قوم کے ذریعے سے پھر اپنے آپ کو ایک اعلیٰ درجے کی تربیت اور شائستگی پر پہنچاویں۔

وہ ٹکڑا یورپ کا جو ھندوستان تک پہنچا میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالکل بے عیب ھے اور اس کے خیالات میں بالکل آزادی ھے اور کسی قسم کی رکاوٹ کیا آبائی کیا رسمی اور کیا ملکی اس میں نہیں مگر ھاں یہ کہتا ھوں کہ اور تمام قوموں سے عمدہ سے عمدہ وصفوں میں زیادہ تر موصوف ھے۔ مجموعی صفت

اس قوم کی انسان کی بھلائی چاھنا اور سب کی ھم دردی کرنا ھے جو عین مرضی نیچر کی تھی جس نے ایک خون سے تمام انسانوں کو پیدا کیا ۔

ان تمام بیانوں سے مضمون جو بحث میں ھے از خود حاصل ھو جاتا ھے کہ ملکی فخر و امتیاز حاصل کرنے اور اپنی شائستگی و تربیت کی ترقی دینے کو ھم کو بھی وھی کرنا چاھیے جو یورپ کی قوم یا ھمارے مہمان بھائی انگلستان کی قوم نے کیا ۔ اس نے کیا کیا بجز علم کی ترقی کے اور کچھ نہیں کیا اور اسی کی بدولت سب کچھ لیا ۔ اور نہایت اعلیٰ رتبہ کا نام پایا علم کی ترقی کی بدولت یہ نام ھوا ۔ ڈیوک ، لارڈ ، ارل یا اور رئیسوں اور شریفوں کے علم کی بدولت ۔ نہیں نہیں ۔ عام ملک کے علم کی ترقی کی بدولت عام قوموں کی ترقی علم کی بدولت یورپ کے ایک بہت بڑے عالم نے قومی تعلیم پر ایک بہت بڑا مضمون لکھ کر اس کے آخر میں یہ چند فقرے لکھے ھیں ۔ چناں چہ اپنا یہ کلام ھے کہ یہ مضمون جس پر ھم گفت گو کر رھے ھیں ھر ملک کے لیے نہایت ھی مفید ھے ۔ روئے زمین پر کوئی ایسا حصہ نہیں جس پر ایسی قوموں کے نشان نہیں ھیں جو ایک نہ ایک دفعہ ترقی اور بہبودی کی حالت میں تھیں ۔ اور جو اب بالکل یا اس کے قریب قریب شائستہ قوموں کے شمار میں نہیں آتیں ۔ ھر ملک کی حالت اس کے رھنے والوں کی طبیعت پر قائم رھتی ھے جہاں کے رھنے والوں کی طبیعت مستقل اور ان کا دل روشن اور ان کے اخلاق اچھے ھوتے ھیں ۔ ملک کی حالت بھی اچھی ھوتی ھے بلکہ زیادہ عروج اور ترقی کی حالت پر پہنچتی ھے اور جہاں عوام الناس کے دلوں پر جہالت کی تاریکی اور رذیل خصلتوں کی بد قسمتی چھا جاتی ھے تو تنزل شروع ھوتا ھے اور رفتہ رفتہ زوال آ جاتا ھے (افسوس کرنا چاھیے

جب کہ کسی ملک کے خواص لوگوں کے دلوں پر اور اُن کی اولاد پر یہ کیفیتیں چھا گئیں تو اس ملک پر کیا کچھ نہ زوال آیا ہوگا) ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر ایک قوم کی حالت جو اب موجود ھے ۔ اُس قوم پر عوام کو روشن ضمیر کرنا فرض ھے ۔ پھر ھم لوگ اپنے تئیں انساُن دوست خیال کریں یا ملک دوست کہیں ۔ ھم پر اپنے ملک کی قومی تعلیم پر یکساں تعلق رکھنا واجب ھے ، کیوں کہ اس سے ھم کو ھر ایک بات کی مدد ملتی ھے ۔ یہ قول اس بڑے عالم کا ھماری ملکی ترقی تربیت و شائستگی کے لیے نہایت عمدہ دستور العمل ھے ۔ پس ھم کو اپنے تئیں ملکی فخر و امتیاز نصیب ھونے کے لیے یہی چاھیے کہ ھم عام علم اور عام تربیت پھیلانے پر یک دل ھو کر کوشش کریں مگر نہ کسی جھوٹے یا اوپر کے دل سے اور نہ اپنی شان اور اپنا فخر دکھانے کی نظر سے بلکہ نہایت عاجزی اور غریبی اور خاکساری اور دلی نیکی اور روحانی ھم دردی سے تاکہ ھماری فانی دولت ھماری قلب نما عزت ھمارا جھوٹا ظاھری فخر اس کا اثر لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جانے سے روک نہ دے ۔

اب یہ بات غور طلب ھے کہ جو قومیں زمانہ حال میں یہ فخر و امتیاز رکھتی ھیں اور جو قومیں اگلے زمانے میں رکھتی تھیں ۔ انھوں نے کس طرح اپنے ملک میں عام علم اور عام تربیت کو پھیلایا ۔ سب کے سب نے بالاتفاق اپنی اپنی زبانوں میں علم کے پھیلانے سے وہ بڑائی اور بزرگی حاصل کی ۔

ھندو فرض کر لو کہ تمام علموں کے موجد تھے اور انھیں نے کسی اور قوم سے نہیں لیا تھا اور یہ بھی مان لو کہ جس طرح کہ در حقیقت وہ یونانیوں کے احسان مند نہیں ھیں اسی طرح وہ مصریوں کے بھی احسان مند نہیں ھیں ۔ تاھم یہ بات مانی

پڑے گی که انهوں نے زیادہ تر تحقیقات اور زیادہ واقف کاری کے لیے اجنبی قوموں کے علوم کا اپنی زبان میں ترجمه کیا ۔ پانچویں صدی میں هندو یونانیوں سے به خوبی واقف هو گئے تھے ۔ ان کے کلام کو ادب سے لحاظ کرتے تھے ۔ روما کا سدھانتا سے ثابت هے که انهوں نے رومیوں کے علم هیئت پر توجه کی تھی ، غیر قوم کی کتابوں سے ثابت هے که هندوؤں نے غیر قوم کے علوم و مسائل اپنی زبان میں ترجمه کیے تھے ۔ چناں چه شت دساتیر کی شرح میں جو آتش پرستوں کی کتاب آسمانی هے ۔ ساسان پنجم نے شنکر اچارج کا نام به لفظ چکر نگاچه اور اس کے وهاں جانے اور ان کے علم الٰہیات کا اپنی زبان میں ترجمه کر کر لے جانے کا ذکر لکھا هے ۔

یونانیوں نے بڑا حصه علوم و تربیت کا مصریوں سے پایا تھا ۔ اور اس بڑی دولت کو اپنی زبان میں ترجمه کر کے رواج دینے سے ملکی فخر و امتیاز حاصل کیا تھا ۔

مسلمانوں نے جو یه فخر و امتیاز حاصل کیا ۔ انهوں نے بھی عام علوم کو یونانی زبان میں سے ترجمه کر کر رواج دینے سے حاصل کیا ۔ خلیفه منصور نے یونانی زبان سے عربی زبان میں علوم کے مترجموں کو بہت بڑے بڑے انعام دیے ۔ خلیفه مامون نے روم ، شام ، جرمنی ، مصر سے یونانی کتابیں منگوا کر اپنی زبان میں ترجمه کیں ۔ حنین عبادی جو ایک عالم عیسائی مذهب نسطوری فرقه تھا ۔ علم طب کا مترجم تھا ۔ تاریخ سے ثابت هے که سنسکرت زبان کی کتابیں بھی اس نے اپنی زبان میں ترجمه کرائیں ۔

اسپین یعنی اندلس میں عبدالرحمان بن الحکم خلیفه بنی امیه نے یونانی زبان سے اپنی زبان میں کتب کے ترجمه پر کمر باندھی

بڑا نامی مترجم یونانی زبان سے عربی زبان میں ابوالوالد تھا جس کا نام عرب اور یورپ میں مشہور ہے ۔ بطلیموس کی مجسطی کا عربی میں ترجمہ ہونا کیسا بڑا ثبوت ہے اس مدعا کا ۔

اہلِ فرنگ جن کی نسبت تمام بڑائیاں میں نے اس زمانہ کی منسوب کیں جب شائستگی اور ملکی فخر حاصل کرنے پر متوجہ ہوئے تو انھوں نے بھی یہی کیا جو اوروں نے کیا تھا ۔ گیارھویں صدی میں گروہ کے گروہ فرنگستان کے طالب علموں کے اسپین میں گئے اور عربی زبان سیکھ کر ارسطو اور یونانی حکیموں کی کتابیں جو عربی زبان میں ترجمہ ہو چکی تھیں اپنی زبان میں ترجمہ کیں ۔ سب سے اول جس نے یہ کام کیا پادری کانسٹنٹن تھا ۔ اسی طرح ڈانیل مورلی اور رابرٹ ایٹن اور ھنری ارل کے عہد کے پادری ایڈری لارڈ اور اور لوگ عربی زبان سے اپنی زبان میں ترجمہ کرنے پر مستعد ہوئے ۔ اور اسی طرح آج تک برابر مستعد چلے جاتے ہیں ۔

روس میں جب لوگ ترقیّ تربیت پر متوجہ ہوئے تو سب سے اول بادشاہ پیٹردی گریڈ نے جس طرف توجہ دی وہ یہی بات تھی کہ اجنبی مصنفوں کی عمدہ تصنیفات کے ترجمے اپنی زبان میں کر کر چھپوائے ۔ اس بادشاہ کو علم کی اشاعت میں جو دقتیں پیش آئیں نہایت استقلال سے ان پر ظفریاب ہوا ۔ اس بلند اور مستقل ارادے کے پورا کرنے میں کہ وہ صرف اپنے ھی نہیں بلکہ غیروں کے علوم بھی اپنی زبان میں منتقل کرے ۔ اس کو قدم قدم پر دشواریاں پیش آئیں ۔ مگر اس کا مستقل ارادہ ان سب پر غالب آیا ۔ اور اسی بات سے پیٹر اعظم کے لقب پانے کا سزاوار ہوا ۔ اور اس کی محنت کے وہ نتیجے جو اپنی زبان میں علم پھیلانے کے تھے اب تک موجود ہیں ۔ اور ہمیشہ موجود

رھیں گے اگر پیٹر اعظم کا اُن بہت سے بادشاھوں سے جن کے بڑے بڑے کاموں کا روئے زمین پر غلغلہ ھے مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ھوگا کہ اُن سب سے اُس کا نام بلند ھے ۔ سکندر کے ھاتھ سے جوں ھی عصائے شاھی گرا اس کی ایسی عظیم الشان سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ھو گئی ۔ شارلی میں بونا پارٹ کا بھی یہی حال ھوا ان سب نے بہت سی چیزوں کو ملایا مگر کچھ قائم نہ کیا ۔ شہر اسکندریہ مقدونیہ کے بادشاہ کو اور مجموعہ قوانین فرانس کے فتح مند نپولین کو یاد دلاتا ھے ۔ جو درخت روسی فتح مند پیٹر اعظم نے بویا وہ اب تک قائم ھے اور ھمیشہ روز بروز تازہ ھوتا رھے گا ۔ وہ درخت یہی علم کا درخت تھا جس کو اس نے اپنی ملکی زبان کی آبیاری سے سرسبز شاداب کیا تھا ۔ بہت سے بادشاھوں نے اپنی سلطنت کا تکیہ تلوار پر کیا ۔ مگر پیٹر اعظم نے اپنی سلطنت کی بنیاد علوم و شائستگی پر قائم کی ۔ اس نے اپنی ملکی زبان کی تہجی کو درست کیا ۔ حرفوں کی شکلوں کو سنوارا دارالخلافت روس میں چھاپے خانے مقرر کیے ۔ انواع و اقسام علوم کی کتابوں کو اجنبی قوموں کی زبان سے اپنی زبان میں ترجمہ کر کر چھاپا ۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ ۱۸۱۳ء تک تیرہ هزار دو سو انچاس کتابیں روس کی ملکی زبان میں شمار کی گئیں ۔

یہ مضمون جس پر ھم گفت گو کر رھے ھیں ایک ایسا مضمون ھے کہ اس پر بہت کچھ کہا جا سکتا ھے ۔ اور ترقی تربیت اور ملکی فخر و امتیاز کو بہت سے اقسام علمی و عملی پر منقسم کر کر ھر ایک شاخ پر بہت لمبی لمبی بحث کی جا سکتی ھے ۔ مگر ان سب کی انتہا یا اُن سب کا شروع اسی ایک بات یعنی عام ترقی علم پر ھوتا ھے ۔ پس حقیقت میں یہی ایک بات ھے جس

پر ترقی تربیتِ اہلِ ہند اور ملکی فخر و عزت حاصل ہونے کا مدار ہے ۔

ان تمام حالات سے جو میں نے بیان کیے بہ خوبی ثابت ہوتا ہے کہ جو قوم تربیت و شائستگی میں ترقی پائی ہوئی تھی اس قوم کے تمام علوم کو اپنی زبان میں کر لیا ۔ پس صاف اور مستحکم تدبیر ہندوستان کی ترقی تربیب و شائستگی کی جو ہزاروں برس کے اور بہت سے ملکوں کے تجربے کے بعد ہاتھ آئی ہے یہی ہے کہ وہ بھی تمام علوم و فنون کو جو اجنبی قوموں کے پاس ہیں اپنی زبان میں جمع کرنے کی ہمت کریں اور بہت لوگ سب سے اول اسی تدبیر کے درپے ہو کر محنت سے روپیہ سے اور ہر قسم کی مدد سے اس امر اہم کے انجام پہنچانے میں کوشش کریں ۔ کلب اور سوسائٹیاں اور انسٹیٹیوٹ یورپ کے دیکھا دیکھی جس قدر ہندوستان میں قائم ہوتی جاتی ہیں اگرچہ مفید ہیں اور کچھ نہ کچھ فائدے سے خالی نہیں ۔ مگر سب کی جڑ یہی ہے کہ سب سے پہلے علم کے خزانوں کو اپنے قابو میں کرو ۔ اور پھر اس کا لطف اٹھاؤ اگر وہ چیز تمھارے پاس نہ ہوگی جس سے تم کسی مجلس میں کھڑے ہو کر گفت گو کرنے کی قابلیت حاصل کر سکو تو صرف مجمع ہونے سے اور کسی کی کوئی ٹوٹی پھوٹی بات سننے سے کوئی کافی اور معتدبہ نتیجہ نہیں حاصل ہو سکتا ۔

علوم کا اہلِ ہند کے قابو میں نہ ہونے کا ایک بڑا ظاہری نتیجہ یہ ہے کہ مجھ سے جاہل آدمی کو یہ جرأت ہوئی ہے کہ کچھ کہوں ۔ اگر تمام علوم ہماری زبان میں ہوتے تو بہت زیادہ لائق اور قابل آدمی کو بھی اہلِ ہند کے سامنے ایسے کام پر کھڑا ہونے کی جرأت نہ ہوتی غرض کہ بغیر اس کے کہ علم اپنی زبان میں ہو عام تربیت اور عام شائستگی کسی ملک کی

ہونی ممکن نہیں ۔

میں اپنے مضمون کو بغیر ایک بات کیے ختم نہ کروں گا وہ یہ کہ میں نے جو ہر مقام پر اپنی زبان کے لفظ کا استعمال کیا ۔ تو اپنی زبان سے میری کیا مراد ہے ۔ میں اپنی زبان سے وہ مراد لیتا ہوں جو کسی ملک میں اس طرح پر مستعمل ہو کہ ہر شخص اس کو سمجھتا ہو اور وہ اس میں بات چیت کرتا ہو خواہ وہ اس ملک کی اصلی زبان ہو یا نہ ہو ۔ اور اسی زبان پر میں ورنیکار کے لفظ کا استعمال کرتا ہوں ۔

اس مضمون سے جو میں نے آپ صاحبوں کے سامنے بیان کیا میرا ارادہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ جو میرے خیالات نسبت ترقی تربیت اہلِ ہند کے ہیں وہ آپ صاحبوں کے روبرو ظاہر کروں تاکہ جو غلطیاں اس میں ہوں اصلاح پاویں اور جو بات ترقی اہلِ ہند کے لیے مفید ہو وہ سب کی غور اور اصلاح میں آوے اور جو عمدہ قرار پاوے ہم سب اس کی پیروی کریں ۔ اور خدا ہمارے ساتھ ہو — آمین

ہومیا پیتھی طریقۂ علاج اور اُس کے فوائد

(۱۷ دسمبر ۱۸۶۷ء)

ہماری اس زندگی میں کوئی چیز ہم کو بیماریوں کے علاج کی طرف متوجہ ہونے سے زیادہ مفید نہیں معلوم ہوتی۔ اگلے وقتوں کے بڑے بڑے عالم اس بات کے تصفیہ کرنے میں ہمیشہ متردد رہے کہ ”علم الادیان“ اور ”علم الابدان“ ان دونوں میں کون سا مقدم و مرجح ہے - خیر ان میں سے کوئی مرجح ہو، مگر کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ بیماریوں کا علاج ایک ایسی چیز ہے کہ ہر ایک چھوٹے بڑے، امیر غریب کو بلکہ ہر ایک جان دار کو اس کی ضرورت ہے - علم الابدان یعنی انسان کے بدن کی بیماریوں کا علم کچھ کھیل یا ہنسی کی بات نہیں ہے کہ ہم نہایت بے توجہی سے اس کو کام میں لاویں، کیوں کہ کوئی علم ہماری اس زندگی میں اس سے زیادہ توجہ کا مستحق نہیں ہے -

ہم دنیا کی تمام چیزوں میں دیکھتے ہیں کہ روز بروز ترقی پائی جاتی ہے - جن چیزوں کی ہمارے بزرگوں کو خبر بھی نہ تھی وہ یکایک ہمارے ہاتھ آ گئیں اور ہمارے لیے نہایت مفید ثابت ہوئیں - بعض چیزوں کا شروع ہمارے بزرگوں نے کیا یا اُن سے تھوڑی واقفیت حاصل کی اور ہم نے اُس کو روز بروز ترقی دینے سے ایسا عمدہ اور خوب صورت بنا لیا کہ لوگ غلطی سے اُس کو

ایک نئی چیز سمجھنے لگے ، حالاں کہ اس کی اصل نئی نہیں ھے ۔ ھومیا پیتھی بھی اسی قسم کی چیز ھے جس کو لوگ غلطی سے ایک نیا قاعدہ علاج کا خیال کرتے ھیں ، حالاں کہ اس کی جڑ بہت پرانے وقتوں سے چلی آتی ھے ۔ ھنمین نے صرف اس کو پانی دے کر تر و تازہ کیا ھے ۔

اگر ھم فرض کریں کہ ھومیا پیتھی ایک نیا قاعدہ علاج کا ھے تو کیا ھم اس بات سے انکار کر سکتے ھیں کہ دنیا میں بہت سی ایسی نئی چیزیں نکلی ھیں جو ھمارے لیے نہایت مفید ھیں اور اُن نئی چیزوں سے پرانی چیزوں کی غلطی ثابت ھوتی ھے یا وہ نئی چیزیں بہ نسبت پرانی چیزوں کے نہایت آسان اور بہت زیادہ مفید معلوم ھوتی ھیں ۔

اکثر آدمی اس قسم کے ھوتے ھیں کہ اپنے پرانے طریقوں پر مضبوطی سے قائم رھتے ھیں ۔ مگر ان کو غور کرنا چاھیے کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ھے کہ ملہم پیغمبروں یا دیوتاؤں نے دیا ھو ۔ انسان کی رائیں اگرچہ اس وجہ سے کہ وہ ھمارے بزرگ تھے، معزز ھوں مگر در حقیقت ریت کی بنیاد ھے اور ھمیشہ زیادہ تر تحقیقات اور توجہ کے لائق ھے تاکہ نیچر یعنی فوائد قدرت سے اس کی بخوبی آزمائش کی جاوے ۔

اگرچہ ھومیا پیتھی اب ایسی حالت میں نہیں رھی کہ اس کی مخالفت سے کوئی شخص اس کے مفید ھونے کو منا سکے ۔ بڑے بڑے عالموں اور ڈاکٹروں نے اس کی سچائی اور عمدگی کا اقرار کیا ھے ۔ اس کی ترقی روز بروز امریکہ ، انگلینڈ ، ایرلینڈ ، فرانس ، آسٹریا میں ایسی ھوتی جاتی ھے جیسے کہ سورج کے ابھرنے کے وقت سے دن کو ۔ مگر اے میرے ھم وطن بھائیو! میں خاص تم کو خطاب کر کر کہتا ھوں کہ یہ مقولہ نہایت سچا ھے

کہ " دواؤں کی آزمائش کرو اس میں انسان کی بھلائی مقصود ہے " پس اگر تم کو اس میں شک ہے تو آزمائش کرو ۔ اگر مقصد حاصل ہوا تو ایک بہت بڑی نعمت ہے ۔ جو لوگ کہ پرانی چیزوں کے ایسے پابند ہیں کہ نئی چیز کو دیکھنا نہیں چاہتے وہ اپنی غلطی سے سمجھتے ہیں کہ جو چیز ہم نے دریافت کر لی ہے ۔ پس وہی انتہا ہے ۔ اور اس کے بعد اور کچھ نہیں ۔ اس سمجھ کی غلطی ایسی علانیہ ہے جس کے بیان کی حاجت نہیں اور خود زمانہ جس میں روز بروز نئی نئی اور عمدہ عمدہ معلوماتیں ہر ایک شاخ علم میں ہوتی جاتی ہیں ۔ اس سمجھ کی غلطی کو ثابت کرتا جاتا ہے ۔ اے میرے دوستو ! ہر ایک چیز کو بے تعصبی سے دیکھو اور جس کو عمدہ پاؤ اختیار کرو ۔ خواہ وہ الو پیتھی ہو خواہ ہومیا پیتھی خواہ اور کچھ نیچر یعنی قاعدہ قدرت اسی بات کی ہم کو ہدایت کرتا ہے ۔

اس بات کے بتانے سے پہلے کہ ہومیا پیتھی کے اصول کب سے تسلیم ہوتے چلے آئے ہیں ۔ مجھ کو بتانا چاہیے کہ ہو میا پیتھی کے کیا معنی ہیں ۔ اگلے زمانے کے یونانی حکیموں نے جن کی حکمت یورپ اور ایشیا میں پھلی بیماریوں کے علاج کا قاعدہ مرض کے مخالف دوا دینے سے تجویز کیا تھا جس کو وہ علاج بالضد کہتے تھے ۔ یہی ٹھیک معنی ایلو پیتھی کے ہیں جو دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے ۔ جس کے معنی علاج بالمثل یا علاج بالشبہ کے ہیں ۔ مگر تمام الو پیتھی اپنے اس اصول پر قائم نہیں ہے ، یعنی انھوں نے بہت سی ایسی دواؤں کو پایا جو برخلاف اُن کے اُس اصول کے بہت مرضوں کو مفید تھیں ۔ مسلمان حکیموں نے جو یونانی قاعدہ کے پابند تھے اس پر محض خیالی اور منطقی تقریریں کرنی شروع کیں مگر طب ایک عملی

چیز ہے کہ منطقی تقریریں اس کی مددگار ہو سکیں ۔ یہ تو ایک نیچر یعنی قدرت کی بات ہے ، اس کا ثبوت بھی نیچر یعنی قاعدہ قدرت سے ہونا چاہیے ۔ یورپ کے ڈاکٹروں نے کہ وہ بھی الوپیتھی اور اسی یونانی قاعدہ کے پیرو تھے اس تمام بکھیڑے کو کہ مرض کا علاج بر خلاف دوا سے کیا جاوے یا نہیں ، چھوڑ دیا اور انھوں نے صرف تجربہ کو اختیار کیا اور جس مرض کے لیے جو دوا مفید پائی اس کو اختیار کیا ۔ اگر تمام الوپیتھی ڈاکٹروں سے پوچھا جاوے کہ فلاں دوا فلاں مرض کو کیوں مفید ہے یا مثلاً کونین بخار کو اور خصوص صفراوی بخار کو کیوں مفید ہے تو وہ بجز اس کے اور کچھ جواب نہیں دے سکیں گے ۔ کہ فلاں سنہ میں فلاں نامی ڈاکٹروں نے اس کا تجربہ کیا اور اب تک تجربہ کرتے آتے ہیں اور مفید پاتے ہیں اس سے کچھ غرض نہیں کہ مرض کے مثل ہے یا ضد ہے اسی طرح ایشیا کی یونانی طب کے طبیبوں سے اگر پوچھو کہ فلاں دوا فلاں مرض کے لیے با وجودے کہ تمھارے قاعدہ کلیہ علاج بالضد کے برخلاف ہے کیوں استعمال کرتے ہو تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ وہ دوا اس مرض کو بالخاصیت یعنی نیچر کی رو سے مفید ہے پس حقیقت میں دوا کا زیادہ مفید ہونا نیچر کے قاعدہ پر منحصر رہا ۔ اگر ہم بہت سی دوائیں ایسی تلاش کر لیں جو بالخاصیت یعنی بموجب قاعدہ نیچر کے امراض کو مفید ہوں تو بلاشبہ ہم نے نہایت عمدہ اور بہت بڑا مقصد اس زندگی کا حاصل کیا ہے ۔

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانے میں الوپیتھی کا وجود ہوا اسی زمانہ میں ہومیا پیتھی کے اصولوں کا بھی وجود تھا ۔ نہیں نہیں ۔ میں نے غلط کہا ۔ جب کہ ہومیا پیتھی کے اصول نیچر یعنی قواعد قدرت پر مبنی ہیں ۔ تو جب سے نیچر

تھا جب سے ھومیا پیتھی کے بھی اصول تھے - پھر مجھ کو
یوں کہنا چاہیے کہ جب سے الو پیتھی کا وجود تھا - اُسی وقت
سے ہومیا پیتھی کے اصول بھی لوگوں کے معلوم تھے اور متعدد
بیماریوں کے علاج میں مروج تھے - ہومیا پیتھی کوئی نئی بات نہیں
سنسکرت کے ایک قصیدہ میں جو سنگار تلک کہلاتا ھے اور
جس کا مصنف کالیداس ھے جو راجہ بکرما جیت والی اوجین کے
مصاحبوں میں سے تھا - اور جو راجہ چھپن برس پیشتر سنہ عیسوی
کے مسند نشین ہوا تھا اُس قصیدہ کے ایک شعر میں اس کا مصنف
ہومیا پیتھی کے اصول تمثیلاً اس مقولہ میں بیان کرتا ھے کہ
" پرانے زمانہ کی بات اس دنیا میں یوں سنی گئی ھے کہ
زھر خود زھر کے لیے علاج ھے - اس سے صاف ظاھر ھوتا ھے کہ
پرانے زمانے میں بھی ھومیا پیتھی کے اصول لوگوں کو معلوم
تھے - مسلمانوں کی تو بعضی مذھبی روائتوں سے معلوم ھوتا ھے
کہ ھر زھر میں اس کا علاج ھے - ھپوکرٹس کہتا ھے کہ جس
قسم کی چیزوں سے بیماری پیدا ھوتی ھے - جب اسی قسم کی چیزیں
بیمار کو دی جاتی ھیں تو وھی چیزیں اُن بیماریوں کا علاج ھو جاتی
ھیں - یہ بات ھر کوئی جانتا ھے کہ بعضی دفعہ ادویہ
سہلہ قبض کر دیتی ھیں اور بعض دفعہ قابض دوائیں اسہال
کر دیتی ھیں - عربی زبان کی کتب طبیہ شاھد ھیں کہ بہت زمانہ
گزرا کہ جب یونانی یعنی الو پیتھی طبیبوں پر اعتراض ھوا تھا
کہ ان کا یہ قاعدہ کلیہ کہ مرض کا علاج بالضد ھوتا ھے
صحیح نہیں - کیوں کہ تمام مرضوں کا علاج بالضد نہیں ھوتا
بلکہ بعض مرضوں کا علاج بالمثل ھوتا ھے - کچھ شبہ نہیں کہ
یونانی الوپیتھی حکیم ھومیا پیتھی کے اصول کو صحیح اور سچا
جانتے تھے - اس لیے کہ وہ لوگ اقسام ادویہ کے بیان میں ایک

قسم کی دواؤں کا ذکر کرتے ھیں جن کا نام وہ لوگ دوائے ذوالخاصیت رکھتے ھیں اور بیان کرتے ھیں کہ وہ دوا ایسی ہوتی ھے کہ وہ انسان کے بدن میں ایک ایسی طرح پر اثر کرتی ھے کہ اس کا اس طرح پر اثر کرنا اثر کرنے کے ظاھری اور وھمی طریقوں سے دوسری طرح پر ھوتا ھے ۔ بلکہ اُن کی تاثیر ایک نہایت لطیف اور دقیق اور مخفی مناسبت کے سبب سے ھوتی ھے جس طرح کہ مقناطیس اور کہربا کی مناسب لوھے اور گھاس کے جذب کرنے میں ھے ۔ یہی اصول ٹھیک ٹھیک ھومیا پیتھی کے ھیں کیوں کہ جن دواؤں کا جن مرضوں کے لیے وہ لوگ استعمال کرتے ھیں وہ اسی لطیف اور دقیق مخفی مناسبت سے جو نیچر نے اس دوا اور مرض میں رکھی ھے اپنا اثر کرتی ھے ۔

ڈاکٹر ھنیمن نے اُن اصولوں کو ایجاد نہیں کیا بلکہ صرف دریافت کیا ھے ۔ اول اول یہ اصول یورپ کے ایک طبی اخبار ۱۷۹۶ء میں مشتہر ھوئے اور ان کو ھزاروں عالموں اور معالجوں نے اختیار کیا جن میں سے بعضے یونیورسٹی میں پروفیسر تھے ۔ اور جب سے روز بروز اس کی ترقی ھوتی جاتی ھے البتہ لوگوں نے ھومیا پیتھی کے اصول کے سمجھنے میں جس کے معنی علاج بالمثل یا علاج بالشبہ کے ھیں غلطی کی ھے ۔ بعضے لوگ اپنی غلطی سے اُس کا اصول اس طرح پر بیان کرتے ھیں کہ " جس چیز سے جو بیماری پیدا ھوتی ھے ۔ وھی چیز اس کا علاج ھے ۔" بعضے لوگ اور زیادہ غلطی میں پڑتے ھیں اور اس کا اصول اس طرح پر بیان کرتے ھیں کہ " ایک دوا یا زھر جو بیماری پیدا کرے گا وھی اس کو اچھا کرے گا ۔" مگر یہ غلطی ھے ۔ ھومیا پیتھی کے یہ اصول نہیں ھیں ۔ بلکہ اس کا اصول یہ ھے کہ جس چیز سے جو بیماری پیدا ھوتی ھے مثل اس کے یا مشابہ اس کے جو چیز ھے

وہ اس کو اچھا کرتی ہے ۔ جو چیز کہ کسی چیز کے مثل یا مشابہ ہے اس کو وہی چیز نہیں کہہ سکتے ۔

مگر لفظ مثل یا مشابہ کے معنی بھی بموجب اصول ہومیو پیتھی کے سمجھنے لازم ہیں ۔ گرم بیماری کے مشابہ گرم دوا یا سرد بیماری کے مشابہ سرد دوا نہیں ہے ۔ جیسا کہ بید ک کے علاج کرنے والوں نے سمجھا تھا ۔ بلکہ اصول ہومیو پیتھی کے بموجب مشابہ دوا وہ ہے کہ اگر حالت صحت میں وہ دوا دی جائے تو انسان کے بدن میں اسی قسم کے آثار پیدا کر دے جیسے کہ اس بیماری کے ہیں ۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ جب وہ دوا اس قسم کی بیماری میں دی جاوے گی ۔ نیچر یعنی قواعد قدرت کی رو سے اس بیماری کو فی‌الفور اچھا کردے گی ۔ گویا نیچر یعنی حکمت حکیم مطلق نے ہم کو یہ نشان بتا رکھا ہے کہ جو دوا حالت صحت میں جس بیماری کے آثار پیدا کرنے والی ہے وہی دوا حالت مرض میں اس کا علاج ہے پس ہومیا پیتھی کسی آدمی کا بنایا ہوا علاج نہیں ہے بلکہ نیچر یعنی قدرت کا بنایا ہوا ہے ۔

اس بات کو اور زیادہ روشن لفظوں میں بیان کروں ۔ فرض کرو ۔ کہ حالت صحت میں یعنی جب کہ حبس البول نہیں ہے کوئی ایسی چیز کھائی جاوے جس سے یہ عارضہ پیدا ہو جائے تو یہی چیز اگر اس وقت استعمال کی جاوے جب کہ حبس البول کی بیماری سے کوئی بیمار پڑے تو اسی دوا کے استعمال سے وہ بیماری اچھی ہو جاوے گی ۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ اسپینی (یہ ایک قسم کی مکھی ہے) مکھی میں یہ تاثیر ہے کہ اگر اس کا لیپ کیا جاوے تو مثانہ کو بہت نقصان پہونچاتا ہے اور حبس البول اور تکلیف دہ بیماریاں جو مثانہ سے علاقہ رکھتی میں پیدا کرتا ہے ۔ مگر جب

حبس البول کی بیماری کسی اور طرح پر پیدا ہو گئی ہو تو اس کو کھو دیتی ہے ، بلا ڈونا جب حالت صحت مین کھایا جاوے تو نفث‌الدم اور قروح‌المری اور بخار اور درد سر پیدا کرتا ہے اور یہ سب علامتیں حمئی دموی میں بھی ظاہر ہوتی ہیں اور بیماری کی حالت میں یہ دوا حمئی دموی کو دور کرتی ہے - مگر یاد رکھنا چاہیے کہ بلا ڈونا حمئی دموی کو پیدا نہیں کرتا اور نہ اس کے سبب سے حمئی دموی عارض ہوتی ہے بلکہ حالت صحت میں کھانے سے اسی قسم کے آثار پیدا کرتا ہے جو حمئی دموی میں ہوتے ہیں جس دوا کو ہر کوئی جانتا ہے وہ کونین ہے - اگر حالت صحت میں اس کا استعمال کیا جاوے وہ بخار پیدا کرتی ہے اور اگر بیماری کی حالت میں استعمال کیا جاوے تو بخار بالکل کھو دیتی ہے اسی طرح پر اور بہت سی مثالیں ہیں - کہ اگر ان کو بیان کیا جاوے تو بہت طول ہے اور آپ لوگوں کو تکلیف ہوگی - غرض کہ تمام علاج ہومیا پیتھی کے اسی اصول قدرت پر مبنی ہیں -

البتہ یہ بات کرنی کہ جو دوا حالت صحت میں استعمال کرنے سے جس قسم کی بیماری یا آثار پیدا کرتی ہے - اسی قسم کی بیماری کی حالت میں جو دوسرے سبب سے ہوئی ہو اس کا استعمال کرنے سے وہ بیماری کیوں اچھی ہو جاتی ہے نہایت مشکل ہے - اس سوال کا جواب الوپیتھی ڈاکٹر بھی بغیر تجربہ کے اور کچھ نہیں دے سکتے اور مسلمان یونانی حکمت کے پیر و حکیم بھی جب کہ وہ کسی دوا کو ذوالخاصیۃ تسلیم کرتے ہیں کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے مگر اس کا سبب نہ معلوم ہونے سے ہومیا پیتھی کے اصول میں کچھ نقصان لازم نہیں آتا - کوئی بتا سکتا ہے کہ بجلی کی ایسی قوی اور تیز تاثیر ایک ادنٰی سے تغیر و تبدل میں

کیوں ظاہر ہو جاتی ہے ۔ کوئی اس کی وجہ بتا سکتا ہے ۔ کہ جن چیزوں سے بجلی پیدا ہوتی ہے ۔ وہی چیزیں کیوں بجلی کو روک لیتی ہیں ۔ مقناطیس کیوں لوہے کو کھینچتا ہے ۔ اور کس قطب نما کی سوئی قطب کی طرف رہتی ہے ۔ چیچک کے لیے اس چیچک سے ٹیکا لگانے کے بعد کیوں چیچک نہیں نکلتی ہے ۔ عرض کہ جس چیز کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور اس کا تجربہ کرتے ہیں ۔ اس کی وجہ نہ معلوم ہونے سے وہ چیز تحت نفسی میں داخل نہیں ہو سکتی ۔ پس تجربہ اور فائدہ اور بیماریوں کا اس طریقہ علاج سے اچھا ہونا یہی اس کی سچائی کا ثبوت اور تمام لوگوں کا جو اس کے بر خلاف غل مچاتے ہیں ۔ خاموش کرنے والا ہے یا با ایں ہمہ کسی قدر بہ قدر طاقت انسانی اس کی وجہ بھی بیان ہو سکتی ہے ۔ چناں چہ میں ابھی اس کی وجہ بیان کروں گا جب کہ ہومیا پیتھی کی دواؤں کی مقدار یعنی قدر شربت ذکر کروں گا ۔

ہومیاپیتھی کے اصول میں دوا کا مقدار شربت داخل نہیں ہے اس کا اصول صرف مشابہ کا مشابہ سے علاج ہے ۔ اس مسئلے میں کچھ مقدار شربت کا ذکر نہیں خاصیت اور اثر اس قسم کے اقل قلیل مقداروں کا ایک کا جداگانہ بات ہے مقدار شربت کا قرار دینا ان لوگوں کی دانائی پر منحصر ہے جو ان دواؤں کا استعمال کرتے ہیں ان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقداریں کسی وجہ سے کامل اور بہ خوبی کافی ہیں لیکن کوئی آدمی اس کا پابند نہیں کہ جب تک از روئے تجربہ کے یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ یہ مقداریں بالکل بے خطرہ اور نہایت عمدہ صورت دوا دینے کی ہے ان کا استعمال کرے مگر اقل قلیل دوا دی جاتی ہے اور اس سے

به خوبی کام یابی ہوتی ہے پھر کیا ضرورت ہے کہ زیادہ مقدار کی دوا دی جاوے ۔

ہومیاپیتھی تو اقل قلیل دوا دینے کی بجز تجربہ کے اور کوئی وجہ نہیں بیان کرتے اور مقدار دوا ایک علیحدہ بات اصول ہومیاپیتھی سے قرار دیتے ہیں اور اس بات کو علیحدہ قرار دینا بالکل درست ہے مگر جو خاصیتیں دواؤں کی یونانی الوپیتھی حکیموں نے بیان کی ہیں اور جن کو مسلمان طبیبوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اس سے بھی بعضی قسم کی اقل قلیل دواؤں کا موثر ہونا ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ انھوں نے اقسام ادویہ میں دو قسم کی دواؤں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کا نام دوائے مطلق اور دوسری کا نام دوائے غذائی رکھا ہے ۔ دوائے مطلق اس کو کہتے ہیں جو بغیر اس کے جزو بدن بنے صرف اپنی کیفیت سے اثر کرے ۔ اور دوائے غذا وہ ہے جو جزو بدن بن کر اپنی کیفیت سے اثر ظاہر کرے ۔ چناں چہ زہر مطلق اور فاد زہر کو اسی قسم کی ادویہ میں شمار کیا ہے جو صرف اپنی کیفیت سے اثر کرتی ہیں اور اس کی نسبت لکھا کہ بہت تھوڑا بھی ویسا ہی اثر کرتا ہے ۔ پس اب میں کہتا ہوں کہ جو دوائیں ہومیاپیتھی میں استعمال کی جاتی ہیں وہ بہ لحاظ دافع امراض ہونے کے از قسم دوائے مطلق ہیں ۔ اور اسی سبب وہ اپنی کیفیت سے اثر کرتی ہیں اور اقل قلیل اس کا بھی نہایت کام یابی سے موثر ہوتا ہے ۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہومیاپیتھی کے قاعدے پر علاج کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ جس مرض کے لیے جو دوا دی گئی ہے اگر اس کو فائدہ نہ کرے گی تو نقصان بھی نہ کرے گی اور

اس بات سے لوگ متعجب ہوتے ہیں ۔ مگر یہ بات کچھ متعجب ہونے کی نہیں اگرچہ اس بات کی وجہ مشابہ دوا سے مرض کیوں جاتا رہتا ہے بجز اس بات کے کہ نیچر نے ان میں ایسی ہی مخفی مناسبت رکھی ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا چناں چہ تمام الوپیتھی بھی بہت سی دواؤں کی نسبت ایسا ہی کہتے ہیں ۔ چناں چہ اس کا بیان اوپر ہو چکا مگر مشابہ کا مشابہ سے علاج کرنے اور اقل قلیل دوا کے موثر ہونے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ مرض جو اپنی تیزی سے بدن میں پھیلا ہوا ہوتا ہے جب کہ اُسی کے اثر کے مشابہ دوا پہنچتی ہے تو بہ سبب اُس قدرتی مناسبت کے جو دونوں میں ہے فی الفور مرض اُس دوا میں اُلٹا پھر آتا ہے اور دوا اس کو روک لیتی ہے اور آثار بیماری کے فی الفور زائل ہو جاتے ہیں ۔ اس بات کی حقیقت وہ لوگ بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں جو فن کیمیا کے بہ خوبی واقف ہیں ۔ مگر میں ایک مثال دیتا ہوں شاید اُس سے کسی قدر یہ نکتہ حل ہو ۔ فن کیمیا سے دریافت کیا گیا ہے کہ ہوا دو قسم کی ہواؤں سے مرکب ہے : ایک آکسیجن ، دوسری ہائیڈروجن ، مگر ہمیشہ ایک حصہ آکسیجن میں آٹھ حصے ہائیڈروجن ملی رہتی ہے ہم ان دونوں ہواؤں کو الگ الگ بنا سکتے ہیں ۔ مگر جب آکسیجن کو ہم شیشہ یا نلی میں سے باہر نکال دیں تو فی الفور آٹھ حصہ ہائیڈروجن جن کو اپنے میں ملا لے گی ۔ پس اُن دونوں میں کسی قدر قدرتی مناسبت ہے کہ اپنے دوست کو فی الفور اپنے پاس کھینچ لیتی ہے پس اسی قسم کی مناسبت مشابہ کا مشابہ سے علاج میں ہے کہ فی الفور مشابہ کو اپنے میں کھینچ لیتا ہے ۔ اب فرض کرو کہ مرض کی تشخیص میں غلطی ہوئی اور

جو دوا دی گئی تھی وہ مرض کے مشابہ تھی تو وہ مرض کو تو فائدہ نہیں کرنے کی الاّ کچھ نقصان بھی نہیں کرنے کی ۔ اس لیے وہ ایسی اقل قلیل تھی کہ وہ اپنے مشابہ پر تو بہ سبب اصول نیچر کے اثر کر سکتی تھی الاّ دوسرے پر بہ سبب نہایت اور بے حد قلیل ہونے کے کچھ بھی موثر نہ ہوگی ۔ یہی سبب ہے کہ ہومیاپیتھی کی دوا اگر فائدہ نہ کرے تو وہ نقصان بھی نہیں کرتی ۔ میں نے بعض لوگوں کی زبانی سنا جو یہ کہتے تھے کہ ہومیاپیتھی عمدہ صحیح مگر یہ طریقہ نیا نکلا ہے اس کا تجربہ ہوتے ہوتے مدت چاہیے ۔ پھر کیا ہم اپنی جان کو تجربہ کے لیے تختہ مشق بنا دیں گے ۔ مگر ہومیاپیتھی کی ناواقفیت کے سبب اُن کو یہ دھوکا پڑا ہے ۔ ہومیاپیتھی میں بیماریوں کا ان دواؤں سے علاج ہوتا ہے جو حالت صحت میں استعمال کرنے سے اُسی قسم کی بیماری یا آثار پیدا کرتی ہے پس اس کی دواؤں کا تجربہ بیماروں پر نہیں ہوتا بلکہ صحیح تندرستوں پر ہوتا ۔ البتہ الوپیتھی دوا کا تجربہ بیمار پر کیا جاتا ہے جس میں اُس کی جان خطرے میں پڑتی ہے ڈاکٹر ہنیمن نے اور اس کے شاگردوں نے اپنے پر دواؤں کا تجربہ کیا اور ان کی خاصیت دریافت کی تب اپنے مریضوں کا علاج کیا ۔ اب کسی بیمار سے پوچھو کہ طبیب کا اپنے پر دوا کا تجربہ کر لینا بہتر ہے یا بیمار پر ۔ اب بتاؤ کہ بیمار اس کا کیا جواب دے گا ۔ اور کون سی بات کو پسند کرے گا ۔

بنارس میں ہومیاپیتھک علاج دو تین برس سے جاری ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اکثر لوگ اس کے مفید ہونے کے قائل ہیں ۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ امراض تیز اور سخت اور دیرپا ہیں

بکار آمد نہ ہوگا مگر یہ خیال ان کا بالکل غلط ہے ۔ ڈاکٹر ہنیمن
نے جب اول اُس کو دریافت کر کر ظاہر کیا تو وہ صرف
دیرپا بیماریوں ہی کا اس سے علاج کرتا رہا ۔ اور اب بھی یہ
خیال بہت عام ہو رہا ہے کہ یہ علاج دیرپا بیماریوں ہی پر
موثر ہو سکتا ہے ۔ مگر تیز بیماریوں میں جن میں فوراً نقصان کا
احتمال ہے کیا کرنا چاہیے ۔ اُن میں ہومیاپیتھی پر کیوں کر
بھروسہ ہو سکتا ہے اس کا جواب بہت تجربے سے اور ہیضہ اور
اور تیز بیماریوں کے حالات کے نقشوں سے حاصل ہوتا ہے جب کہ
یورپ میں ایشیائی یا ہندوستانی وبائی ہیضہ نمودار ہوا تو بہت سے
الوپیتھی طبی مدرسے حیران اور پریشان تھے کہ اس اجنبی بیماری
کا کیا علاج کریں ۔ اور اُن کے انواع و اقسام کے علاج علانیہ
بے اثر اور بے فائدہ ثابت ہونے لگے مگر ہومیاپیتھی کے
معالجوں کو صحیح اور اصلی مفرد دوائیں معلوم ہوئیں اور ان
کی کام یابی سے سب کو حیرت ہوئی ۔ ڈاکٹر سید نہم صاحب نے
جو الوپیتھی کے ڈاکٹر تھے نہایت صداقت اور راست بازی سے
فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ وبائی بیماریوں کے آپس میں
ایسا فرق ہے جیسے اتر دکھن میں ۔ جو دوا کہ شاید کسی
مریض کو شروع سال میں مفید ہو گیا عجب کہ آخر سال میں
اُس کی ہلاکت کا باعث ہو ۔ پھر جب کبھی خوش قسمتی سے
کسی کے بخار کا صحیح علاج مجھ کو معلوم ہو جاتا ہے تو میں
اکثر اسی علاج کے ذریعے سے کام یاب ہوتا ہوں اور یہ صورت
اُس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک اس قسم کی وبائی بیماری
موقوف ہوتی ہے اور جب دوسری شروع ہو جاتی ہے پھر مجھ کو
دقت پیش آتی ہے کہ اب اس کا علاج کیوں کر کیا جاوے

بالآخر میں ایک دو مریضوں کی زندگی جو پہلے میرے پاس آنے میں خطرے میں ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ مگر یہ دقت ہومیاپیتھی میں واقع نہیں ہوتی ۔ غرض کہ ہومیاپیتھی کا سخت اور تیز اور دیرپا سب قسم کی بیماریوں میں بہ خوبی تجربہ اور امتحان ہو چکا ھے ۔

اگرچہ اس وقت میں آپ صاحبوں کے وقت کو بہت مصروف کیا مگر ہومیاپیتھک علاج کے نتیجے جو اب تک معلوم ہوئے میں سنائے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ ۱۸۳۶ء میں ایشائی یا ہندوستان ہیضہ شہر وائنا میں گیا وہاں الوپیتھی کے متعدد شفاخانے تھے اور ایک ہومیاپیتھی کا شفاخانہ تھا نتیجہ یہ ہوا کہ الوپیتھی شفاخانوں میں فی صدی چوبیس آدمی اچھے ہوئے اور چھیاسٹھ مرے اور ہومیاپیتھی شفاخانہ میں فی صدی سڑسٹھ اچھے ہوئے تینتیس ۔ ۱۸۴۹ء میں بھی بیماری ایڈن برگ میں ہوئی ۔ الوپیتھی شفاخانے میں آٹھ سو سترہ آدمی گئے جس میں سے پانسو چھیالیس مر گئے اور دو سو اکہتر نے صحت پائی اور ہومیاپیتھی شفاخانے میں دو سو چھتیس آدمی گئے جن میں سے ایک سو اناسی نے شفا پائی اور کل ستاون مرے ۔ ۱۸۶۶ء میں جب یورپ میں ہیضہ پھیلا اور لندن میں اور یورپ کے الوپیتھی شفاخانوں میں جن سے مریضوں کا علاج ہوا ان میں سے حسب بیان لانسٹ صاحب کی فی صدی ساٹھ آدمیوں سے زیادہ مر گئے مگر نیپلز میں ڈاکٹر روبنی صاحب نے ہومیاپیتھک علاج سے اور صرف کافور کے استعمال سے پانسو سے زیادہ مریضوں کا علاج کیا اُن میں سے ایک بھی نہیں مرا اور لندن میں اور اور مقاموں پر بھی یہی نتیجہ حاصل ہوا ۔

ڈاکٹر روتھ صاحب نے جو ایک نقشہ بیماریوں کا الوپیتھی اور ہومیاپیتھی شفاخانوں کا بنایا ہے میں آپ صاحبوں کے ملاحظہ سے گزرانتا ہوں جس سے دونوں کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔

نام بیماریوں کا	فی صدی موت ہومیاپیتھی کے علاج سے	فی صدی موت الوپیتھی کے علاج سے
امراض اثریه	۵	۲۴
امراض احشاءالبطن	۳	۱۳
امراض الامعار	۴	۱۳
پیچش	۳	۲۲
دیگر ہرقسم کے امراض	۴	۱۰

گزشتہ ڈاک میں ایک پمفلٹ لندن سے آیا ہے جو میری نظر سے بھی گزرا اس میں بھی شہر وائنا کے دونوں قسم کے علاجوں کے شفاخانوں کے نتیجوں کا ایک نقشہ مندرج ہے وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گزرانتا ہوں۔

نام امراض		تعداد بیماریوں کی جن کا علاج ہوا	تعداد اُن کی جو مرگئے	اوسط فی صدی اشخاص کی وفات یافتہ کی
امراض اثریه	الو پیتھی	۱۱۳۴	۲۶۰	۳
	هومیا پیتھی	۵۳۸	۲۸	۵
ذات الجنب	الو پیتھی	۱۰۱۷	۱۳۴	۱۳
	هومیا پیتھی	۳۸۶	۱۲	۳
امراض الامعاد	الو پیتھی	۶۲۸	۸۴	۱۳
	هومیا پیتھی	۱۸۴	۸	×
پیچش	الو پیتھی	۱۶۲	۳۷	۲۲
	هومنیا پیتھی	۱۷۵	۶	۳
بخار	الو پیتھی	۹۶۹۷	۹۳۱	۹
	هومیا پینهی	۳۰۶۲	۸۴	۲
بخار مهلک	الو پیتھی	۰۳۷۱	۱۵۰۹	۱۶
	هومیا پیتھی	۱۴۲۳	۲۱۹	۱۴

پس یه سب چیزیں هومیاپیتھی کے مفید هونے کا بہت بڑا ثبوت هے -

چند کلمے اور کہنے چاہتا ہوں ہومیاپیتھک علاج سے ایسی قوتیں جن سے حیات قائم رہتی ھے انتظام پاتی ھیں اور محفوظ رہتی ھیں ۔ یہ علاج مثل فصد اور سہل اور ایسے علاجوں کے جن سے منہ آ جاتا ھے یا پسینا بہتا ھے اور مریض کی رھی سہی طاقت پر جو بیماری کے صدمے سے خود کم ہو جاتی ھے صدمہ عظیم پہنچتا ھی نہیں ھے ہومیاپیتھک علاج صرف بذاتہ مفید ہوتا ھے ۔ اس علاج کی دوا انھی اعضاء پر اثر کرتی ھے جن میں بیماری ہوتی ھے ۔ اگر بیماری دماغ میں ہو تو اس علاج سے معدے میں فتور نہیں آ سکتا جیسے کہ تیز مسہل سے ہوتا ھے اور اگر پھیپھڑے میں حرارت پہنچے تو اس علاج سے بدن میں حرارت پیدا نہیں ہوتی ۔ اس علاج کے فائدہ بخش نتائج اسی بات میں ظاہر ہوتے ھیں کہ مریض جلد اپنی اصلی تندرستی پر آ جاتا ھے اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتا ھے ۔ جب خاص عارضہ جاتا رہے جو بہت تھوڑے زمانے میں جاتا رہتا ھے مریض بالکل تندرست ہو جاتا ھے اور اس کو مدت دراز تک افاقہ کا انتظار کرنا اور مقوی چیزوں کے کھانے کی نوبت نہیں پہنچتی ۔

ہومیاپیتھی کا علاج نہایت نرم اور خوش‌گوار علاج ہوتا ھے اگر یہ نیا طریقہ ایسا ھی مفید ہو جیسے کہ پرانا طریقہ تو بھی اس وجہ سے کہ نرم و خوش‌گوار علاج ھے اس پر ترجیح دینے کے قابل ھے اور جب کہ پرانے طریقے سے زیادہ مفید ہو تو کس قدر ترجیح ہونے کے قابل ھے ، حق یہ ھے کہ اب دواؤں کا اثر ایسا ثابت ہوا ھے کہ اب ضرورت سخت معالجوں اور ناگوار دواؤں کے کھانے کی جو اب تک کھائی جاتی تھیں باقی نہیں رھی ۔

ہومیاپیتھی کے طریقے میں مفرد دوا دی جاتی ھے یہ بھی

نہایت عمدہ بات ہے جب کہ بیمار کو چند دوائیں ملا کر دی جاتی ہیں تو ایک دوا کی تاثیر اور قوت کا علم قابل اطمینان کے کیوں کر حاصل ہوتا ہے ۔ سیڈنہم کے زمانے میں جو طب انگریزی کا موجد تھا عمدہ نسخوں میں ساٹھ ساٹھ بلکہ اسّی اسّی دوائیں ملائی جاتی تھیں مگر اُس زمانے سے اب بہت کم دوائیں ملائی جاتی ہیں تاہم بھی مرکبات میں اگر دو دوائیں ہی مخلوط کی جائیں تو بالیقین ایک کا اثر بھی دریافت نہیں ہو سکتا ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مختصر حال ڈاکٹر ہنیمن کا جس نے زمانۂ حال میں ہومیاپیتھی علاج کے اصول کو جاری کیا بیان کروں کیوں کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اکثر میرے ہم وطن اس کے حال سے نا واقف ہیں ۔

ڈاکٹر ہنیمن جرمنی کا رہنے والا تھا اور وہ الوپیتھی ڈاکٹری علاج کا بہت بڑا ڈاکٹر تھا ۔ بہت سے لوگ اُس کا علاج کیا کرتے تھے اور اُسی پرانے طریقۂ علاج اطباء سابقین کو اُس نے بھی پسند کیا تھا اور جس طرح اور ڈاکٹروں سے علاج کرنے والوں کا حال تھا اسی طرح اس کے علاج کرنے والوں کا بھی حال تھا ۔ کچھ اچھے ہو جاتے تھے اور کچھ مر بھی جاتے تھے بلاشبہ ڈاکٹر ہنیمن اپنے کام میں نہایت لئیق تھا مگر اُس کے دل کو اس بات سے کہ لوگ کیوں اچھے ہو جاتے ہیں اور کیوں مر جاتے ہیں اطمینان نہ تھا وہ جانتا تھا کہ جس سے ایک مرض کو ایک دفعہ صحت ہوتی ہے اُسی سے اُسی مرض کو دوسری دفعہ صحت نہیں ہوتی اس کے پاس ایسا کوئی قاعدہ موجود نہ تھا جس کو وہ اپنا رہنما بناوے بلاشبہ لوگوں کے تجربوں کا نتیجہ اُسے معلوم ہو سکتا تھا ۔ مگر وہ خوب جانتا تھا کہ ان کا نتیجہ صرف آزمائش اور امتحان پر مبنی ہے انھوں نے

اپنے تجربے سے دوا اور مرض کی مناسبت کو کچھ بھی ثابت نہیں
کیا ھے پس اس کو اس کام سے نفرت ھوئی اور اس نے اپنی
بہت بڑی طبابت سے اور علاج کرنے سے ھاتھ کھینچ لیا جس
کے سبب سے وہ محتاج بھی ھو گیا مگر علم طب کا اُسے ھمیشہ
شوق رھا اور وہ ھر وقت اس بات کا متلاشی رھا کہ کوئی قانون
قدرت کا اُسے ھاتھ آوے جس کو وہ اپنا ھادی اور رھنما بناوے۔
قانون قدرت ایک ایسی چیز ھے کہ جس کے وجود میں کسی کو
کچھ بھی شبہ نہیں ھو سکتا جو کہ کونین اُس وقت بھی عام
استعمال میں تھی اور بخار اور تپ و لرزہ کے لیے اُس دور کے حکمی
ھونے میں کچھ شبہ نہیں ھے اُس نے اسی بات کے دریافت
کرنے کی فکر کی کہ یہ دوا تپ و لرزہ کے لیے کسی وجہ سے
ایک حکمی دوا ھے۔ چناں چہ نہایت صحت اور تندرستی کی
حالت میں اس نے ایک روز تھوڑی سی کونین کھائی اور دوسرے
دن پھر اُسی قدر کھائی فوراً اُس کو بخار کی سی علامتیں معلوم
ھونے لگیں رہ رہ کر اُس کو سردی لگنے لگی اور گرمی محسوس
ھونے لگی اور اس کو یہ واقعہ نہایت عجیب معلوم ھوا پھر اُس
نے اس کو نہ کھایا۔ چند ھفتہ بعد جب کہ وہ بالکل تندرست
تھا پھر اُس نے اس کی آزمائش کی اور پھر وھی علامتیں بخار کی
اُس کو معلوم ھوئیں تب اُس کا خیال اس طرف گیا کہ اس نے
ایک ایسا قانون معالجہ کا پایا ھے جو علم طب کے لیے نہایت
مفید ھے۔ بعد اس کے اُس نے اپنے پر اور اپنے دوستوں پر اور
جانوروں پر جو سب صحیح اور تندرست تھے ان دواؤں کی تاثیر
کی آزمائش کی اور اس امتحان سے اُن لوگوں میں دواؤں کی تاثیر
کی کچھ کچھ علامتیں پیدا ھوئیں۔ پھر اُس نے ان دواؤں کو
اُن مرضوں میں استعمال کیا جو اُن دواؤں کی تاثیر کے مشابہ

تھے تو اس کو معلوم ھوا کہ وہ دوائیں اُن امراض کے علاج کو مخصوص تھیں اور بالخاصیت اثر کرتی تھیں اس کو معلوم ھوا کہ دوائے مفرد بہ شرطیکہ وہ دوا ٹھیک اُسی مرض کی ھو تو دوائے مفرد ھی سے علاج کرنا مناسب ھے پھر اُس نے اس طریقہ علاج کو تحصیل کرنا اور زیادہ تر اس قسم کی دواؤں کو دریافت کرنا شروع کیا اور اسی طریق پر علاج کرنا شروع کیا رفتہ رفتہ اُسے معلوم ھوا کہ اس قاعدہ پر علاج کرنے میں وہ کچھ غلطی میں نہیں پڑا بلکہ ایک نہایت عمدہ قاعدہ اس کو رھنمائی کے لیے ھاتھ آیا ھے اس واقعہ کو چالیس برس گزرے کہ وہ تن تنہا تھا اور تمام ڈاکٹروں سے اپنے اصول علاج کی نسبت جھگڑتا ھے اور مباحثے کرتا تھا گو گروہ کے گروہ مریض اُس کے پاس آتے تھے اور شفا پاتے تھے مگر لوگ اس سے حد سے زیادہ مزاحم ھوتے تھے اور ڈاکٹر لوگ اور دوا بنانے والے اُس کو بے انتہا تکلیف دیتے تھے یہاں تک کہ وہ لاچار ھو کر شہر سے نکل گیا اور آوارہ پڑا پھرا کیا مگر رفتہ رفتہ کیفیت اس کے معالجہ کے اصول کی لوگوں کو معلوم ھوئی وہ ایسے طریق سے مریضوں کو اچھا کرتا تھا اور اس ملائمت سے ان کا علاج کرتا تھا کہ آخرش اپنے بڑھاپے میں وہ پھر کام شروع کرنے کے لائق ھوا ۔ بلکہ اُس نے اپنے حین و حیات میں یہ بھی دیکھا کہ ھومیاپیتھی کی تاثیر اُس کے ھم وطنوں نے تسلیم کی اور اس کے معالجہ کا اصول ھر ملک میں پھیل گیا ۔ اُس کے پیرووں نے شفاخانے اور دوا خانے قائم کیے اور ھر سال اُس کی کام یابی ترقی پر ھے ۔

ابتداءً ھنیمن تھوڑی تھوڑی دوا نہیں دیتا تھا ۔ لیکن اس کا یہ قاعدہ تھا کہ ایک مرض کے لیے ایک ھی دوا دیتا تھا صرف اُس نے تجربہ اور مشاق سے دوا کی مقدار قلیل کر کے یہ

تجویز کی کہ اگر تھوڑی سی دوا سے مطلب حاصل ہو جاوے تو زیادہ دوا دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ اکثر حالتوں میں اس کو معلوم ہوا کہ مناسب دوا کے زیادہ مقدار دینے سے مرض اور زیادہ ہو جاتا ہے پس وہ تھوڑی اور قلیل دوائیں دیتا تھا ۔ چناں چہ اسی وجہ سے ہومیاپیتھی کے معالج قلیل دوا دیتے ہیں اس کے سوا اور کوئی وجہ قلیل دوا دینے کی نہیں ہے اس قلیل مقدار دوا دینے کے سبب سے ہومیاپیتھک علاج کی ہستی ہوتی ہے حالاں کہ اصل میں اقل قلیل دوا دینے سے ہومیاپیتھی کو کچھ سروکار نہیں ہے ۔ دوائیوں کی معتاد یا قدر شربت کا مقرر کرنا صرف حکیم کے تجربے کا نتیجہ ہے ۔ کوئی ضروری چیز نہیں ہے ۔ اکثر زیادہ دوا دینا ضرور نہیں معلوم ہوتا ۔ اور جو دوائیں ہومیاپیتھی کی دوائیوں کی مانند تیار کی جاتی ہیں وہ موثر ہوتی ہیں تو اب اس سے زیادہ اور کیا چاہیے ۔

الوپیتھی اور ہومیاپیتھی ان دونوں اصولوں کے معالج ایک ہی دوائیں استعمال کرتے ہیں ۔ لیکن ہومیاپیتھی والے صرف ایک وقت میں ایک ہی دوا دیتے ہیں اور اس کی وجہ معقول بیان کر سکتے ہیں ۔

ہومیاپیتھی کے معالجہ کے لیے جہاں کہیں مریض جاوے گا اس کے معالجہ میں اُن کے باہم اختلاف عظیم واقع نہیں ہوگا ۔ برخلاف اس کے الوپیتھی والے اکثر بہت سی دوائیں ملا کر مریض کو دیتے ہیں اور شاذ و نادر کبھی مفرد دوا دیتے ہیں اور اس کی کوئی وجہ ایسی قابل فہم نہیں بیان کر سکتے ہیں جس سے کہ کسی شخص کی سمجھ میں یہ بات آوے کہ کس واسطے وہ تین چار دوائیں مرکب بنا کر دیتے ہیں حالاں کہ ہر دوا کا اثر مختلف ہوتا ہے اور اگر مریض اچھا ہو جاوے تو

وہ یہ بیان نہیں کر سکتے ہیں کہ ان دوائیوں میں سے کس کس دوا کا اثر زیادہ ہوا ۔ یہ امر یقینی ہے کہ سب دوائیاں صحت دینے میں مددگار نہیں ہوئی ہوں گی ۔ بلکہ غالباً انھوں نے واقعی دوسری علامات کے پیدا کرنے سے نقصان پہنچایا ہوگا ۔

پس اسی وجہ سے ہومیاپیتھی اور الوپیتھی مختلف علوم نہیں ہیں بلکہ کوئی شخص الوپیتھی کو نہیں سمجھ سکتا ہے برخلاف اس کے ہومیاپیتھی کے اصول کو ہر شخص عقیل اور فہیم سمجھ سکتا ہے ۔ فرض کرو کہ کوئی شخص علم طب کے سیکھنے کی خواہش کرے اور اپنی قوت مدرکہ کو کام میں لاوے اور الوپیتھی شروع کرے تو بتاؤ کہ وہ کس طرح پر آغاز کرے گا اور کس بنیاد پر وہ چلے گا ۔

ہم لوگ دوسرے علوم میں بالکل دوسروں کے تجربہ پر چلتے ہیں لیکن ان سب کے لیے ایک بنیاد مضبوط ہے مگر الوپیتھی کے واسطے کوئی بھی بنیاد قائم نہیں ہے ۔ کوئی شائق الوپیتھی کو نہیں سیکھ سکتا ہے لیکں اس سے یہ اخذ نہیں ہو سکتا ہے کہ الوپیتھی کے شائقین بے وقوف ہیں ۔ اصل تو یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے کہ وہ سبق شروع کریں ۔ برخلاف اس کے ہومیاپیتھی کا یہ حال ہے کہ اس مین شائقین کے آغاز کے واسطے بنیاد بہت چوڑی ہے اور اسی بیخ و بنیاد سے اس علم میں بڑی بڑی شاخیں نکل سکتی ہیں اور جس قدر زیادہ لائق اور ہوشیار طبیب ہووے گا اس کے مریض اسی قدر زیادہ تر اس کے معتقد ہوں گے جاویں گے اگر ان کو یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ کسی اصول کا پابند ہے ۔

اب میں آپ کو اس سے زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتا اور بالآخر آپ کو اس شفاخانے کے قائم ہونے کی مبارک باد دیتا ہوں

مگر ہر ایک صاحبؒ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ کبھی کبھی اپنی فرصت کے وقت میں یہاں تشریف لا کر بیماروں اور بیماریوں کا حال اور یہ بات کہ کیسی بیماریاں کس طرح پر سہل اور خوش‌گوار علاج سے آرام پاتی ہیں ملاحظہ فرمایا کریں تاکہ جو کچھ میں نے کہا اس کو آنکھ سے دیکھ کر خود آپ کو یقین اور تجربہ حاصل ہووے۔

جواب مضمون

سویلزیشن یعنی شائستگی اور تہذیب پر

سویلزیشن انگریزی لفظ ہے جو مشتق ہے ۔ سوس یا سوئٹیس سے جس کے معنٰی ہیں شہری یا شہر کے اور اصل میں یہ لفظ مشتق ہوا تھا کوٹس سے جس کے معنٰی ہیں مجمع یا اتفاق کے اور وجہ اس اشتقاق کی یہ ہے کہ شہروں کی بنیاد ابتداءً اس طرح پر قائم ہوئی کہ بہت سے آدمیوں نے ایک مقام پر ایسے عہد و پیمان کے ساتھ مل جل کر رہنا اختیار کیا جو ان کے باہم خود بخود اس نظر سے قائم ہو گئے کہ ان باشندوں کے وہ قدرتی اور باہمی حقوق محفوظ رہیں جو اُن کی جان و مال کی حفاظت اور ذاتی آزادی سے متعلق تھے ۔

سویلزیشن یعنی شائستگی کے لفظ کو عام اصطلاح میں ایسا لفظ سمجھنا چاہیے جس سے اعلیٰ ترقی یافتہ اور شائستہ قوموں کی حالت اُن قوموں کے مقابلہ میں جن کو وحشی یا نصف وحشی سمجھا جاتا ہے ، سمجھ میں آ سکے ۔ پس اس معنٰی کے اعتبار سے ہم یورپ کی اعلیٰ قوموں کو شائستہ اور تربیت یافتہ کہتے ہیں ۔ اور چینیوں و تاتاریوں کو اس سے کم شائستہ خیال کرتے ہیں ۔ اور شمالی امریکہ کے اصلی باشندوں اور آسٹریلیا والوں اور کافریوں یعنی جنوبی افریقہ والوں اور قطبی حصہ کے رہنے والوں اور جنوبی امریکہ کی مختلف جنگلی قوموں کو نہایت کم شائستہ جانتے ہیں ۔

سویلزیشن یعنی شائستگی کے لفظ کی اس قدر تمہید کے بعد اب ہم کو اول اس امر پر بحث کرنا چاہیے کہ وہ قدرتی اور ملکی اور مذہبی اسباب کون سے ہیں جو انسان کی شائستگی کی ترقی کے موافق یا مخالف ہیں ۔

لیکن اس امر پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ مناسب ہوگا کہ شائستگی کی کچھ کچھ عام کیفیت اس مضمون کے پڑھنے والوں کے ذہن نشین کر دی جاوے ۔ چناں چہ اسی غرض سے ہم یورپ کی موجودہ حالت کو ایک سرسری طور سے بیان کرتے ہیں اور یہ حالات اُس زمانہ سے متعلق ہیں جو ہمارے زمانے کے قریب تک ختم ہوتا ہے اور جس میں وہ زمانہ شامل ہے جس کا آغاز دنیا کی قدیم دارالسلطنت یعنی روم کے زوال سے پیدا ہوا اور انتہا اُس کی اُس وقت تک شمار ہوتی ہے جب کہ ۱۴۵۲ء میں چھاپہ کا فن ایجاد ہوا ۔

روم کی سلطنت جس وقت تہ و بالا ہونے کو تھی اُسی وقت عیسائی مذہب کو نشو و نما حاصل ہوا ۔ پس جو بیہودہ عیاشی کی باتیں کفار کے مذہب میں رائج تھیں اور ان کی جو اصلاح عیسائی مذہب کے ذریعہ سے ہوئی اور جو نئی کیفیت اس مذہب کی بدولت اُس وقت لوگوں کے عادات اور اطوار میں پیدا ہوئی اور علاوہ اس کے یونانیوں اور رومیوں کے علم و فضل اور شائستگی و تربیت کے اثر سے جو تبدیلیاں دنیا کے عام حالات میں واقع ہوئیں اور علیٰ ہذالقیاس اور اسی قسم کے امور پر ان لوگوں کو اپنی توجہ مصروف کرنی چاہیے جو شائستگی کی تحقیق کے درپے ہیں ۔

ایسے چار سو برس کے انقلابوں کے بعد جن کے تدارک میں روم کی سلطنت کی تمام عقل اور دانائی صرف ہو گئی آخرکار وہ

سلطنت بالکل تباہ ہو گئی اور یورپ پر چاروں طرف سے وحشی قوموں نے حملہ کیا یعنی ہنز کی قوم اور واندلس اور وزی گاتھس اور لمبارڈس کی قوموں نے یورش کی اور ان کے آپس میں بھی برابر جنگ و جدل رہی ۔ کبھی کوئی قوم غالب آئی اور کبھی مغلوب ہوئی ۔ انجام ان دو سو برس کی خون ریز اور سخت لڑائیوں کا یہ ہوا کہ مذکورہ بالا نصف وحشی فتح مندوں میں ملک تقسیم ہو گیا اور اس وقت سے رومیوں کے قوانین اور طور و طریق اور رسم و رواج کی جگہ یورپ کے ان نئے فتح مندوں کے رسم و رواج قائم ہو گئے ۔

خاص عیسائی مذہب بھی وحشیوں کے رسم و رواج کے مقابلہ میں مغلوب ہوگیا اور لوگوں میں سے جس قدر رومیوں کی شائستگی اُٹھتی گئی اُسی قدر بیہودہ خیالات جہالت سے مستحکم اور شائع ہوتے گئے ۔ اور جب شمالی قومیں اور گوشہ شمال و مشرق کی قومیں رومی سلطنت کے قدیم صوبوں میں آ کر آباد ہوئیں اُس کے چار سو برس آئندہ میں ہمیشہ شائستگی کو زوال ہوتا گیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ بالکل مٹ گئی ۔

جو زمانہ چھٹی صدی کے آخر سے شروع ہوکر چودھویں صدی کے آغاز تک ختم ہوتا ھے اس سے جو تاریک زمانہ کا خطاب منسوب کیا گیا ھے وہ اس زمانہ کے حال کے بالکل مناسب ھے ۔ اس دراز اور بے رونق زمانہ میں انگلستان کے بادشاہ الفریڈ اعظم اور فرانس کے شہنشاہ شارلی مین نے اپنی اپنی قلم رو میں علم اور ہنر کو دوبارہ شگفتہ اور قائم کرنے میں کوشش کی لیکن وہ دونوں اُس میں بہت کم کام یاب ہوئے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بالکل نہیں ہوئے ۔ اہل عرب کی قوت اور شان و شوکت کی بنیاد، اُن کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

بے نظیر فہم و فراست اور عجیب و غریب عقل و دانائی سے بہت خوبی کے ساتھ قائم ہوئی اور اس علم و ہنر کے حق میں جس کی قدر یورپ سے اٹھ گئی تھی البتہ اہلِ عرب بڑے مربی بنے -

اس کے بعد یورپ کے عیسائی مجاہدین نے مشرق میں جانے سے بہت سی نئی باتیں حاصل کیں چناں چہ مقام قسطنطنیہ جو آن علوم و فنون اور شائستگی کا خزانہ مشہور تھا - جو رومیوں کے زوال سلطنت کے بعد باقی رہی تھی وہ ان مجاہدین کے حق میں ایک بڑی زرخیز کان ہو گیا لیکن بایں همه جو کچھ علم اور معلومات وہ لوگ یورپ میں اپنے همراہ لائے اس کے سبب سے لوگوں کے طور و طریق میں بہت تھوڑی تبدیلی واقع ہوئی لیکن بعد اس کے اس سبب سے خصوصاً اس تبدیلی میں زیادہ ترقی ہوئی کہ ہر سلطنت میں جو بڑے بڑے امیر اور جاگیر دار اس شرط سے اپنی جاگیروں پر قابض ہوتے تھے کہ بادشاہ کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے ہیں - وہ دستور بالکل جاتا رہا تھا - اسی طرح وہ ہزارہا چھوٹے چھوٹے جاگیردار بھی گویا غلامی سے آزاد ہو گئے جو بڑے بڑے جاگیرداروں کے تحت میں اسی شرط سے بسر کرتے تھے - مجلسیں جو سلطنت کی کارروائی کے واسطے مقرر ہوئیں آن کے ممبر منتخب کرنے کا استحقاق شہروں اور ضلع کے لوگوں کو عطا ہوا - تجارت کو بھی رونق ہوئی اور آبادی بھی بہت بڑھ گئی اور جا بجا شہر بکثرت آباد ہو گئے - داد رسائی کے طریقوں میں بھی بہت سی اصلاح واقع ہوئی اور علی ہذالقیاس آن خوبیوں کی ترقی سے جو معاشرت سے علاقہ رکھتی ہیں - علوم و فنون کو بھی ترقی ہوئی چناں چہ ۱۳۰۲ء بحری قطب نما ایجاد ہوا - جس کے سبب سے جہازرانی کا شوق اس نظر سے لوگوں میں پیدا ہوگیا کہ دنیا کے ملکوں کی چھان بین

کریں اور شوق کے سبب سے وہ دلاوری اور محبت بھی لوگوں
میں ظاہر ہوئی جو مذکورہ بالا سفر کے واسطے درکار تھی اور
اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت کو نہایت وسعت حاصل ہوئی ۔
اور دنیا کی قوموں میں باہم آمد و رفت کا سلسلہ قائم ہوگیا ۔

چھاپہ کے فن کے ایجاد ہونے سے خیالات کا اظہار سہل اور
عمدہ طریقہ پیدا ہو گیا ۔ اور اس کی بدولت علم بہت خوبی کے
ساتھ شائع ہوا اور درحقیقت اِس پہلی فتح سے جو انسان کی
جودت طبع نے حاصل کی یعنی چھاپہ خانہ کا فن ایجاد کیا
شائستگی کی واقعی ترقی کی تاریخ قائم کر سکتے ہیں اور اگرچہ
اس کے بعد بھی ہزارہا قسم کے مواقع شائستگی کی ترقی میں
پیش آئے لیکن وہ سلسلہ ہرگز درہم برہم نہ ہوا اور اب تک
ہمیشہ اس کا میلان اسی جانب کو ہے جس پر آخرکار انسان کی
ترقی انتہا مرتبے تک پہنچے گی ۔

اُن ذریعوں کا بیان جن سے شائستگی کو ترقی ہوتی ہے

پہلے ہم نے یہ بات بیان کی تھی کہ عملی شائستگی کا
یہ حال ہے مگر ہم ان ذریعوں کو لکھتے ہیں جن سے شائستگی
کو ترقی حاصل ہوتی ہے چناں چہ اُن ذریعوں میں پہلا ذریعہ
آدمی کی ذات ہے اس لیے کہ اس کے اعضاء اور قویٰ بہ نسبت
اور ذی روح مخلوقات کے افضل اور عمدہ ہیں ۔ اور اُس کو
صرف یہی فضیلت نہیں ہے بلکہ جو کام وہ اپنی عقل کی معاونت
سے کر سکتا ہے اور اپنے ایسے ہاتھوں سے لے سکتا ہے جو اُس
کے بڑے مطیع کار پرداز ہیں اُن کی وجہ سے اُس کو بہت بڑی
فضیلت حاصل ہے اور ان دونوں ذریعوں کی بدولت وہ اور مخلوقات
میں سے اپنے آپ کو نہایت راحت و آرام کی زندگی میں رکھ سکتا

ھے اور گویا اپنی ذات کو ایک مصنوعی وجود بنا سکتا ھے اور
جو مرتبہ اس کی قدرتی حیات کا ھے اُس کی نسبت وہ اس کو
بہت زیادہ آسائش دے سکتا ھے اور وھی اس بات کے لائق ھے
کہ اپنی جسمانی اور روحانی قوتوں کو شگفتہ کرے اور ترقی دے ۔

آدمی کی ایک بڑی صفت یہ ھے کہ اُس کو اپنے ھم جنسوں
کی صحبت کی طرف میلان طبع ھے اور اُس کی وجہ یہ ھے کہ
گو ھر متنفس اپنی حیات اور قوت کے لحاظ سے ایک جداگانہ اور
معین لحاظ سے باھر نہیں نکل سکتا ۔ مگر وہ تمام اوصاف جو
نوع انسانی کے ساتھ مخصوص ھیں ھمیشہ انسانوں کی ایک جماعت
ھی میں متحقق ھوتے ھیں ۔ ایک متنفس اُن سب اوصاف کا مظہر
نہیں ھوتا ۔

پس آدمی کو اپنی ترقی اور کامل شائستگی کے واسطے بہت
سے مستحکم ذریعے حاصل ھیں اور ان کی اولاد اپنے اباء و اجداد
کی محنتوں اور تجربوں سے بہت کچھ مستفید ھوتی ھے نظر بریں یہ
بات بغیر کسی تامل کے تسلیم کی جاتی ھے کہ شائستگی اور انسان
کی عقل کی وسعت کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ھے ۔

مگر با وصف اس فضیلت کے مطلقاً جو انسان کو بہ نسبت
اور مخلوقات کے حاصل ھے جب یہ دیکھا جاتا ھے کہ دنیا کی تمام
قومیں اور ولایتیں ترقی اور شائستگی کے مراتب میں مختلف الاحوال
ھیں تو خواہ مخواہ اس اختلاف کی وجہ دریافت کرنی ضروری
معلوم ھوتی ھے اور خیال آتا ھے کہ بعض قومیں اب تک نصف
وحشت دلدل اور دقت میں کیوں پھنسی ھوئی ھیں اور بعض
قومیں باوجود ھمت شکن اسباب اور قباحتوں کے کیوں ایسے
عمدہ کام کر رھی ھیں اور کس طرح ایسی قوی مزاحمتوں کی
مدافعت پر قادر ھو گئیں ۔

اب علاوہ آدمی کے اعضاء اور قویٰ کے جس خطہ میں وہ بستا ہے وہ خطہ بھی اس کے لیے ایک ایسا ذریعہ ہوتا ہے جس کے سبب سے یا اس کی عقل کے مدارج کو ترقی حاصل ہوتی ہے یا اُس کی مزاحمت کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں مگر اس بڑے ذریعہ کی تحقیق کامل طور پر اس صورت سے ہو سکتی ہے کہ اس کو مندرجہ ذیل پانچ قسموں پر تقسیم کیا جاوے :

اول ۔ وہ قدرتی اسباب جو شائستگی کے لیے نہایت مناسب ہیں ۔

دوم ۔ اس بات کی ضرورت کہ قوموں کے باہم آمد و رفت ہونی چاہیے ۔

سوم ۔ مذہبی امور کا شائستگی کی نسبت اثر ۔

چہارم ۔ وہ تعلقات جو حکومتوں کو اسباب شائستگی کے ساتھ ہیں ۔

پنجم ۔ صلاحیت مختلف قوموں کی شائستگی قبول کرنے کے واسطے ۔

اول: اُن متعدد قدرتی اسبابوں کا ذکر جو شائستگی کے حق میں مفید ہیں

اول ۔ ان میں سے ملکوں کی قسم اور حالت کی کیفیت بیان کی جاتی ہے ۔ بادی النظر میں بلاشبہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن زرخیز خطوں میں کھانے پینے کی بہت سی چیزیں خود رو میسر آتی ہیں وہاں بہت لوگ آباد ہو جاتے ہیں اور اُن کو اعلیٰ درجے کی شائستگی حاصل کرنے کے واسطے بہت سی آسانیاں ہوتی ہیں مگر حقیقت میں عموماً ایسا نہیں ہے ۔ دیکھو جنوبی ایشیا اور وہ جزیرے کیسے زرخیز ہیں جن میں آفتاب کی حدت حد سے زیادہ ہوتی ہے مگر باوصف ایسی قدرتی بخششوں کے کاھلی اور

جہالت اور جور و ستم وھاں حد سے بڑھ کر ھے چناں چہ افریقہ
اور جنوبی امریکہ میں اس امر کی تصدیق کے واسطے بہت سی
نظیریں موجود ھیں ایسے ملکوں کے آدمیوں کا یہ حال ھوتا
ھے کہ جب وہ اپنے پاس ضروریات زندگی کثرت سے مہیا دیکھتے
ھیں تو وہ اپنی اوقات ایسی بسر کرتے ھیں جیسے کہ دنیا میں
اور خود رو نباتات ھے یا جیسے وہ جنگلی درخت ھیں جو خود
پیدا ھوتے ھیں اور خشک ھو جاتے ھیں البتہ دریائے نیل کی
مٹی باوجودے کہ زرخیز ھے مگر اُس نے مصریوں کے دربار کی
شان و شوکت اور جاہ و حشمت بھی خوب دیکھی ھے ایسی ھی
میسوپوٹیمیا یعنی شام کے میدانوں کی کیفیت ھے کہ اُن میں
دریائے فرات اور دجلہ سے آب پاشی ھوتی ھے لیکن کسی زمانے
میں وہ بڑی بڑی سلطنتوں کے موقع تھے اور انھیں میں شہر بابل
اور نینوا اور پالمیرا واقع تھے اور ھم کو یہ بھی بات یاد آتی
ھے کہ قدیم ایران کی سلطنت کیسی کچھ قوی تھی اور
علٰی ھذا القیاس دریائے گنگ کے زرخیز میدانوں میں ھندوستان
کی کیسی کیسی عجیب و غریب پیداوار ھے اور علاوہ ان کے چین
اپنی خوش خلقی اور اپنے علم و ھنر کے سبب سے کیسی مشہور
ھے پھر ان مثالوں سے یہ بات ثابت ھوتی ھے کہ کسی ملک کی
زرخیزی اور خوبی اگر اس کی شائستگی کے واسطے کوئی لازمی سبب
نہیں ھے تو اس کی شائستگی کے مزاحم بھی نہیں ھے ۔

حقیقت میں اگر کسی زمین کی قسم اور خاصیت اُس کی
ترقی اور شائستگی کی مانع نہ ھو جیسے کہ تاتار اور افریقہ اور عرب
کے ریگستانی بیابان ھیں یا کسی ملک میں ایسے جانور کم یاب
نہ ھوں (جیسا کہ کولمبس کے دریافت کرنے سے پہلے نئی
دنیا کا حال تھا) ۔ جن کے ذریعے سے تجارت وغیرہ ھوتی ھے تو

وهاں کے آدمی یقیناً اپنی حالت کو ترقی دے سکتے ھیں اور ان کی تعداد بڑھ سکتی ھے چناں چه اسی طرح سے شمالی یورپ کو مثل شمالی امریکه کے جنگلوں سے پاک و صاف کیا ۔ اور پھر اس میں سے زراعت کی گئی ۔

یورپ کی سرد ولایتیں باوجودے که اُن میں نہایت سخت سردی ھے ایسی ھیں که ھر قسم کی تحقیقات اور طرح طرح کے فنون اور صدھا صنعتیں به نسبت جنوبی ملکوں کے ان میں زیادہ ظہور میں آئیں اور یه ایسی بات ھے که اس کے باشندوں کی دلاوری اور عقل و ھمت اور استقلال به خوبی اس سے ثابت ھے اور معلوم ھوتا ھے که ان کے مقابلے میں جنوبی ملکوں کو یه باتیں حاصل نه تھیں ۔ گرم ولایتوں کی یه خاصیت ھے که ان کے باشندے اوصاف مذکورہ بالا میں دلی جوش و خروش نہیں رکھتے ۔ اور ان کو حد سے زیادہ شوق کسی چیز کا پیدا نہیں ھوتا ۔

دوم : مختلف قوموں کے باھم آمد و رفت کی ضرورت

جو قومیں درمیان میں بڑے بڑے قطعات کے حائل ھونے سے باھم مل جل نہیں سکتیں یا کسی بڑے قطعے کے وسط میں آباد ھیں اور ان کو باھم آمد و رفت کرنے کا کوئی ذریعه بجز اس کے میسر نہیں ھے که قافلوں میں مل کر سفر کریں اور ایسی قومیں ایشیا کے بالائی حصے اور افریقه کے وسط میں اکثر رھتی ھیں چناں چه وہ ایک دوسرے سے آپس کے اُن خیالات کو ظاھر نہیں کرسکتیں جن کو ان دونوں کے معاملات میں دخل ھے اور اُس عقلی روشنی کے حاصل کرنے سے محروم ھیں جو دونوں کے باھم مقابل ھونے سے حاصل ھو سکتی اور جس کے بغیر کوئی قوم شائستگی کی حالت پر نہیں پہنچ سکتی پس ایسی قومیں

یقیناً ایک حالت متعینہ پر پہنچ کر رہ جاتی ہیں اور ان کی حالت کو شائستگی نہیں ہو سکتی مثلاً جیسے وہ لوگ ہیں جن کی گزران صرف مویشیوں کے دودھ پر ہے اور چرواہوں کی طرح اپنی اوقات بسر کرتے ہیں جب تک وہ اپنی اس حالت کو ترک نہ کریں ہرگز ممکن نہیں ہے کہ ان کی عقل و دانش کو ترقی نصیب ہو۔ جیسے ھتھیا والے اور تاتاری تھے اور جیسے کہ بدو اور افریقہ کے وہ مسلمان جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں یا جیسے جالوتی ہیں جو ہمیشہ نصف وحشی معلوم ہوتے ہیں یا جو لوگ تبت اور بھوٹان اور کوہ قاف اور کوہ اماس اور کوہ اٹلاس میں ہمیشہ بہ منزلہ محبوسوں کے رہ کر ایک وحشیانہ حالت میں رہتے ہیں اور جو لوگ افریقہ کے وسط میں اور دونوں امریکہ کی وسیع ولایتوں میں رہتے ہیں ان کا حال تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ اپنی اس وحشیانہ حالت سے کبھی نجات نہ پاویں گے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہر ایک قوم کی شائستگی کے واسطے دوسری قوم کے باہم اس کی آمد و رفت نہایت ضرور ہے چناں چہ بحر قلزم کے کناروں اور جزائر متعلقہ یونان اور قسطنطنیہ میں جو آمد و رفت ہے یا یورپ و ایشیا و افریقہ اور جزائر فرنگستان کے باہم جو آمد و رفت ہے اس کے سبب سے ان جملہ مقامات میں نہایت درجے کی شائستگی پھیلی ہوئی ہے اور دریائے راھن اور مین اور شلیت اور دریائے ایلب کے ذریعے سے جو چیزیں انسان اپنی محنت سے پیدا کرتا ہے وہ سب ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتی ہیں بلکہ اُن کے ساتھ ہر قوم کے خیالات اور وضع و اطوار اور نئی نئی باتوں کا اثر بھی ایک ملک سے دوسرے میں پہنچتا ہے اور ان سبب سے نئے نئے شوق اور نئی نئی خواہشیں اور ضرورتیں قائم ہوتی ہیں اسی طرح

جنوبی ہندوستان کے کناروں پر شائتسگی رونق پذیر ہے مگر شمالی حصے اس کے اب تک اپنی قدیمی حالت میں پڑے ہیں اور وہاں کے لوگوں کی طبیعتیں ہنوز جنگ جوئی اور خون خواری کی جانب مائل ہیں - جیسے مونگولیا نسل کی قومیں تھیں جو کسی زمانے میں ہندوستان پر مسلط ہو گئی تھیں مگر پھر اُسی ملک کے باشندوں میں مل جل کر مہذب بن گئیں جن پر ان کو فتح نصیب ہوئی تھی پس گو کسی ملک کی شائستگی کسی وحشی قوم کے حملوں سے معدوم ہو جاوے جیسے کہ متوسط زمانوں میں یورپ کا حال ہوا تھا - مگر انجام کار اُس ملک کی خاک سے وہی اثر پیدا ہوتا ہے چناں چہ فی زماناً اگر اہلِ یورپ کسی غیر مہذب ملک میں بھی جا بسیں تو اُن کے واسطے وہی نعمتیں موجود ہو جاتی ہیں جو ان کو یورپ میں حاصل ہیں - جو قومیں جہازرانؔ ہیں ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن میں شائستگی قبول کرنے یا دوسری قوم کو شائستہ بنانے کی صلاحیت بہ نسبت اوروں کے زیادہ ہے چناں چہ جزائر ٹائر اور فنیشیا اور کارتھیج اور یونان کے قدیم باشندوں سے لے کر ونیشیا اور جینوا کی وہ قومیں جو متوسط زمانوں میں گزری ہیں اور زمانہ حال کے انگریز اور ہالینڈ کے باشندے اور فرانس اور امریکہ کے انگریز سب شائستگی پھیلانے کے واسطے نہایت عمدہ ذریعہ ہوئے ہیں -

سوم: شائستگی پر مذہب کا اثر

قوموں کی تاریخ کے شروع زمانے سے دیوتاؤں کی پرستش کا مذہب قائم تھا جن کے اعتقادات کی اصلیت ابتداء میں نینشا اور مصر کے کاھنوں سے قائم ہوئی اور انھیں لوگوں نے اس کو یونانیوں میں پھونچایا اور اُس زمانہ سے پہلے جس میں یہ اعتقاد یونانیوں سے آدمیوں کو پھونچا - یونانیوں نے اس کو بڑی رونق دی تھی

پھر رومیوں نے نہایت کثرت سے اپنے دیوتا قرار دیے چناں چه جس قدر ان میں برائیاں زیادہ ہوئیں اسی قدر ان کے دیوتاؤں کی تعداد زیادہ ہوئی ۔

دیوتوں کی پرستش کا مذہب ایک طول و طویل قصه ہے ۔ جو شاعری اور ولولوں سے بھرا ہوا ہے ۔ اور وہ ایک ایسی چیز ہے جس سے جو انسان کے دلی خیالات اور ارادوں اور ان عجائب چیزوں سے مرکب ہے ۔ جو خدا کی شان سے متعلق ہیں ۔ اسی مذہب کی بدولت ان شاعروں کی طبیعت میں خیال بندی کا ولوله پیدا ہوا اور ایسی قوت حاصل ہوئی جس کے سبب سے انھوں نے ایک خیالی دنیا قائم کی اور اسی قوت کے ذریعه سے وہ عمدہ عمدہ فنون ایجاد کیے گئے جن کے سبب سے مصر اور کالڈیا اور یونان اور اٹلی کو نہایت زیب و زینت حاصل ہوئی اور انھیں فنون سے وہ شائستگی ثابت ہوتی ہے جو کسی زمانه میں ان ملکوں کے اندر ہوگی ۔

بدھ لوگوں کے مذہب سے یا نوآ نامی حکیم کے مذہب کی بدولت تمام مشرق ایشیاء میں دریائے گنگ کے پار ہے ۔ اور چین میں صرف وہی مذہب پایا جاتا ہے جس میں مادیات کو قدیم مانا ہے اور در پردہ انھوں نے خدا کے وجود سے انکار کیا ہے اور گو اس مذہب کے لوگ کسی قسم کے فہم و فراست رکھتے ہوں مگر اصل یه ہے که ان کے ملکوں میں شائستگی ترقی پذیر نه ہوئی ۔

اس بات کا بیان کرنا اس موقع پر فضول ہوگا که عیسائی مذہب کا اثر لوگوں پر کس قدر ہوا مگر اس قدر کہنا مناسب ہے که گو اس کے اصول میں سادگی اور انکسار ہے ، مگر اس کے ظہور کے بعد لوگوں کے دلوں میں اس مذہب کے سبب سے

شان و شوکت کا بڑا شوق پیدا ہوا یہاں تک کہ اُس کی پرستش کے ارکان میں بھی اس نمود کا رواج ہو گیا ۔ چناں چہ اس شوق کو پورا کرنے میں بہت کچھ صرف ہوتا تھا مگر یہ بات ضرور تھی کہ اُس زمانہ کی خرابیوں کی اصلاح کے لیے وہ شوق نہایت عمدہ ذریعہ تھا ۔

مذہب اسلام کی نسبت اگرچہ بہت لوگ شائستگی کی مخالفت کا دھبہ لگاتے ہیں ۔ مگر ہمارے نزدیک یہ بات غلط ہے ۔ دراصل یہ مذہب کسی طرح شائستگی کے منافی نہیں ہے ۔ البتہ اس کی نسبت صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مذہبی مصلحت سے عمدہ عمدہ فنون کے جاری کرنے کی کچھ تائید نہیں کی اور گو یہ بات تھی کہ وہ اُن فنون کی قدر و منزلت کو خوب جانتے تھے مگر ان کو یہ خیال تھا کہ اگر اہلِ عرب کی طبعیتیں اس طرف مائل ہوئیں تو بہ سبب اس کے کہ وہ اپنے ذاتی جوش و خروش سے مجبور ہیں یقیناً بت پرستی اختیار کر لیں گے ۔ چناں چہ اسی وجہ سے عمدہ عمدہ فنون کی اشاعت مشرق کے اس بڑے مصلح نے روا نہ رکھی لیکن اپنے اُن احکام کی بدولت جن سے شراب خوری بلکہ جملہ مسکرات اور قمار بازی کی ممانعت ہے جس قدر فائدہ انھوں نے شائستگی کو پہونچایا اس نے اُن نقصانوں کی بہت کچھ تلافی کر دی جو عمدہ فنون کی ایسی تائید نہ ہونے سے ہوئی تھی ۔ جیسے کہ میکونس نے کی تھی ۔ اگر عیسائی مذہب کے اصول کے بموجب ویسی ہی ممانعت اُن برائیوں کی کی جاتی تو اس بات سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا تھا کہ عیسائی مذہب کے لوگوں کی اور ان میں بھی خصوصاً کم تر درجہ کے لوگوں کی طبیعت اس سے بہت کچھ مخالف ہوتی جیسے کہ اُن کی بد قسمتی سے اب ہے ۔

چہارم : اُن تعلقات کا بیان جو حکومتوں کو شائستگی سے ہیں

یہ بات اظہرمن الشمس ہے کہ حاکم کو جو رعایا پر ایک کامل اور غیرمحدود اختیار حاصل ہوتا ہے ، اور جو چیزیں رعایا کی ذات سے متعلق ہیں ۔ اُن سب پر اس کو تصرف کامل حاصل ہوتا ہے ۔ اس وجہ سے وہ اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے ۔ جیسا کہ کوئی اپنے باب دادے کے ترکہ پرپس اس صورت میں کوئی شخص گو اس پر ہمیشہ یکساں ظلم نہ رہے ۔ اپنی زندگی کو اس طرح پر بسر نہیں کر سکتا جس سے وہ مرتبہ کمال کو پہونچ سکے ۔ اس لیے کہ ہمیشہ اس کے دل میں اپنے حاکم کی طرف سے ایک ایسا خطرہ لگا رہتا ہے ، جو اُس کی آزادی کا مانع ہوتا ہے ۔ اور وہ جانتا ہے کہ آخرکار میں اس حاکم کا شکار اور غلام بنوں گا اور ایسی سلطنتوں میں جہاں بادشاہ بالکل خود مختار ہوتا ہے ۔ یہ دستور ہے ، کہ جو کاری گر کوئی عمدہ صنعت یا کوئی ہنر ایجاد کرے بادشاہ وقت اپنی ذات سے منسوب کرتا ہے چناں چہ ایسی سلطنت شاعر کا بھی اپنی خیال بندی میں اُسی کا تابع ہوتا ہے ، اور بے چارہ کاری گر بھی اپنی تمام محنت و مشقت کو اُسی کے فائدہ کے واسطے کرتا ہے ۔ غرض کہ جب حاکم کو ایسے عمل درآمد سے لطف آتا ہے تو وہ ہمیشہ اپنے اختیار کو اسی طرح سے صرف کرتا ہے ۔ پس ایسی صورت میں ذہین اور دانش مند لوگوں کی آزای اور جان کی حفاظت بالکل جاتی رہتی ہے جب کہ حاکم کو اُن کی نام آوری اور شہرت سے حسد ہونے لگتا ہے ، جناں چہ جب رومیوں میں شہنشاہی قائم ہوئی تو غلام بنانے کے دستور سے اور آزادی کے جاتے رہنے سے اُن کی شائستگی بالکل معدوم ہو گئی اور جس قدر ملکی انقلاب نئے

خیالات اور دلی ولولوں سے پیدا ہوتے ہیں اُن کے اندیشہ سے ظالمانہ حکومتوں کا یہ ایک دستور ہوگیا کہ وہ لوگوں کی عقلی ترقی کی مزاحم بن جاتی ہیں ۔ اور اُن کو ایک متوسط حالت میں رکھنا پسند کرتی ہیں جیسا کہ خاص چین میں اُن آبائی اجدادی رسوم کا چھوڑنا ایک بڑی خطرناک بات ٹھہری ہوئی ہے جو قدیم سے وہاں چلی آتی ہیں ۔ باوجودے کہ اُن لوگوں کی دانش مندی اور صناعی تمام دنیا میں مسلم ہے اور ایجاد کی طرف اُن کے طبائع کا میلان ایک شہرہ آفاق بات ہے ایسے ہی مصری لوگ اپنے بتوں پر رنگ لگانے اور تصویرات کے بنانے میں اُنھیں قدیمی طریقوں کے پیرو ہیں اور صرف یہی ایک مزاحمت نہ تھی ۔ بلکہ پیشہ بھی وہاں کے خاص خاص خاندانوں میں اسی طرح چلے آتے ہیں ۔ جیسے کسی کی ایسی موروثی جائداد جس کی کاشت میں نہ کچھ ترقی ہو ۔ تنزل اور مصر میں ذاتیں بھی اسی طرح سے مقرر تھیں ۔ جیسے اب ہندوستان میں چناں چہ وہاں کاشت کاروں اور سپاہیوں کا کوئی فرقہ بھی قائم نہ تھا ۔ بلکہ ہر قسم کے کاری گروں اور محنتیوں کے گروہ قائم ہو گئے تھے اور وہ لوگ اپنی تمام زیست کو اُسی تاریک حالت میں بسر کرتے تھے ۔ جو اُن کے واسطے مقرر کر دی گئی تھی یہاں تک کہ اُسی میں پیدا ہوتے تھے اور اُسی میں مرتے تھے ۔ پس اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا مختلف قوموں میں تقسیم ہونا بھی اُس کی شائستگی کا بڑا مانع ہے ۔ اور ہر زمانہ میں جہالت اور کم ہمتی ہی اس بات کا باعث ہوتی ہے کہ انسان دوسرے انسان کا غلام ہے ۔ یا اُس کا ہر طرح سے مطیع رہے حالاں کہ شائستگی اُس وقت تک ہرگز حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ انسان کو اپنے خیالات ظاہر کرنے اور ان کے موافق عمل درآمد کرنے میں آزادی حاصل نہ ہو ۔ اور اگر یہ بات مسلم ہے کہ قدیم

یونان اور روم میں علم اور فن کی ترقی اس وقت ہوئی جب کہ وہ نہایت ترقی پر تھی اور اہلِ اسلام اپنی ان فتوحات کے زمانے میں نام آور ہوئے جو خان دان بنی فاطمہ اور عباسیہ کے عہد میں اُن کو حاصل ہوئی تھیں ۔ اور ملک اٹلی میں نیا زمانہ علم و فن کا اُس وقت سے قائم ہوا جب کہ متوسط زبانوں میں گوالف اور گبیسلن کے خاندان کے باھم لڑائی جھگڑا ہوا تھا اور سولھویں صدی میں مذھب اور اخلاق کی وہ مشہور اصلاح ہوئی جس میں مذھبی آزادی کو اُس ظلم پر غلبہ ہوا تھا ۔ جو پوپ نامی ایک شخص کے سبب سے پھیل رہا تھا ، تو اب شائستگی کے یوماً فیوماً ترقی پذیر ہونے سے اس بات کا تسلیم کرنا چاھیے کہ آزادی اور خود مختاری کو بھی ایک روز ضرور فتح حاصل ہوگی ۔

انگلستان ، فرانس ، جرمنی اور اٹلی کی چھوٹی چھوٹی جمہوریہ سلطنتوں ریاست ھائے متفقہ میں تجارت اور فنون کی اشاعت سے بخوبی ثابت ہوتا ھے کہ ان سلطنتوں میں عقلی امور کی نہایت درجہ ترقی ظاھر ہوئی ھے اور عمدہ عمدہ کاموں کی اشاعت میں بڑی بڑی کوششیں لوگوں کی طرف سے ظاھر ہوئیں اور کمال تحقیق ان کی بدولت عمل میں آئی ۔

پس اُن سب اُمور سے معلوم ہوتا ھے کہ شائستگی کی ترقی اُسی آزادی کے تناسب سے ہوا کرتی ھے جو گورنمنٹوں کی طرف سے اس کی رعایا کو عطا ہو خواہ اس میں امریکہ کی حالت پر لحاظ کیا جاوے ۔ خواہ قدیمی یورپ کی سلطنتوں پر اور بلا شبہ جو سلطنتیں علم و دانش کی ھیں وہ جمہوری ظالموں کو دیکھ نہیں سکتیں چناں چہ آج کل کے نہایت خود مختار بادشاھوں کو بھی اس بات کی جرأت نہیں رہی کہ وہ انسان کی عقل اور

ذہانت کو اپنی بے جا قید اور۔۔۔۔ سے آزادی نہ حاصل کرنے دیں۔

پنجم : انسان کی جملہ نسلوں میں شائستگی قبول کرنے کی صلاحیت

اکثر ذہین مورخوں نے اس بات کے ثابت کرنے میں کوششیں کی ہیں کہ حبشیوں کی نسل مین بھی شائستگی قبول کرنے کی ایسی ہی صلاحیت ہے جیسی کہ انسان کی اور نسلوں میں ہےاور وہ بھی اور نسلوں کی ہم سری کر سکتے ہیں مگر ہماری دانست میں اُن کی کوششیں مفید نہیں ہوئیں اور اصل یہ ہے کہ یہ مورخ اس بات کے تو بڑے موئد ہیں کہ کالے رنگ والے ہر طرح پر گورے رنگ والوں کی ہم سری کر سکتے ہیں۔ مگر جب اُن سے یہ بات دریافت کی جاتی ہے۔ کہ کالے رنگ والے عقل و دانائی مین کس وجہ سے بہ نسبت اُن کے کم ہیں۔ تو وہ کچھ نہین بیان کر سکتے یعنی یہ مورخ اس بات کو نہیں بیان کر سکتے کہ ان جاہل اور تاریک دروں قوموں کی دوامی وحشت کا کیا سبب ہے۔ جو تمام افریقہ میں آباد ہیں اور جو افریقہ کی اُن باقی ماندہ قوموں کے مقابلہ میں مثل مسلمانوں اور ایتھوپیہ والوں کے ہین جن کی اصل سفید رنگ کی قوموں سے ہے اور جن کو اب شائستگی مین تھوڑی بہت امتیاز حاصل ہے۔ افریقہ میں بعض ایسے مقامات ہین جو ثمر دار درختوں سے نہایت آباد ہیں اور اس وجہ سے وہاں گرمی کی برداشت ہو سکتی ہے اور اُن مقامات میں متعدد دریا اور بہت سی جھیلیں ہیں۔ جن میں سے ایک جھیل کا نام جھیل اشاد ہے اور وہ اس قابل ہیں کہ ان کے ذریعہ سے ملک میں آمد و رفت ہو سکتی ہے اور ایک ملک کے مختلف باشندے باہم اپنے اپنے مقامات کی پیداوار کا ایک دوسرے سے مبادلہ کر سکتے ہیں۔

اور تجارت کو ترقی ہو سکتی ہے علاوہ اس کے حبشی قوموں کو ایک مدت سے خود مختاری اور فرصت بھی حاصل ہے ۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے اُس آزاد منش قوم نے اپنی وحشیانہ حالت کو نہیں چھوڑا اور کبھی اپنے ملک میں علم کے درخت کا پھل نہیں چکھا غرض کہ اُن کی حالت دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو شام کو بد دعا دی تھی ۔ اس کا اثر اب تک اُس کی نسل میں چلا جاتا ہے ۔ گو یہ بات صحیح ہے کہ کالے رنگ کی قوم تعلیم و تربیت کی صلاحیت رکھتی تھی ۔ مگر اب تک یہ بات وقوع میں نہیں آئی کہ اس قوم میں سے کسی نے کبھی کسی قسم کی تحقیق کی ہو یا اس سے کوئی بات دانش مندی اور ذہانت کی ظہور میں آئی ہو ۔ بخلاف زرد قوم یعنی مونگولیا نسل کی قوموں کے جو فخریہ خوشی کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں ۔ کہ چین اور جاپان اور ولایتوں میں جو ہندوستان کی مشرق، طرف میں واقع ہیں جس قدر شائستگی پھیلی ہوئی ہے ۔ وہ سب ہماری دانش مندی اور ذہانت کا ثمرہ ہے ۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسل امریکہ تک پھیلی ہوئی ہے ۔ اور وہ نسل اس بات کا دعویٰ کر سکتی ہے کہ میکسیکو اور پیرو کی ولایتوں کو بھی ہم نے ہی شائستہ بنایا ہے ۔ مگر اب شائستگی کی اس حد کو دریافت کرنا چاہیے جہاں تک پہونچ کر اس نسل نے اپنے آپ کو چین میں نام آور کیا پس بسبب ظاہر اکثر نہایت عمدہ عمدہ تحقیقاتیں جیسے کہ باروت اور توپوں کا ایجاد اور چھاپہ کی صنعت اور سوزن مقناطیسی اور علاوہ اس کے جو فن آلات سے متعلق ہیں وہ سب چینیوں سے منسوب ہیں لیکن اگر یہ بات درحقیقت تسلیم بھی کر لی جاوے تو پھر یہ سوال دریافت کرنے کے لائق ہوگا ۔ کہ اُن چیزوں سے انھوں نے فائدہ کیا حاصل کیا اس واسطے کہ

ان کا توپ خانہ کچھ انگریزی توپ خانہ سے بہتر نہیں ہے ۔ بلکہ انگریزی توپ خانہ سے کیا اُن قوموں کے توپ خانہ سے بھی بہتر نہیں ہے ۔ جو اُن کے قریب آباد ہیں اور بہر طور ان کی نسبت فہم و فراست میں کم ہیں ۔ البتہ چینی کتابیں چھاپتے ہیں ۔ مگر چوں کہ ان کی زبان کی ترکیب ایسی واقع ہے ۔ کہ اس کے بہت سے ٹکڑے نہیں ہو سکتے ۔ اور ان کی تحریر جو صرف علامتوں پر مبنی ہے اور اس میں حروف ابجد نہیں ہیں ۔ بلکہ جن تختیوں پر وہ بہت سی عبارت کندہ کرکے چھاپتے ہیں ۔ وہ بھی ایسی ہی ہیں اس وجہ سے اس میں بھی ایسے نقصانات ہیں ۔ کہ اُن کے سبب سے چینیوں کی حالت ہنوز عالم طفولیت میں شمار کی جاتی ہیں اور جب یہ کہا جاوے کہ اس کے علاوہ قدیم رسم و رواج کی چیزوں کی بھی چینی لوگ نہایت تعظیم و تکریم کرتے ہیں ۔ یہاں تک کہ ان کی تعظیم تعصب کے مرتبہ کو پہونچ جاتی ہے یعنی اگر اُن رسم و رواج کی تبدیلی کی نسبت کسی طرح کوشش کی جاوے تو چینی لوگ ھرگز اس کو گوارا نہیں کرتے اور وہ اپنے کمالات کے بھی معنی جانتے ہیں ۔ کہ اپنے آبا و اجداد کی سادگی کی تقلید کریں تو یہ بات بہت جلد سمجھ میں آتی ہے کہ ان کی حالت کا ترقی پذیر نہ ھونا خاص اس وجہ سے ہے ۔ مگر چوں کہ اب ان کے تعصبات اس قدر کم ہوئے ہیں ۔ کہ وہ ملک یورپ میں آنے جانے لگے ہیں ۔ اس نظر سے امید ہو سکتی ہے کہ شاید ان کی شائستگی کو آئندہ کچھ ترقی ہو جاوے اور اس کے سبب سے اُن کو اور ان کے سوائے اوروں کو بھی فائدہ حاصل ہو پس گویا باقی تمام روئے زمین کے باشندوں کی ترقی کا ذریعہ صرف سفید رنگ کی نسل کے آدمی ہیں جو ابتداءً ہندوستان اور کوہ قاف کے رہنے والے تھے ۔ اور غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

خاص اِن مغربی قوموں کو جیسے کہ ایران اور شام اور کالڈیا اور مصر اور فنشیا کی قومیں ہیں اور ان سے یونان اور اٹلی کی قوموں کو علوم و فنون کی وہ شعاعیں جن کے ذریعہ سے عام جہالت کی تاریکی دور ہوئی ہے خاص وسط ہندوستان سے ہی پہونچی ہے -

یہ جو کچھ بیان کیا گیا اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ آدمی کا شائستہ ہونا صرف ان عادات کے ترک کرنے پر موقوف ہے جو خون خوار وحشیوں کے خواص میں سے ہیں اور جو خاص ایسے زمانہ میں پیدا ہوتی ہیں جس میں کسی طرح تہذیب و تربیت نہ ہو اور اس قسم کی صفات میں جیسے کہ جنگ جوئی ، شکار بازی ، غارت گری جا بجا نقل مکان کرنا بلا امتیاز مباشرت کرنا اور مثل ان کے ایسی حرکتیں کرنا جو کسی قانون یا ضابطہ کے بموجب نہ ہوں حالاں کہ یہ سب عادات ایسی ہیں کہ جب کوئی وحشی بھی اُن فائدوں سے آگاہ ہو جاتا ہے جو ان کے ترک کرنے میں منصور ہیں تو وہ بھی نہایت خوشی کے ساتھ ان کو چھوڑ دیتا ہے مثلاً بجائے ان کے امن و امان اور زراعت اور جان و مال کا حفظ اور سکونت کے مکانوں کا شہروں یا دیہات میں قرار پانا اور نکاح کے احکامؔ و قوانین مستقلہ کا ہدایت کے واسطے مقرر ہونا اور ذاتی اختیارات کا انسان پر حاصل ہونا سب ایسے امور ہیں کہ اِن کے قاعدوں سے آگاہ ہونے کے بعد خود بخود انسان ان کی طرف مائل ہوتا ہے - اور جو حقوق انسان کو قدرتی حاصل ہیں ان کو باہمی معاشرت کے معاہدے سے مستحکم کرنا ہے - غرض کہ اسی حالت کا نام شائستگی ہے اور ان سب کے سبب سے طبیعت کی تمام قوتیں ظاہر اور شگفتہ ہو جاتی ہیں اور اسی کی بدولت علم کے خزانے کھل جاتے ہیں اور پھر اُن کا ایک

دریائے فیض دور دور تک بہنے لگتا ہے اور پھر معقول اور پند آمیز گفتگو اور انسانیت کی اور بہت سی باتوں کی تحقیق اور تکمیل سے انسان کو شہری ہونے کا رتبہ حاصل ہوتا ہے جو وحشیوں کے درجہ سے بمرتبہا بلند ہے ۔

رسم و رواج کا فلسفہ

اور

اس میں اصلاح کی ضرورت

(۳ نومبر ۱۸۷۳ء)

رسم جس کو انگریزی میں منبر اور کسٹم کہتے ہیں رسم اس کا نام ہے جو همسایه پُرکھوں سے ہوتا چلا آیا ہے گو کہ ہم کو یہ بھی نہ معلوم رہا ہو کہ وہ کیوں ہوتا تھا اور اس سے کیا فائدہ ہے۔

رواج اس کا نام ہے جس کو سب لوگ کرتے ہوں یا کرنے لگیں اور اس کے کرنے کو لوگ کچھ عیب نہ سمجھیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ ایک زمانے میں کوئی کام عیب گنا جاتا۔ مگر جب وہ رواج پاوے تو لوگوں کی آنکھ میں کچھ نہ رہے۔

انگریزی مصنفوں نے کسٹم یعنی رسم کی تعریف زیادہ وضاحت سے بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک کام کا ہمیشہ بار بار کرتے رہنا یا کسی کام پر مدتوں سے بہ طور قانون کے عمل درآمد چلا آنا رسم کہلاتا ہے۔ رسم ہمیشہ ایک بن لکھا قانون ہوتا ہے جس پر سب لوگ مدت سے اتفاق کرتے چلے آتے ہیں اور اس لیے وہ رسم بہ طور ایک قانون کے سند ہو جاتی ہے۔

سر والٹر ریلی نے نہایت عمدہ بات کہی ہے کہ رسم و رواج میں وہ فرق ہے جو سبب اور نتیجہ میں ہے کیوں کہ جب کسی

کام کا رواج مدت تک رہتا ھے تو وہ بہ طور ایک قانون کے لوگوں میں پھیل جاتا ھے اور آخر کو یہ نتیجہ ھوتا ھے کہ وہ ایک رسم ھو جاتی ھے -

عادت میں اور رسم میں ایک نہایت باریک تفاوت ھے اور جو بالطبع اور بے تکلف ھم کو کسی کام کے بار بار کرنے کو کہتا ھے - رسم ایک اصول ھے جو باھر سے ھم میں آیا ھے - جس کے سبب سے ھم کسی کو بار بار کرتے ھیں - مگر اکثر ایسا ھوتا ھے کہ ایک کو دوسرے سے مدد ملتی ھے مثلاً دان ، پن ، خیرات و زکواۃ دینے کی رسم سے فیاضی کی عادت پیدا ھوتی ھے اور پوجا کرنے اور نماز پڑھنے کی رسم سے مندروں میں اور گرجاؤں میں اور مسجدوں میں جانے کی عادت ھو جاتی ھے -

لفظ کسٹم یعنی رسم کا علم قانون میں بھی آتا ھے اور مقنن اس کے یہ معنی بتاتے ھیں کہ " رسم " ایک ایسا قانون ھے جو کبھی تحریر میں نہیں آتا مگر مدتوں سے اور عام لوگوں کی رضا مندی سے جاری ھے - " رسم و رواج ایک بڑا حصہ ملکی قوانین کا ھے اس کا وجود ھر ایک ملک اور ھر ایک عمل داری میں پایا جاتا ھے - انگلستان میں جو قوانیں کہ کامن لا کہلاتے ھیں وہ حقیقت میں وھی بن لکھے قوانین ملکی رسم و رواج کے ھیں - بڑے بڑے قانون دانوں نے کامن لا کے یہی معنی بیان کیے ھیں کہ " انگلستان کا قدیمی رواجی قانون " پس ھمارے ھندوستان میں جو رسم و رواج ھے وہ ھمارے ملک کا کامن لا ھے - انگلستان میں تین قسم کے قانون جاری ھیں : ایک کامن لا ، یعنی رسم و رواج کا بن لکھا قانون ، دوسرا اسٹیٹیوٹ لا ، یعنی قوانین تحریری جن کو واضع قوانیں نے بنایا اور گورنمنٹ نے ان کو جاری کیا -

تیسرا ایکیوٹی ، یعنی قدرتی انصاف کا قانون ۔ مگر ان تینوں قسموں کے قانونوں میں تھوڑا سا فرق ھے ۔ تحریری قانون سے رواجی قانون یعنی کامن لا منسوخ ھو جاتا ھے ۔ اگر ان دونوں میں مخالفت ھو لیکن اگر ایکیوٹی یعنی انصافی قانون کے قاعدے اس کے برخلاف ھوں تو کامن لا یعنی رواجی قانون بحال رھتا ھے اگرچہ میری رائے میں ایسا ھونا انسان کے لیے نہایت افسوس کی بات ھے کیوں کہ ایسی حالت میں رواج کے نیچے قدرتی انصاف دب جاتا ھے مگر تمام مقننوں کی رائے ھے کہ کامن لا یعنی رواجی قانون ایسا ھو جو تحریر میں نہ آیا ھو ۔ اور اس کے قاعدے زبانی روایتوں پر چلے آتے ھوں ۔ مگر رسم و رواج کو قانونی رتبہ حاصل ھونے کے لیے اتنا پرانا ھونا ضرور ھے کہ اس کے برخلاف ھونا لوگوں کی یاد سے باھر ھو ۔

یہ سمجھنا چاھیے کہ کامن لا کے لیے کچھ تحریری کتابیں نہیں ھوتیں ۔ بلکہ کامن لا پر نہایت بڑی بڑی کتابیں بہت بڑے لائق اور قابل اور واقف کار عالموں نے لکھی ھیں ۔ فرق یہ ھے کہ کامن لا پہلے جاری ھوتا ھے اور پھیل جاتا ھے اور اس کے بعد ضبط تحریر میں آتا ھے یا اس پر کتابیں لکھی جاتی ھیں اور تحریری قانون اول تحریر میں آتا ھے اور اس کے بعد جاری ھوتا ھے اور پھیل جاتا ھے ۔

نازک بحث اس مقام پر یہ ھے کہ مذھبی قانون کس میں داخل ھے ۔ تحریری قانون میں یا رواجی قانون میں ۔ میں اس بات میں کسی مصنف کی رائے سے واقف نہیں ھوں مگر میں مذھبی قوانین کو پچھلی قسم میں سمجھتا ھوں کوئی مذھبی قانون یہاں تک کہ موسیٰ کے دس حکم بھی ایسے نہیں ھیں جن کا رواج قبل ان کے لکھے جانے کے نہ ھو چکا ھو ۔ بانئ مذھب گو کہ

وہ خدا کی ہی طرف سے آیا ہو وعظ و نصیحت سے ایک بات کا رواج دینا چاہتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کے گروہ معتقدین میں رواج پا جاتی ہے اور جب کہ اس پر ایک عرصہ گزر جاتا ہے تو وہ بہ منزلہ قانون مذہبی کے یعنی ایسی رسم کے جو ایک مذہب کی بناء پر جاری ہوئی مستند ہو جاتی ہے پرانے مذہب کے لوگوں میں بہت مذہبی رسمیں انسان کی یاد سے پہلے جاری ہیں ۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ کیوں جاری ہوئی تھیں اور اُن سے کیا فائدہ ہے اور اب ہم کیوں ان کو کرتے ہیں ۔ پس وہ تمام باتیں بجز اس کے رسم و رواج میں داخل ہوں اور کسی میں داخل نہیں ہو سکتیں ۔ میری رائے ہے کہ مذہب بھی رسم و رواج پیدا ہونے کا ایک سبب ہوتا ہے مگر جب تک کہ اُس کے مسائل بہ طور رسم کے جاری نہ ہو جاویں ۔ رسم و رواج سے زیادہ قوت نہیں رکھتا ۔ اکثر قوموں میں بلکہ دنیا کی کل قوموں میں بہت سی ایسی رسمیں پائی جاویں گی جو درحقیقت اُن کے مذہب کے برخلاف ہیں مگر ان رسموں نے ان کے دلوں میں ایسی مضبوط جڑ پکڑ لی ہے کہ مذہب کی نہایت زبردست اور طاقت ور کل بھی اُس کے اُکھاڑنے سے عاجز ہو گئی ہے ۔ رسم و رواج کی حکومت انسانوں کے دلوں میں نہایت قوی اور سب سے زیادہ مستحکم ہوتی ہے ۔ ہر شخص غلام سے زیادہ اس کی تابع داری کرتا ہے ۔ آقا کو اپنے غلام پر کبھی کبھی نافرمانی کرنے کا اندیشہ ہوتا ہے مگر رسم و رواج کو اپنے غلاموں کی نسبت نافرمانی کا کبھی اندیشہ نہیں ہوتا ۔

تعجب یہ ہے کہ جاہل اور عالم ، نادان اور عقل مند سب برابر اس کی غلامی کرتے ہیں ۔ اچھا قابل اور لائق آدمی جو فلاسفی اور حکمت کے باریک باریک مسئلے حل کرتا ہے ۔ جو

ان باتوں تک پہنچتا ہے جن کا رسم و رواج مدت سے چلا آتا ہے
تو تمام اپنی قابلیت اور عقل و تمیز کو بھول جاتا ہے اور محض
نادان شخص کی مانند اس کے آگے سر جھکا لیتا ہے ۔ کس قدر
ہم کو تعجب آتا ہے جب کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سقراط سا
شخص جس نے اپنی قوم کے رفارم کرنے میں اپنی جان
دی جب کہ زہر کے پیالہ کا اپنی جان پر اثر پاتا ہے اور اپنی
زندگی کو چند لمحے سے زیادہ نہیں سمجھتا کس وقت اپنے پیارے
دوست کرمیٹر کو وصیت کرتا ہے کہ وہ اس کی منت کو جو اس کو
لیپی اس دیوتا پر مرغی چڑھانے کی تھی پوری کرے ۔ اس واقعہ سے
ہم سمجھ سکتے ہیں کہ رسم و رواج کا انسان کے دلوں پر اور سقراط
کے سے دل پر جس کے دل کو گویا خدا نے اپنے ہاتھ سے بنا لیا تھا
کیسا کچھ قوی اثر ہوتا ہے ۔ ہاں یہ بات بلاشبہ تسلیم کرنے کے
لائق ہے کہ جو رسم مذہبی سند یا مذہبی خیال پر قائم ہوئی ہے اس کا
اثر انسانوں کے دلوں پر بہ نسبت ان رسموں کے جو اور طرح پر
قائم ہوئی ہوں بہت زیادہ سخت اور نہایت قوی ہوتا ہے ۔

اس میرے بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسم و رواج
کا تعلق مذہب اور حکومت اور معاشرت سب سے برابر ہے مگر
میں اپنے اس لیکچر میں اس بات سے کچھ بحث نہیں کرنے کا کہ
جو رسمیں دنیا کی قوموں میں جاری ہیں ان میں سے کون سی
اچھی ہیں اور کون سی بری ہیں بلکہ میں اس باب پر بحث
کروں گا کہ رسومات متعینہ میں وہ مذہب سے علاقہ رکھتی ہوں
یا حکومت و معاشرت سے اصلاح اور ترقی کی ضرورت ہے یا نہیں
اور اگر ہے تو وہ کیوں ہو سکتی ہے ۔

جو لوگ مذہبی رسومات کے پابند ہیں وہ یہ سمجھتے کہ
یہی رسمیں سچائی اور انسان کی بھلائی کے لیے نہایت اعلٰی درجہ

کمال پر ھیں اور ان سے زیادہ ترقی کرنا ممکن نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی ان میں ترقی یا اصلاح کرنی چاھیے "گو کہ وہ اسی مذھب کی سند پر کرتا ہو جس مذھب کی وہ رسمیں ھیں۔" تو اس کو کافر اور مذھب سے خارج کر دیں گے۔ اس کا ٹھکانا بجز جہنم کے اور کہیں نہیں بتلاویں گے مگر ھماری تسلی کو صرف یہی بات کافی نہیں ھے کیوں کہ اب تک ایک نہایت ضروری بات پر خیال نہیں کیا گیا ھے اور وہ یہ ھے کہ ان رسومات مذھبی کا اثر ھمارے دل پر درحقیقت ان کی سچائی کا سبب ھے یا ھماری عادت کا جس کی ھم کو اپنی بچپن سے عادت پڑ گئی ھے۔

رسم جو حکومت سے اس پر پابند رھنے کے لیے بڑے بڑے مشہور مقنن اور عالم طرف دار ھیں۔ ٹینسی نس مورخ کا قول ھے کہ "جس سلطنت میں زیادہ قانون ھوتے ھیں اس میں اتنی ھی زیادہ برائی ھوتی ھے" میں سمجھتا ھوں کہ غالباً میرے ملک کے لوگوں کی بھی یہی رائے ھے۔ وہ سمجھتے ھیں کہ ھمارا ھندوستان قانون کے بوجھ کے تلے دبا چلا جاتا ھے اور اسی سبب سے اس میں روز بروز پیچیدہ حالات پیدا ھوتے جاتے ھیں۔ اودھ کے رھنے والوں نے جو اودھ کے شمال مغربی اضلاع میں شامل ھونے سے اپنی زیادہ نفرت ظاھر کی غالباً اس کا سبب غالب یہی تھا کہ بہ نسبت حال کے اُن کا ملک قانون کے بوجھ میں زیادہ دب جاوے گا۔ غالباً ھندوستان کی راجا وائی اور ھندوستانی عمل داریوں کو اس لیے زیادہ عمدہ سمجھتے ھوں گے کہ وھاں کی حکومتیں مرجاد یعنی قدیم رسوم پر چلتی ھیں۔ اور تمام جھگڑوں کا فیصلہ رسم و رواج کی پابندی سے ایک عامل کی رائے پر ھو جاتا ھے۔

رسم و رواج کے طرف داروں کے لیے رومیوں کی حکومت

ایک بہت بڑی مثال گنی جاتی ہے جن کی حکومت میں تمام " خواہ وہ عام لوگوں سے متعلق ہوتے تھے خواہ لوگوں کے ذاتی کاموں سے خواہ عدالت کے فیصلوں سے " باپ دادا کی رسم پر مبنی ہوتے تھے یہاں تک کہ مجرموں کو سزا دیتے وقت جس طرح کہ ہم پینل کوڈ کی دفعہ کا حوالہ دے کر سزا دیتے ہیں وہ اپنے باپ دادا کی رسم کا حوالہ دے کر سزا دیتے تھے۔

سیاہت رومی مورخ لکھتا ہے کہ " تارکوبین کو جلا وطن کرنے کے حکم میں یہ لکھا گیا تھا " کہ " ایک رسم کے تبدیل کے سبب جلا وطن کیا گیا " ویرحل مصنف بھی رسم و رواج کا طرف دار ہے اور کرے سٹم کا قول ہے کہ " وہ قوم غلامی کی حالت میں ہے جس پر قانون حکومت کرتا ہے اور آزاد قوم وہ ہے جس پر رسم و رواج کی حکومت ہوتی ہے۔ گولڈ سمتھ لکھتے ہیں کہ رسم و رواج در حقیقت۔ اپنے باپ دادا کے حکموں کو ورثہ کے طور پر لیتا ہے جس پر خود بھی لوگ چلتے ہیں اور نہایت خوشی و رضامندی سے اس کو مانتے اس لیے ملکی رسم و رواج کا جاری رہنا قومی آزادی کا نشان ہے اور جو کہ یہ رسمیں اس ملک کے معزز و قابل ادب بزرگوں سے چلی آتی ہیں اس لیے ان سے آئندہ کو قومی آزادی کے محفوظ رہنے کو بڑی مدد ملتی ہے مگر مفتوحہ ملک کا حال اس کے برخلاف ہوتا ہے کیوں کہ وہاں کی رعایا جو بہ سبب مفتوح ہونے کے غلاموں کی مانند ہوتی ہے اس کو ایسے رتبوں کا دعویٰ نہیں پہنچتا اس لیے کہ مغلوب ہونے کی ذلت نے ان کے بہادر اور نامور باپ دادا کے کاموں کے محفوظ رکھنے کا حق بالکل کھو دیا ہے اور اس حق کو فتح مند قوم نے اپنی قوت و جرأت سے لے لیا ہے۔

فتح مندی کو ہمیشہ قوانین کے جاری کرنے اور وہاں کی رعایا

کو بغرض قدیمی رسم کے قانون کے پابند رهنے سے مضبوط کرنا چاهیے تاکه وه قانون هر گھڑی اُن کو یاد دلاتے رهیں که وه فتح کرنے والوں کے غلام هیں ۔ گولڈ اسمتھ صاحب کی یه رائے هے که ایسی مضبوط رعایا پر (جن کے هاں اُن کے معزز باپ دادا کی پرانی رسمیں جاری هوں جو هر دم اُن کو مفتوحه هونے کی ذلت سے اٹھانا چاهتے هیں اور آزادی اور بغاوت کی ترغیب دیتے هیں) ۔ کسی طرح وفاداری و خیرخواهی کا اعتماد نہیں هو سکتا وه لکھتے هیں که شاید یہی سبب تھا جو رومن ریپبلکن رسم و رواج کی نہایت عزت کرتے تھے ۔ اور نئے قوانین کے جاری کرنے میں نہایت تامل کرتے تھے اور اسی سبب سے ان کی سلطنت بہت دنوں تک رهی اور تمام دنیا میں بے انتہا نیکیوں کا نمونه هوئی وه یه بھی لکھتے هیں که قوانین کا فائده اُن کے ماننے اور ان کے عمل کرنے پر منحصر هے پس رسم و رواج کے قانون ان کے بانیوں کی عزت کے سبب از خود معزز هوتے هیں اور تمام لوگ ان بانیوں کی نیکی اور انتظام کی نقل کرنے میں همیشه مشغول رهتے هیں ۔ اسی سبب سے رومن لوگ اپنے باپ دادا کی یادگاری مذهبی طور پر کیا کرتے تھے اور مدتوں تک اسی طرح عمل درآمد کرنے سے ان کے هاں کی معزز و قابل ادب رسموں کی گردن پر نئے نئے قوانین کی موٹی موٹی اور بھاری بھاری جلدیں سوار نه هوئیں تھیں ۔

میں سمجھتا هوں که میرے هندوستانی بھائی گولڈ اسمتھ کے اس فقرے کو سن کر بہت خوش هوئے هوں گے اور ان کے دل میں اس بات کا خیال گزرا هوگا که هندوستان کی حکومت بھی اسی روسی اصول پر هونی چاهیے مگر میں چاهتا هوں که وه ابھی تھوڑا سا صبر کریں که مجھے ابھی کچھ اور کہنا هے ۔

گولڈ اسمتھ رسم و رواج کی طرف داری کرتے هیں اور

لکھتے ھیں کہ قومی رسموں نے بہ سبب اپنے پرانی اور سیدھی سادھی اور مختصر ھونے کے ایک نہایت بزرگ اور ھمیشہ قائم رھنے والی صورت پیدا کر لی ھے جس کی دل میں بڑی عزت بیٹھ گئی مگر نئے قانون جو بڑی بڑی جلدوں میں لکھتے جاتے ھیں وہ لوگوں کو گھبرا دیتے ھیں اور ھمیشہ ادل بدل ھوتے رھتے ھیں جس کا نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ آدمی ان کو بھول جاتے ھیں اور ان کو حقیر سمجھتے ھیں وہ خیال کرتے ھیں کہ جو انسان کرتا ھے اس میں ضرور بڑی بڑی غلطیاں ھوتی ھیں اور اس لیے ضرور ھے کہ ان قانون میں بھی کچھ غلطیاں اور نقصان ھوں اور پھر وہ غلطیاں اور نقصان جلد معلوم بھی ھو جاتے ھیں اور ایک جز میں نقصان ثابت ھونے سے تمام قوانین حقارت کے قابل ھو جاتے ھیں ۔ رسومات جو قدیم سے چلی آتی ھیں شاید اُن میں بھی کچھ نقصان ھو ۔ مگر لوگ ان نقصانوں پر کچھ لحاظ نہیں کرتے بلکہ ان کی حمایت میں ایک دوستانہ تعصب برتتے ھیں ۔

فرض کرو کہ ایک قانون نہایت انصاف سے بھرا ھوا ھے اور ضروری بھی ھے اور اس کے برخلاف کوئی دلیل بھی نہیں ھے تو بھی لوگ اس قانون کی عزت نہیں کرتے مگر رسم و رواج کے برتنے میں وہ بالکل اندھے ھو جاتے ھیں اور اس کی غلطیوں کو خود دیکھتے اور سمجھتے ھیں اور کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ یقین رکھتے ھیں کہ ھمارے عقل مند اور دور اندیش باپ دادوں نے جو کچھ کیا ھے وہ سمجھ کر کیا ھے اور کوئی نہ کوئی اس کا سبب ھوگا ۔ اگرچہ اب ھم اس کا سبب نہیں جانتے مگر جو فائدے کہ اس رسم کے مقرر کرنے سے تھے اس رسم کے کرتے رھنے سے برابر ھم کو ملتے رھتے ھیں ۔ گو کہ ھم نہیں جانتے

کہ وہ کیا فائدے تھے اور کیوں کر ہم کو ملتے ہیں ۔

ایک اور رومی قانون دان سب سے بڑھ کر ایک بات کہتا ہے اس کا قول ہے کہ جو رسمیں ہمارے باپ دادا نے مقرر کی ہیں ان کا سبب ہم نہیں بتا سکتے مگر ہم کو اتنا سبب تلاش کرنا نہیں چاہیے ورنہ جس بات کی خوبی پر ہم کو کامل یقین ہے اس میں شک پڑ جاوے گا ۔

یہ وہ دلیلیں ہیں جو رسم و رواج کے طرف داروں نے نہایت مضبوط مضبوط سمجھ کر بیان کی ہیں مگر یہ نہ سمجھنا کہ اس کی مخالفت کسی نے نہیں کی ہے ۔ مانیٹرک مشہور رومی مصنف اس رائے کے بالکل برخلاف ہے ۔ اس کا قول ہے کہ " جس قوم میں جس قدر زیادہ تحریری قانون ہوتے ہیں وہ اتنی ہی زیادہ آزاد ہوتی ہے ۔" اس نے پرشیا کے بادشاہ کو نہایت حقارت سے دیکھا ہے جس نے اپنے ملک کے تحریری قوانین بہت گھٹا دیے تھے۔ بعضوں کا قول ہے کہ " اس سے زیادہ کون ملک نفرت اور حقارت کے قابل ہے جہاں کی حکومت صرف وہاں کے رسم و رواج کے مطابق ہوتی ہے اور کوئی تحریری عمدہ قانون جاری نہیں ہے اور گورنمنٹ اور اس کی رعایا کے حقوق کی کوئی حد نہیں ہے ۔" میں رسم و رواج کی پابندی کا طرف دار نہیں ہوں ۔ کچھ تھوڑی دیر کے بعد میں آپ صاحبوں کو بتلاؤں گا کہ ان رایوں میں کس قدر غلطی ہے اور مانیٹرک کا قول کیسا ادب کے لائق ہے ۔

رسم و رواج کا تعلق جہاں تک کہ مذہب اور حکومت سے تھا اس کا بیان ہو چکا اور معاشرت سے جو اس کا تعلق ہے اس کا بیان باقی ہے مگر میں زیادہ اس کی تشریح کی ضرورت نہیں سمجھتا کیوں کہ کوئی قوم بلکہ کوئی خان دان ایسا نہیں ہے جس میں در باب معاشرت ہزارہا اور عجیب عجیب رسمیں جاری

نہ ہوں ۔ یہاں تک کہ سوئٹزرلینڈ ملک میں بھی ہزاروں لغو رسمیں جاری ہیں جب کہ انسانوں کے مزاج میں وحشت کم ہوئی اور جانوروں کی طرح جنگل میں رہنے اور خانہ بدوش پڑے پھرنے اور جانوروں کے شکار سے پیٹ بھر لینے اور ان ہی کی کھال پہن لینے کے بدلے انھوں نے تمدن اختیار کیا اور آپس میں مل جل کر رہنے لگے اور معاشرت کی حالت پیدا ہونے لگی اسی کے ساتھ رسم و رواج نے بھی ظہور پایا ۔ گویا تمدن و معاشرت رسم و رواج پیدا ہونے کا سبب ہے اور پچھلا پہلے کا نتیجہ ہے مگر ان کے قائم ہونے کے اور بھی سبب ہوتے ہیں ۔

ملک کی خاصیت ملکوں کے لوگوں کی مختلف ضرورت قوموں کی طبیعتوں کا اختلاف ان کے مزوں کا تفاوت جس کو انگریزی میں ٹیسٹ کہتے ہیں اُن کے اعضاء کی دماغ کی بناوٹ جس سے اعلیٰ یا ادنیٰ درجے کے طبعی خیالات پیدا ہوتے ہیں اور اخیر کو علم و ہنر کی ترقی ۔

رسم و رواج کا تبدیل کرنا اور ان کو ترقی دینا انسانی سوسائٹی کے لیے ایسا ہی ضرور ہے جیسے کہ ہر ایک انسان کو زندگی کے لیے سانس لینا اور متغیر ہوا کا نکالنا اور تازہ حیات بخش ہوا کو اندر کھینچنا اگرچہ ہر ایک شخص سمجھتا ہے کہ ہماری رسم و رواج میں تبدیل کی ضرورت نہیں ہے لیکن جب کہ ان سببوں پر خیال کیا جاوے تو رسم و رواج قائم ہونے کے سبب ہیں اور جن کو میں نے ابھی بیان کیا ہے تو معلوم ہوگا وہ سبب ہی شاید سوائے بعض کے ایسے ہیں جن میں ہمیشہ تغیر تبدل ہوتی رہتی ہے اور اثر یہ ہے کہ وہ سب زمانے کے گزرنے پر ترقی پا جاتے ہیں پس ضرور ہے کہ ان کے نتیجوں یعنی رسموں میں بھی تبدیلی اور ترقی ہو ۔ یہ دعویٰ منطقی شکل

پر اس طرح قائم ہوتا ہے کہ ”رسمیں نتیجہ میں زمانہ کی حالت کا اور زمانہ کی حالت ہمیشہ قابل تغیر ہے۔ پس رسمیں بھی قابل تغیر ہیں۔“

یہ خیال کہ ہماری رسموں میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ (گو وہ کیسے ہی مضبوط یقین دل میں بیٹھا ہو) بھروسے اور اعتماد کے لائق نہیں ہے کیوں کہ ممکن ہے کہ صرف عادت نے یہ خیال ہمارے دل میں جمایا ہو۔ اس بات کا اندازہ کرنا کہ انسان جن عادتوں میں ابتداء سے پرورش پاتا ہے اور پلتا ہے اور پڑھتا ہے وہ کہاں تک اس میں اثر کر جاتی ہیں اور دوسری طبیعت سے ہو جاتی ہیں حقیقت میں انسان کی طاقت سے بھی بہت زیادہ اور بلند درجہ پر ہے چناں چہ مختلف قوموں کی مختلف رسموں پر لحاظ کرنے سے اس بات کی بہ خوبی تصدیق ہو جاتی ہے۔

رسومات میں اصلاح کرنے کی ضرورت خود انسان کی حالت پر غور کرنے سے ثابت ہوتی ہے جب کہ ہم انسانوں کی سوسائٹیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی تمام رسمیں کیا مذہب کی اور کیا حکومت کی اور کیا معاشرے کی مختلف پاتے ہیں۔ مختلف کا لفظ شاید میں نے غلط کہا کیوں کہ مجھ کو یوں کہنا چاہیے کہ ایک کی رسم کو دوسرے کی رسم کے برعکس یعنی نقیض پاتے ہیں اور جو کہ دو نقیضیں کبھی سچ نہیں ہوسکتیں اس لیے دونوں کی دونوں رسمیں بھی اچھی نہیں ہو سکتیں۔ پس رسومات متناقضہ کا موجود ہونا ہی کافی ثبوت اس بات کا ہے کہ رسومات کا توڑنا اور تبدیل کرنا اور ترقی دینا نہایت ضروری ہے۔ اس بات کے ثبوت کے لیے کہ مختلف قوموں میں تینوں قسم کی متناقض رسومات موجود ہیں ان قوموں کی رسومات پر جو مذہب حکومت اور معاشرت سے متعلق ہیں غور کرنی کافی ہے۔

دیکھو اگلے زمانے کے یونانیوں اور مصریوں اور ہندوستان کے ہندوؤں کو جو مذہبی رسومات میں بیسیوں دیوتاؤں کو ماننا اور اُن کی پرستش بجا لانا اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ھیں مگر یہودی اور مسلمان ٹھیک اس کے برخلاف ھیں ۔ وہ سمجھتے ھیں کہ سوائے ایک خدا کے کسی دوسرے کی پرستش کرنا ٹھیک جہنم میں جانا ھے ۔

یہودی اور مسلمان اور ہندو جنگ کے وقت اپنی نجات کے لیے بڑی قربانیاں کرتے ھیں ۔ مگر ایک بدھ مذہب کا ہندو اس کو بہت ھتیا اور سخت عذاب کا کام سمجھتا ھے ۔

ہندو اور رومن کیتھولک اپنے پیشواؤں کی مورتوں کے سامنے خوشیوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ھیں ۔ مگر یہودی اور پروٹسٹنٹ اور مسلمان اس کو روحانی موت کا ذریعہ خیال کرتے ھیں ۔ ایک نہایت نیک دل ہندو نہایت سچائی اور دلی اعتقاد سے اور بیکنٹھ میں جانے کے یقین سے ایک دیوتا کی موت پر اپنی جان کو آپ قربانی کرتا ھے ۔ مگر عرب کے ریگستان کا قانون بنانے والا ایسے فعل کو خودکشی قرار دیتا ھے اور اس کے کرنے والے کو نرک میں ڈالتا ھے ۔

ایک ہندو اپنے پیارے باپ کی لاش کو کس محبت اور عزت اور نیکی اور ابدی نجات کے یقین سے نہایت خوف ناک اور تیز بھڑکتی آگ میں جلاتا ھے اور پھر اس کی جلی ھوئی مٹی سے اس کی ھڈیوں کو چنتا ھے ۔ اور اُن کا نام پھول رکھا جاتا ھے اور پھر گنگا میں بہاتا ھے ۔ مگر ایک یہودی یا عیسائی یا مسلمان اس کو نہایت بے رحمی اور سنگ دلی کا کام سمجھتا ھے ۔ کسی مجرم کی لاش کو بھی آگ میں ڈالنا سخت گناہ سمجھتے ھیں ۔ ان کے خیال میں بھی نہیں آتا کہ یہ کیوں کر ھو سکتا ھے کہ

اپنے عزیز کی لاش کو خود اپنے ھاتھوں جلتی آگ میں ڈال دیا جاوے پس یہ بات غور کے قابل ہے کہ مذھبی رسومات بھی ایک قوم کی دوسری قوم سے کیسی مخالف ھیں ۔

رسومات جو حکومت سے متعلق ھیں وہ بھی باھمی اختلاف رسومات کے اندازے سے مختلف ھیں ایک ٹکڑا امریکہ کا غلاموں کو آزاد کرنا گورنمنٹ کا ایسا ھی فرض سمجھتا ہے جیسے کہ دوسرا ٹکڑا مالکوں کا حق غلاموں پر قائم رکھنا واجب جانتا ہے ۔ زنجبار کا بادشاہ غلاموں کی سوداگری کو ایک عمدہ اور نہایت پاک محاصل بادشاھی خزانے کا سمجھتا ہے مگر انگلینڈ کی ملکہ اس کے معدوم کرنے کو جنگی جہاز روانہ کرنے پر آمادہ ہوتی ہے ۔

اسی ھندوستان کی پہلی حکومت میں دختر کشی ایک رسم ناقابل مزاحمت اور نئی ایک رسم قابل ادب اور تعظیم کے تصور کی جاتی تھی مگر فورٹ ولیم کا قانون بنانے والا اس کو قتل انسان قلزم سزا کا جرم قرار دیتا ہے ۔

معاشرت و تمدن کی رسومات کے اختلاف کی تو کچھ ایسی انتہا ھی نہیں ہے ۔ ایک قوم کو دیکھتے ھیں کہ وہ سر ننگا کرنا اور پاؤں میں جوتی پہنے رھنا نہایت تعظیم و ادب کا آداب کرنا سمجھتی ہے مگر میں سنتا ہوں کہ ھندوؤں میں سر ڈھانکے رھنا اور جوتی اتار کر ننگے پاؤں ھو جانا غایت ادب و تعظیم کا کام سمجھا جاتا ہے (میں نے ھندوؤں کی تخصیص اس مقام پر اس لیے کی کہ مسلمانوں میں جوتی اتار ننگے پاؤں ھونا داخل ادب نہیں ہے) سب سے بڑا معاملہ معاشرت اور تمدن کا شادی و بیاہ سے متعلق ہے ۔ ایک قوم کی خوب صورت نیک لڑکی نہایت پاک مگر محبت کے بھرے ہوئے دل سے اپنے لیے آپ شوھر پسند کرتی ہے مگر ھندوستان کی قوم کی لڑکی بیاہ کے بعد بھی کبھی اپنے شوھر سے بات تک

نہیں کرتی ۔

دیکھو کثرتِ ازدواج یعنی ایک سے زیادہ شادی کرنی ایک قوم میں کس قدر معیوب اور کیسی قابلِ نفرت قرار پائی ہے ۔ مگر ہندوستان کی ایک قوم کولین میں یہ رسم کیسی عمدہ اور مبارک سمجھی جاتی ہے ۔ ستر برس کے بڈھے سے سات برس کی لڑکی کی جو اکہترویں جورو اس بڈھے کی ہوتی ہے شادی کی جاتی ہے اور شادی کرنے والے اس شادی کو بہت بڑا پُن اور نہایت ہی عمدہ کام سمجھتے ہیں اور قوم کے ہندو بھی کثرت ازدواج کو معیوب نہیں سمجھتے اور مسلمان بھی چار تک اور اُن کا ایک فرقہ کولین فرقے سے بھی بڑھ کر لا انتہا تک کثرت ازدواج کو معیوب نہیں سمجھتا مگر یورپ کی سوسائٹی میں کثرت ازدواج پر مثل ایک سنگین جرم سے سزا دی جاتی ہے ۔

آپ زیادہ تر تعجب کریں گے جب کہ آپ اس قوم کی رسم پر غور کریں گے جو کوہستان سراج کے علاقہ کانگڑہ میں آباد ہے اور جو کنیت کہلاتی ہے اور جن میں یہ رسم ہے کہ چار پانچ بھائیوں میں صرف ایک عورت ہوتی ہے یعنی وہ سب ایک سے شادی کرتے ہیں اور وہ سب کی جورو ہوتی ہے جو شوہر خلوت میں اس کے پاس جاتا ہے اپنی لاٹھی ، جوتی باھر چھوڑ جاتا ہے تاکہ دوسرا شوہر ان نشانیوں کو دیکھ کر اُلٹا پھر جاوے ۔

اس پہاڑی ملک کو ایک وحشی ملک سمجھ کر حقیر مت سمجھو ۔ اسپارٹا کے ملک میں بھی ایک زمانے میں ایسی ہی رسم تھی ۔ وہاں کے مرد بغیر خاص وجہ کے ایک سے زیادہ شادی نہ کر سکتے تھے ۔ وہاں کی عورتیں ایک سے زیادہ خصم کرنے کی بلا قید مجاز تھیں اور کئی کئی خصم ساتھ رکھتی تھیں ۔

جس طرح کہ ہم لوگ ایک عورت کے کئی خصم ہونا

معیوب سمجھتے ہین اسی طرح وہ لوگ ایک مرد کی کئی جورو ہونا سخت عیب اور نہایت ہی عیب خیال کرتے ہیں ۔

ایک چینی جن میں دانتوں کا سیاہ کرنا نہایت پیاری رسم ہے جب یورپ میں جاتا ہے تو تمام لیڈیوں کے سفید اور موتی کے سے آب دار دانت دیکھ کر نہایت ہی متعجب ہوتا ہے اور جب ان کو چلتا پھرتا دیکھتا ہے تو اور بھی متعجب ہوتا ہے کیوں کہ چینیوں میں عورتوں کے پاؤں لوہے کے شکنجے چڑھا کر ایسے چھوٹے کر دیتے ہیں کہ وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہتیں ۔

اگر کوئی اشراف مسلمان خاندان کی عورت عربی گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں نکلے تو کون سا عیب ہے جو اس پر نہ لگایا جاوے ۔ مگر تم اسی ہندوستان میں ایک تربیت یافتہ اور فتح مند قوم کو دیکھتے ہو کہ ان کی تمام لیڈیاں مثل مردوں کے باہر پھرتی ہیں اور عجائبات قدرت الٰہی کو دیکھتی ہیں اور قدرتی چیزوں کے دیکھنے اور ملکوں کی سیر کرنے اور دریاؤں اور جنگلوں سے تماشے دیکھنے سے مردوں کی مانند عقل و علم و تربیت حاصل کرتی ہیں ۔ شاید تمھاری نگاہ میں یہ ہنر عیب ہو مگر جس کو تم ہنر سمجھتے ہو وہ اس کو نہایت سخت عیب سمجھتے ہیں ۔

کیا آپ لوگ اس رسم کو عجیب اور نہایت ہی عجیب نہ سمجھیں گے کہ میسور کی ایک قوم میں یہ رسم ہے کہ جب کسی عورت کے ہاں اول مرتبہ لڑکا پیدا ہوتا ہے یا بانع عورت لڑکے کو متبنیٰ کرتی ہے تو اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں کی ایک ایک پور کٹوا ڈالتی ہے اور اس کو نہایت ہی مبارک سمجھتی ہے ۔

یہ چند مثالیں بہ طور نمونہ کے میں نے آپ کے سامنے بیان

کین ورلڈ بہت سی ایسی رسمیں نکلیں گی کہ جن کو ایک قوم نہایت اچھا اور دوسری نہایت ہی بُرا سمجھتی ہوگی ۔ اور جو کہ وہ دونوں رسمیں آپس میں برخلاف ہیں اس لیے وہ دونوں رسمیں اچھی نہیں ہو سکتیں یا وہ دونوں بری ہوں گی ۔ یا اُن میں سے ایک اچھی ہوگی اور ایک بُری ہوگی ۔ پس اگر رسموں کی پابندی کی جاوے تو ضرور کوئی نہ کوئی قوم ایسی رسموں میں جو در حقیقت بری اور خراب ہیں مبتلا رہے گی ۔

جو لوگ رسموں کی پابندی کے طرف دار ہیں اُن سے یہ سوال ہوتا ہے کہ جن رسموں کی تم پابندی چاہتے ہو وہ رسمیں بھی بعد اصلاح و ترمیم و تبدیل کے تمہارے بزرگوں نے قائم کی تھیں کیوں کہ تمہارے بزرگوں کے بزرگ اس سے بھی زیادہ وحشیانہ رسموں میں مبتلا تھے پس جب کہ ہمارے بزرگوں نے اپنے بزرگوں کی رسموں کو اصلاح کیا ہے تو ہم اپنے بزرگوں کی رسموں کو جو اصلاح کے قابل ہوں کیوں نہ اصلاح کریں ۔

اگر رسموں کا اصلاح کرنا ابتداء سے انسان کی نسلوں میں جاری نہ ہوتا اور ابتداء سے تمام انسان رسموں کی پابندی کے ایسے ہی طرف دار ہوتے جیسا کہ ٹیسی ٹس ۔ ورجل کرے سسٹم اور مسٹر گولڈ اسمتھ تھے جن کے قول میں نے اُوپر بیان کیے ہیں تو آپ جانتے ہیں کہ ہماری تمہاری کیا حالت ہوتی ۔ ہم میں سے کسی کے اگر پیچھے کسی درخت کے دو پتے بندھے ہوتے اور کسی کے کسی جانور کی بالوں دار کچی کھال لپٹی ہوتی اور عدن کے درختوں کی آڑ میں بیٹھے ہوئے خدا کے گیت گایا کرتے ۔ پس جو لوگ رسموں کی اصلاح و ترقی کے برخلاف ہیں وہ خود اُس میں مبتلا ہیں جس سے لوگوں کو منع کرتے ہیں کیوں کہ وہ ایک ترقی یافتہ زمانہ کی رسموں کو پکڑتے ہیں اور دوسرے

ترقی یافتہ زمانے کی رسموں کے پکڑنے سے انکار کرتے ہیں ۔

تمام کام جو رسم کے برخلاف کیے جاتے ہیں ابتداءً سب کو برے معلوم ہوتے ہیں ۔ اس کا بڑا سبب بے علمی یا ناقص تعلیم ، اُن کی تعلیم کو اس قدر قوت نہیں بخشتی کہ وہ رسومات کے اس تعصب اور جہالت اور ہٹ پر جو عادتاً اُن کے دل میں بیٹھی ہوئی ہے غالب آوے اور نہایت انصاف سے دیکھے کہ رسومات معینہ میں در حقیقت کیا نقص ہیں اور اُن کی ترقی اور اصلاح کی ضرورت ہے یا نہیں ۔

ایک عادل اور منصف گورنمنٹ کو جو اپنی رعایا کی حالت کی ترقی بھی چاہتی ہو قانون بنانے اور اُن کو جاری کرنے نہایت ضروری ہیں جب کہ رعایا کی حالت اُن کی عادت اور ان کے خیالات اور ان کے معاملات اور اُن کی معاشرت تبدیل ہوتی جاتی ہے یا نئی قسم کے حقوق اور نئے طور کی ملکیت پیدا ہوتی ہے یا خود گورنمنٹ کو اپنے استحکام اور استقلال کے لیے نئے انتظاموں کی ضرورت پیش آتی ہے تو پرانی رسومات کے موافق چلنے سے کام نہیں چلتا اور بلا شبہ قوانین کے جدید بنانے کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اور یہی سبب ہے کہ تم ہندوستان میں اور نیز تمام تربیت یافتہ گورنمنٹوں میں نئے نئے قانون جاری ہوتے ہوئے دیکھتے ہو ۔ ہاں یہ بات میں دل سے تسلیم کرتا ہوں کہ ایسے قوانین کا جاری ہونا بصلاح اور مشہور رعایا کے نائبوں کے ہونا چاہیے اور مجھے نہایت افسوس ہے کہ ہندوستان میں ایسا نہیں ہوتا اور ایسا نہ ہونے میں کچھ تو گورنمنٹ کی غلطی ہے اور زیادہ تر ہم رعایا کی نالائقی ، مگر امید ہے کہ چند روز بعد کافی تعلیم سے یہ دونوں باتیں رفع ہو جاویں گی ۔

رسومات کی اصلاح و ترقی جس طرح کہ انسان کے ظاہری

طریقۂ زندگی کو فائدہ دیتی ہے اسی طرح اس کی عقل کو بھی ترقی دیتی ہے ۔ ایک بات کے پیچھے لگے رہنے اور اسی لکیر پر چلنے سے انسان کی عقل سو جاتی ہے اور قوت ایجاد جو خدا نے انسان میں رکھی ہے وہ معطل بلکہ قریب معدوم ہونے کے ہو جاتی ہے اور اس سبب سے قومی تنزل شروع ہو جاتا ہے کیوں کہ قوت ایجاد کے معطل ہونے سے تمام علوم و فنون میں فتور آ جاتا ہے اور کسی چیز میں ترقی نہیں ہو سکتی ۔ یہاں تک جولاہے اور بڑھئی اور لوہار بھی اپنے اپنے پیشے میں نہ کچھ ترقی کر سکتے ہیں اور نہ کچھ ایجاد کرتے ہیں ۔ اور ٹھیک ٹھیک یہی حال ہندوستان کا رسومات کی پابندی سے ہو گیا ہے ۔

رسومات کی اصلاح و ترقی کے وقت بلا شبہ یہ نازک مسئلہ بحث میں آتا ہے کہ کون سی رسم اچھی اور کون سی بری ہے ۔ اور اس کا جانچنا اور تصفیہ کرنا بھی کچھ آسان کام نہیں ہے اور نہ اس پر بحث کرنا میرے اس مضمون میں مقصود ہے ۔ مگر زمانہ اور تعلیم و تربیت خود اچھی اور بُری رسموں کو جدا جدا کرتا اور بتلاتا جاتا ہے ۔ اس وقت بھی اس مضمون کے پڑھنے والوں میں سے چند ایسے بھی ہوں گے جو ان رسموں سے جن کو وہ کرتے ہیں بہت سی رسموں کو بُرا سمجھتے ہوں گے اور اُن کی اصلاح و ترقی کی بھی نہایت خواہش رکھتے ہوں گے ۔ مگر اس بات میں متحیر ہوں گے کہ کیوں کر اُن کو چھوڑیں اور کس طرح اُن کی اصلاح و ترقی کریں ۔

بعضوں کا خیال یہ ہے کہ اگر گورنمنٹ دست اندازی کرے یا صاحب کلکٹر توجہ فرماویں تو ہم کو ان بد رسموں کا اپنی قوم سے چھڑانے کا اور سب کو دھمکا کر راہ پر لانے کا موقع ملے۔ اُن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم بدنامی سے محفوظ رہیں اور

گورنمنٹ کو لوگ بدنام کریں اور گورنمنٹ سے ناراضی کا بیج لوگوں کے دلوں میں بوئیں اور جو لوگ اس سے زیادہ سنجیدہ اور متعین اور معقول ہیں وہ ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ اگر برادری کا اتفاق ہو اور بزرگ بزرگ لوگ اس کو کرنے لگیں تو یہ کام چل جاوے مگر نہ کبھی کسی رسم کے چھوڑنے یا بدلنے پر اتفاق ہوتا ہے اور نہ کسی رسم میں اصلاح و ترقی ہوتی ہے بلکہ اسی تاریکی کی حالت میں زمانہ کا زمانہ گزر جاتا ہے ۔

اکثروں کا یہی خیال ہے کہ آپس میں اتفاق ہو تو رسموں میں اصلاح و ترقی ہو گویا وہ اصلاح و ترقی کو اتفاق پر منحصر رکھتے ہیں ۔

جس شخص کے دل میں اصلاح و ترقی کا خیال ہو اس کو چاہیے کہ خود نہایت استقلال اور مضبوطی اور بہادری سے تمام قوم سے اختلاف کرے اور اس رسم کو توڑ دے یا اس میں اصلاح و ترقی کرے اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام قوم اس کو بُرا کہے گی اور نکو بنائے گی ۔ مگر پھر رفتہ رفتہ لوگ اس کی پیروی کرنے لگیں گے اور جس طرح کہ اولاً وہ ہدف تیر ملامت ہوا تھا ۔ انجام کو وہی سب کا ہادی اور پیشوا اور مصلح قوم شمار کیا جاوے گا ۔ جب تک کوئی شخص تمام قوم سے اختلاف کر کر رسم کو نہ توڑے وہ رسم موقوف ہی نہیں ہو سکتی ۔ پس یہی ایک طریقہ اختلاف ہے جس سے قوم کی اصلاح و ترقی ہو سکتی ہے اور ایسا کرنے والا ہی سچا خیر خواہ اپنی قوم کا متصور ہے ۔ پس میں اپنے عزیز ہم وطنوں سے کہتا ہوں کہ چپکے چپکے اپنے فرقے کے لوگوں میں بیٹھ کر رسموں کو بُرا کہنا اور اُن کی اصلاح و درستی کے لیے ساتھیوں کو ڈھونڈنا اور قید سے نکلنے کے لیے قافلے کی راہ دیکھنا محض بے فائدہ اور سراپا غلطی

ھے ۔ جو شخص بہادر ھے اور اپنی قوم کا سچا خیر خواہ ھے اُس کو خود اس بھاری بیڑی کو توڑ کر میدان میں آنا چاھیے تاکہ لوگوں کو بھی اس قید سے نکلنے کی جرأت اور ھمت ھو ۔

اگلے اور حال کے زمانے میں جن لوگوں نے اپنی قوم کی بھلائی چاھی انھوں نے اسی طریقے پر عمل کیا ۔ اور آج تک دنیا میں کوئی مثال ایسی نہیں ھے کہ بغیر اس طریقے کے کسی دوسرے طریقے سے قومی ترقی اور بد رسومات کی اصلاح ھوئی ھو ۔ میرا یہ دعویٰ چند عمدہ اور قابل ادب قدیم زمانے کی مثالوں سے اور نیز جو واقعات کہ اس زمانے میں گزرے ھیں اُن پر بہ طور تمثیل غور کرنے سے بہ خوبی ثابت ھو سکتا ھے ۔

دیکھو اس زمانے سے ساڑھے اڑتیس سو برس پیش تر " اور کلدانیاں " میں ایک جوان تھا جس کو ابراھیم کہتے تھے اس نے اپنی قوم کو بت پرستی میں پڑا اور بہت سی بد رسموں میں پھنسا ھوا دیکھا اس کا دل اپنی قوم کی خراب حالت پر جلا ۔ خدا نے اس کی مدد کی وہ اپنی قوم کے برخلاف کھڑا ھوا اور پکار کر یہ بول اٹھا : اِنّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰات وَالْاَرْضِ حَنِیْفاً وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْن ۔ تمام قوم نے اُس کو لعنت ملامت کی ۔ قتل کرنا چاھا ، آگ میں ڈالنا چاھا ، مگر خدا نے اس کو بچا لیا اور پھر انجام یہ ھوا کہ وھی ابراھیم تمام دنیا کی قوموں کے لیے رحمت ٹھہرا ۔ صلوٰۃ اللہ علیہ و علیٰ آلہ ۔

پھر خدا کی اس قربانی کی بھیڑ کو دیکھو جس کا اُسی قوم نے اپنی دانست میں نہایت بے رحمی اور سنگ دلی سے کالوری پہاڑی کے نیچے بیت المقدس کے پاس خون بہایا ۔ اس بے گناہ کا یہ گناہ تھا کہ اپنی قوم کی رسومات کی بُرائی کرتا تھا ان کو بد ذاتی

اور ریا کاری سے منع کرتا تھا ۔ اُس کا یہ گناہ تھا کہ اس نے فروسیوں سے کہا کہ ''تم پیالے اور باسن کو باھر سے صاف کرتے ھو پر تمھارا اندر ظلم اور بُرائی سے بھرا ھوا ھے ۔'' اے فروسیو! ''تم پر افسوس کہ ترکاریوں کا دسواں حصہ دیتے ھو پر انصاف اور خدا کی محبت سے گزرتے ھو ۔'' اے فقیھو! ''تم پر بھی افسوس کہ جن بوجھوں کا اٹھانا تم کو مشکل ھے اُس کو لوگوں پر ڈالتے ھو اور خود انگلی تک نہیں لگاتے ۔'' یہ سچ ھے کہ راست بازی نے اس کو نہایت مصیبت میں ڈالا ھے اور خود اُسی کی قوم کے ھاتھ سے اُس پر جو کچھ گزرنا تھا گزرا مگر اس کا انجام یہ ھوا کہ تینتیس کروڑ پچاس لاکھ آدمیوں نے اس کو خدا کا ایکلوتا بیٹا اور سولہ کروڑ آدمیوں نے اُس کو روح اللہ اور کلمت اللہ جانا ۔

دیکھو ریگستان عرب کے ھادی کو جس نے اپنی قوم کو لات و منات و عزیٰ کی پرستش سے چھڑایا اور اولاد کی قتل سے بچایا گو کہ اسی کی قوم نے اُس کو ستایا اور وطن سے نکالا مگر انجام کو خدا کا آخری پیغمبرؐ مانا اور اسی کی بدولت سب نے خدائے واحد کو پہچانا ۔ صلی اللہ علیہ و سلم ۔

سقراط کا واقعہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ھے ۔ اُس نے نہایت نیکی اور نیک دلی سے اپنی قوم کی بھلائی پر کمر باندھی اُن کی بد رسموں کی اصلاح چاھی مگر اسی کی قوم نے اُس پر دیوتا کے برا کہنے اور ایتھنز کے نوجوان لڑکوں کے بہکانے کا الزام لگایا یہاں تک کہ زھر کے پیالے سے اُس کو مارا ۔ مگر چند روز بھی نہیں گزرے تھے کہ تمام ایتھنز کے رھنے والوں نے اس کا ماتم کیا اور تمام دیوتاؤں سے اس کو بڑا دیوتا مانا ۔

لوتھر مقدس کا ذکر بھی اس موقع کے مناسب ھے جس نے

عیسائی چرچ کی تمام بد رسموں کا مقابلہ کیا اور اپنی سچائی پر نہایت استقلال سے قائم رہا ۔ پلاطرس کی سیڑھی پر نجات کی اُمید میں گھٹنوں کے بل چڑھتے وقت یہ غیبی آواز اُس کے کان میں آئی کہ ”سچے ایمان سے نجات پاوے گا“ اسی پر وہ مستقل رہا اور اسی کا وعظ اپنی قوم میں کیا ۔

وتم برگ کے چوک میں جو آگ جلائی گئی اس سے کچھ خوف نہیں کیا اور پوپ کے برخلاف اتوار کے دن گرجے میں چلاّ کر بولا کہ ”خدا تعالٰی برخلاف اپنے عدالت اور صداقت کے گناھوں کے بدلے دام نہیں لیتا ۔“

اُسی نے اپنی جان کا خوف نہ کر کے کاردنبل کی اُس گفت گو کے وقت کہ پوپ کو سب باتوں اور ساری چیزوں پر اختیار ھے یہ کہا کہ ”ھاں مگر پاک کتاب پر نہیں“ اسی کی قوم نے اس بھلائی کے عوض اُس کو خوب ستایا اور اس نے نہایت افسوس سے لکھا کہ ”یہ کیسا زمانہ ھے کہ سچائی کا طالب ھونا ایک بڑی تقصیر معلوم ھوتی ھے“ مگر آج وھی لوتھر ھے جس کا نام کروڑوں عیسائیوں کے دل میں نہایت مقدس ھے ۔

امام حجۃ الاسلام غزالیؒ کا نام لیے بغیر میں اس فہرست کو ختم نہیں کر سکتا جس نے اسرار مسائل اسلام کے بیان کرنے میں نا بمقدور اپنے سعی و کوشش کی ۔ اگرچہ بڑے بڑے متعصب مولویوں نے اس کے کفر کے فتوے دیے اور اس کی کتاب احیاء علوم الدین کے جلانے کا حکم دیا اور اس کے قتل کے احکام جاری ھوئے مگر انجام کار وھی غزالی امام اور حجۃ الاسلام کے لقب سے پکارا گیا ۔

اس زمانے میں جو واقعات گزرتے ھیں اور جن کو اس عہد کے اکثر لوگوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ھوگا وہ بھی

یہی ھیں کہ جس شخص نے رسومات کی اصلاح و ترقی چاھی فی الفور اُس نے اپنی تمام قوم سے مخالفت کی اور رفتہ رفتہ لوگ اس کے ساتھی ھوتے گئے ۔

دیکھو راجا موھن رائے نے کس طرح اپنی قوم سے مخالفت کر کر ھر قسم کی رسومات میں اصلاح کی اور کتنی کچھ نیکی اپنی قوم میں پھیلائی ۔

بابو کیشب چندر سین کا حال سب آپ جانتے ھیں کہ آفتاب کی مانند جو مشرق سے طلوع کرے ۔ اُس کی ذات سے اُس کی قوم میں روشنی پھیلتی جاتی ھے ۔ جڑ اس کی یہی ھے کہ اس نے رسومات کی پابندی کو توڑا اور اپنی قوم کی مخالفت سے کچھ نہیں ڈرا ۔

بنگالہ میں ایشر چندر ودیا ساگر کے نام کو اور بمبئی میں وشنو پرس رام شاستری مہاراست برھمن کے نام کو برکت ھو جنھوں نے ھندو بیوہ عورتوں کی شادی کے رواج میں نہایت کوشش کی اور اپنی ذات اور اپنی قوم کی رسم کو توڑا ۔

سریش چندر بھٹا چارجی بھی کچھ کم ادب کے لائق نہیں ھے جس نے صرف زبانی بات چیت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سب سے اول خود ایک بیوہ سے شادی کی اور پرانی رسم کا جو سانپ کی طرح چمٹ رھی تھی سر کچلا ۔

رام تنو لاھیٹری کا نام بھی نہیں بھولا جا سکتا جس نے اپنی قوم کے مجمع میں سوت کے بٹے ھوئے جینو کو توڑ پھینکا اور سچائی کا سچا جینو اپنے لیے جانا ۔

کیا ھمارے سب سے پہلے ھندوستانی سویلین ست ایندر ناتھ ٹاگرو کا نام بھولنے کے لائق ھے جو ذات کی نہایت بھاری بیڑی سے آزاد ھوا ۔ سمندر کے پار جانے کے گناہ کو ھزاروں نیکیوں

سے بھر دیا ۔ آپ جانتے ہیں کہ کس خان دان کا یہ شخص ہے ۔ یہ آن عالم برہمنوں میں سے ایک کی اولاد ہے جن کو گوڑ کے راجہ نے قنوج سے بلایا تھا جس کا نام بھٹ نارائن تھا ۔ اور جس کی تصنیف کی ہوئی دینی سمہار کتاب موجود ہے ۔

اس کے بزرگوں میں سے ایک شخض کو بنگالہ کے کسی نواب نے دوستانہ طور پر دعوت میں بلایا وہ گیا ۔ مگر کھایا نہیں اس پر اس کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ کھانے کی خوش بو سونگھنا آدھے کھانے کے برابر ہے اور اسی سبب سے ذات سے اسے خارج کر دیا ۔ مگر دیکھو زمانے کی تبدیلی سے اب کتنا فرق ہے ۔ ہمارے ہندو دوست ہمارے ساتھ کھاتے نہیں مگر کھانے کے وقت ملتے ہیں ۔ میز کے پاس بیٹھتے ہیں ۔ دوستانہ بات چیت کرتے ہیں اور کوئی کچھ عیب سمجھتا ۔

اب اخیر کو میں سوامی دیانند سرستی کا نام لیتا ہوں جس کو مرزا پور کے لوگ بہ خوبی جانتے ہیں ۔ اس کے خیالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں اور وید دھرم شاستر کے مطابق ہوں یا نہیں ۔ کیوں کہ میں اس پر ٹھیک رائے دینے کے قابل نہیں ہوں ۔ مگر میں اس بات کی تعریف کرتا ہوں کہ اس کا ارادہ نہایت نیک ہے جو اس کے دل میں ہے ۔ وہ علانیہ کہتا ہے گو اس میں کچھ مجھ کو شک ہے کہ وہی کرتا بھی ہے یا نہیں ۔

اے میرے دوستو ! یہ زمانہ ایسا ہے کہ ہر ایک کے دل میں تہذیب و شائستگی کی امنگ ہے ۔ بہت سے لوگوں کو تم دیکھو گے کہ ہزاروں رسموں کو فضول اور لغو سمجھتے ہیں اور کچھ بھی اس میں یقین نہیں رکھتے پر کرتے ہیں ۔ اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کے بے نقص ہونے پر یقین کرتے ہیں پر کرتے نہیں ۔ ایسی باتوں سے کچھ قوم کی بھلائی نہیں ہو سکتی ۔ بلکہ

میری سمجھ میں یہ بھی ایک قسم کی دغا بازی ہے ۔ میری نصیحت
تم سب کو یہ ہے کہ کرو اُس کو جس پر تم کو دلی یقین ہے
اور مت کرو اُس کو جس پر تم کو دلی یقین نہیں ۔ یہی اصل
سچائی ہے ۔ اور یہی ایک بات ہے جس پر دونوں جہان کی نیکی
منحصر ہے ۔ خدا تمھارے نیک کاموں میں تمھاری مدد کرے ۔

ملکہ وکٹوریا کی سوانح

اور

شہر لندن کے حالات

(۲۹ مئی ۱۸۷۴ء)

حضور ملکہ وکٹوریا کے پدر بزرگوار کا نام ایڈورڈ آف کینٹ ہے اور آپ ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء کو بمقام کنرنکٹن پیاس میں پیدا ہوئیں ۔ اگلے ہی سال میں حضور ممدوحہ کے شفیق باپ نے قضا کی اور ہماری ملکہ معظمہ یتیم ہو گئیں ۔ اُس وقت یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتی تھی کہ یہ بن باپ کے لڑکی ایک روز ایسی عظمت اور شان کو پہونچے گی کہ یورپ اور افریقہ اور ایشیا اور امریکہ ہر ایک حصہ ملک میں اُس کی حکومت اور طاقت کا لوگ اقرار کریں گے لیکن اب میں آپ صاحبوں کو بتلاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے جس کے سبب ہماری ملکہ معظمہ نے ایسی بڑی ناموری حاصل کرنے کی قابلیت پیدا کی ۔ یہ حضور ممدوحہ کی مادر مشفقہ کی تعلیم کا نتیجہ تھا حضور ممدوحہ کی والدہ ماجدہ کا نام ڈچس آف کینٹ ہے جو بادشاہ بلجیم کی بہن تھیں ۔ اُنھوں نے بعد انتقال اپنے شوہر کے بڑے استقلال اور قابلیت کے ساتھ اپنی یتیم لڑکی کی تعلیم و تربیت کا اہتمام خود اپنے ذمہ لیا سب سے پہلے انھوں نے جناب ملکہ معظمہ کو ورزش سکھلائی یعنی وہ کام جن سے بدن چست اور طبیعت خوش رہے ۔

ہمارے ملک کے آدمی ابھی اس اہم معاملے کی خوبی سے آگاہ نہیں
ہیں اور اپنی اولاد کی صحت جسانی کا زیادہ لحاظ نہیں کرتے
حالاں کہ یہ ابتدائی احتیاط ہر ایک قسم کی تعلیم کی جڑ ہے
اگر بچوں کی صحت و عافیت میں ابتدا سے کچھ خلل آ جاوے تو
پھر اُن کی ہر ایک قسم کی استعداد پژ مردہ ہو جاتی ہے اور وہ
تعلیم کے اعلیٰ درجہ کو نہیں پہنچ سکتے ۔

ورزش کے بعد جس چیز کی تعلیم دی گئی وہ اعتدال یعنی ہر
ایک کام میں سلامت روی اختیار کرنا ۔ اس کے علاوہ گھوڑے کی
سواری اور جہازی سفر وغیرہ امور کی تعلیم بھی دی گئی تاکہ
جب کبھی سفر پیش آ جاوے یا فوجوں کے ساتھ رہنے کی ضرورت
پڑے تو حضور ممدوحہ ہر ایک موقعہ پر مُستعد رہیں ۔

اُن سب باتوں کے علاوہ ایک اور بڑی عمدہ چیز سکھلائی
گئی یعنی کفایت شعاری جو بادشاہوں کے لیے نہایت ضرور ہے
مگر اس ملک کے لوگ شاید اُس کو بہت کم سمجھیں گے
اس لیے کہ یہاں ہمیشہ ایسے بادشاہوں نے فرماں روائی کی جن کو
کفایت شعاری سے کچھ غرض نہ تھی جس وقت جس کام میں اُن
کا جی چاہا خزانہ صرف کر دیا ۔ کوئی اُن سے پوچھنے والا نہ
تھا ۔ برخلاف اس کے ہماری ملکہ معظمہ کی طبیعت میں ابتدا ہی
سے ایسا اعتدال اور کفایت شعاری داخل کی گئی کہ کسی وقت
اس سے قدم باہر نہیں رکھا ۔ وائی کونٹ مل برن صاحب نے
حضور ممدوحہ کو اُن تمام اصول انتظام سلطنت کی تعلیم دی جن
کے بموجب اُس وقت انگلستان کی سلطنت میں کارروائی ہوتی تھی
آخر اس تمام عمدہ تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بادشاہ ولیم چہارم
نے انتقال کیا اور صحیح النسب وارث سلطنت نہ رہا تو بموجب
قانون انگلستان کے ۲۰ جون ۱۸۳۷ء کو ہماری ملکہ معظمہ

خلداللہ ملکہا و سلطنتہا تخت نشین ہوئیں جو اس وقت ہر طرح سے ایسے بڑے عہدہ کے لائق تھیں - ۱۰ فروری ۱۸۴۰ء کو حضور ممدوحہ کی شادی ہوئی اور ۱۸۴۱ء میں پرنس آف ویلز ولیعہد سلطنت پیدا ہوے - اور اب حضور ممدوحہ کا سن پچپن سال کو پہنچا - جناب ملکہ معظمہ کے عہد کی نسبت جس قدر تعریف اور توصیف کی جاوے وہ سب بجا اور درست ہوگی - میں اس وقت ایک بڑے لائق مصنف لارڈ بروہم کا قول بیان کرتا ہوں جس نے بہت ہی مختصر اور سیدھے اور سچے لفظوں میں ہماری ملکہ معظمہ کی نسبت رائے دی ھے لیکن قبل اس قول کے بیان کرنے کے میں آپ صاحبوں پر یہ ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ یورپ کے مصنفوں کے بیان کو ایشیائی مصنفوں کے بیان پر قیاس نہ کریں جن کی یہ عادت ھے کہ وہ اپنے بادشاہ کی تعریف میں وہ باتیں بیان کرتے ھیں جن کی کچھ اصل نہیں ہوتی اور محض جھوٹ ہوتی ھیں اور جن سے ہرگز کسی بادشاہ کے اصلی حالات معلوم نہیں ہو سکتے - یورپ کے مصنفوں کا طرز اس کے بالکل بر خلاف ھے -

یہ مصنف کبھی کسی کی ایسی تعریف نہیں کرتے جس کا وہ مستحق نہ ہو - لارڈ بروہم کا قول جو میں اب بیان کرتا ہوں اس کی نسبت کسی طرح یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ اس نے اس بیان میں کچھ بھی مبالغہ کیا ہوگا -

اس عالی رتبہ مصنف کا وہ قول یہ ھے کہ ''کسی ملک میں ایسی ملکہ آج تک نہیں ہوئی جو پبلک اور پرائیویٹ باتوں میں ملکہ وکٹوریہ سے بڑھ کر قابل تعریف اور رعایا کی شکر گذاری کی مستحق ہو-'' اب اس مصنف کے اس فقرہ کے ہر ایک لفظ پر غور کرنا چاہیے کہ اس میں کس قدر سادگی اور سچائی بھری ہوئی ھے ، خصوصاً یہ آخر کا جملہ کہ ''رعایا کی شکر گذاری کی مستحق ہو-''

کتنی سچی اور کس قدر بڑی تعریف کی بات ہے اور جو سچ اور بالکل سچ ہے ۔ کسی ملک کی رعایا کو اس قدر آزادی اور اس قدر حقوق حاصل نہیں ہیں جیسے انگلستان کی رعایا کو حاصل ہیں اور وهاں اگرچه ایک بادشاہ مانا جاتا ہے لیکن اس کے اختیارات کی وہ کیفیت نہیں ہے جیسے آپ صاحبوں کے خیال میں سمائی ہوئی ہوگی اور جیسے ایشیا کے بادشاہوں کی کیفیت تھی جن کو یہ اختیار تھا که جس شخص کی نسبت جو حکم چاہیں دے دیں جس کام میں جس قدر چاہیں خزانه صرف کر دیں ۔ انگلستان کے بادشاہ کی حالت بالکل اس کے برعکس ہے یہاں بادشاہ کے اختیارات محدود ہیں اور تمام قوانین جس پر سلطنت کی کُل کارروائی منحصر ہوتی ہے رعایا کی منظوری کے بعد جاری ہوتے ہیں ۔ بادشاہ کو ہرگز یہ اختیار نہیں ہے که سلطنت کے خزانه کو اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے صرف کر دے ۔ میں جس عرصه میں لندن میں مقیم تھا ۔ تو پارلیمنٹ میں یہ تجویز پیش کی گئی که آئر لینڈ میں جناب پرنس آف ویلز ولیعہد سلطنت کے واسطے ایک قطعه آراضی جو بہت عمدہ موقع پر واقع تھا سلطنت کے خزانه سے خرید کیا جاوے اور لارڈ اسپکر صاحب نے ایسی خوب صورتی سے اس معامله کو پارلیمنٹ میں پیش کیا که اُس کو پرائیویٹ مقاصد سے نکال کر بالکل ایک پولٹیکل معامله بنا دیا ۔ اور بیان کیا که جو مخالفت آئرلینڈ کی رعایا کو لندن کے شاہی خاندان سے ہے اُس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی ضرور ہے که خاندانِ شاہی کے واسطے اُس ملک میں اس قسم کی جائداد پیدا کی جاوے اور اُن کا اس ملک میں اکثر قیام ہو تاکه اس ذریعه سے ایک خاص قسم کا ارتباط خاندان شاہی کو اس ملک کی رعایا سے پیدا ہووے ۔ مگر پارلیمنٹ کے ممبروں نے ان تمام وجوہات سے انکار کیا اور ہرگز اس

بات پر راضی نہ ہوئے کہ پرنس آف ویلز ولیعہد سلطنت کے واسطے شاہی خزانہ سے اس قسم کا خرچ ادا کیا جاوے ۔ پس جب رعایا کی آزادی اور اُن کی مداخلت انتظام مملکت میں اور اُن کے حقوق اس درجہ بڑے ہوئے ہیں تو لارڈ بروہم کا قول نہایت ٹھیک ہے ۔

ہمارے اس ملک ہندوستان کی نسبت لوگ البتہ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو ایسے حقوق حاصل نہیں جیسے رعایائے انگلستان کو حاصل ہیں ۔

قانون بنانے میں اور اور امور ہیں جو ملک کی حالت پر موثر ہیں ۔ یہاں کے لوگوں کی رائے کو کچھ وقعت نہیں ہے ۔ میں بھی اس بیان سے انکار نہیں کر سکتا اور اس نقصان کو افسوس کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں لیکن اُس کے ساتھ ہی انصافاً میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ تمام خرابی صرف اس لیے ہے کہ ہم لوگوں نے ابھی ایسی لیاقت حاصل نہیں کی ہے ۔ جو انگلستان کی رعایا کے سے حقوق ہم کو حاصل ہوں اور میری قطعی یہ رائے ہے کہ اگر ہمارے ملک کے آدمی ویسی ہی لیاقت حاصل کر لیں جیسی انگلستان والوں نے حاصل کی ہے ۔ اور اُن لیاقتوں کو ویسی ہی نیک نیتی اور خیر خواہی سے استعمال میں لاویں جیسی نیک نیتی اور خیر خواہی اہلِ انگلستان کو اپنی گورنمنٹ کی نسبت ہے تو بلا شبہ وہ تمام حقوق اس ملک کی رعایا کو بھی حاصل ہو جاویں گے ۔ ایک بڑے مصنف کا قول یہ ہے، کہ گو آزادی رعایا کا ایک اصلی حق ہے ۔ لیکن اس قسم کے حقوق اُسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ رعایا میں اُن حقوق کو واجبی طور سے اور نیک نیتی سے برتنے کے لیے لیاقت موجود ہو ۔ پس ہمارے ملک والوں کو اگر انگلستان کی رعایا کے سے حقوق کی آرزو ہے تو اُن کو بھی ویسی ہی لیاقت حاصل کرنے میں

کوشش کرنی چاھیے ۔

شہر لندن کے حالات

اب میں لندن کے شہر کی بھی مختصر کیفیت بیان کرتا ہوں جس کی مجھ سے خواھش کی گئی ھے ۔ مگر پھر اس بات کا عذر کرتا ھوں کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے کچھ زیادہ بیان نہیں کر سکتا ۔

لنڈن کا شہر ایک قدیمی شہر ھے اور قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے جب لیر شیرز نے لشکر کشی کی تو اُس وقت یہ شہر آباد تھا اور اب یہ شہر تمام دنیا میں سب سے بڑا شہر ھے ۔ اور اگر میری یاد نے غلطی نہ کی ھو تو قریب بیس میل لمبا اور دس بارہ میل چوڑا ھے اور تیس لاکھ آدمی کے قریب اُس میں آباد ھیں ۔ اگرچہ یہ شہر اپنی خوب صورتی میں پیرس سے اور عمدگی موقع میں قسطنطنیہ سے بہتر نہیں ھے ، لیکن آبادی اور مال و دولت کی کثرت کے لحاظ سے اب دنیا میں کوئی شہر اُس کی ھمسری نہیں کر سکتا۔ ۱۲۵۵ء میں اول ھی اول چیپ سیڈ میں پانی کے نل اس شہر میں لگ گئے تھے جس کو آج وہ ترقی ھے کہ دیکھنے سے علاقہ رکھتی ھے ۔ کوئی گھر اور موقعہ باقی نہیں جہاں ان نلوں کے ذریعہ سے پانی نہ پہونچتا ھو ۔کل ایک مقام پر گھما دینے سے اُس تمام علاقہ کے گھروں کے حوض پہلی منزل سے لے کر اونچی سے اونچی منزل تک سب بھر جاتے ھیں اور جب کوئی حوض بھر جاتا ھے تو پھر اُس میں پانی جانا بند ھو جاتا ھے ، اور جب سب حوض بھر جاتے ھیں تو وہ کل از خود بند ھو جاتے ھیں ۔

روشنی کا اہتمام بھی اس شہر میں بہت مدت سے ھے ۔ ۱۳۱۶ء میں لالٹینوں کی روشنی سڑکوں پر شروع ھو گئی تھی جس

نے اب وہ ترقی پائی ہے کہ اس سے پہلے خیال میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ھر ایک گھر گیاس کی نہایت صاف روشنی سے منور ہے جو ایک نہایت لطیف ہوا ہے ۔

طرزِ عمارت میں بھی پہلے کی نسبت بہت زیادہ ترقی ہو گئی ہے ۔ شہر میں ایک موقع پر پرانی عمارت کے کچھ مکان اتفاق سے اب تک اپنی پہلی حالت پر باقی ہیں۔اُن کے دیکھنے سے اُس وقت کی طرزِ عمارت کا حال معلوم ہوتا ہے ۔ پچھلا طرز عمارت اس شہر کا یہ تھا کہ نیچے کا درجہ پاٹ کر اس کے آگے چھجا نکالتے تھے اور دوسرا درجہ چھجے کے اوپر سے بنانا شروع کرتے تھے اور پھر چھجا نکال کر تیسرا درجہ اُس پر بناتے تھے ۔ اسی طرح درجہ بدرجہ مکان اوپر کو پھیلتا جاتا تھا ۔ یہاں تک کہ کبھی مقابل کے دو مکان اونچے اور چوڑے ہوتے ہوتے آپس میں مل جانے کے قریب ہو جاتے تھے ۔ اور غالباً یہ طرز اس لیے اختیار کیا گیا تھا کہ ان مکانات کے اطراف میں جو لوگ راستہ چلیں ان کو بارش اور برف سے امن ملے ۔

۱٦٦۵ء میں اس شہر میں ایک بہت بڑی وبا پھیلی جس میں بہت کثرت سے انسانوں کی جانیں تباہ ہوئیں اور ۱٦٦٦ء میں ایک سخت آگ لگی ۔ اس عظیم آتش زدگی میں تیرہ ہزار گھر جل کر خاک سیاہ ہو گئے اور بہت ہی نقصان ہوا۔جب متواتر دو برسوں میں یہ دو سخت آفتیں شہر پر نازل ہوئیں تب وہاں ایک بڑی کمیٹی منعقد کی گئی اور بہت سی تحقیقات کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ یہ دونوں آفتیں شہر کی طرزِ عمارت کی وجہ سے پیش آئیں۔پس اُسی وقت سے عمارت کا طرز بدلا گیا جس سے اس قسم کی مصیبتیں رک گئیں اور اب وہ شہر ایسی عمدہ رونق پر پہونچ گیا ہے ۔ ۱٦٦٦ء کی آتش زدگی کی یادگار میں ایک بہت بڑا مینار طیار کیا گیا ہے

ہے جو اب تک موجود ہے اور دو سو فٹ بلند ہے اور جس کو دیکھ کر لوگ اُس بڑی مصیبت سے واقف ہوتے ہیں اور طرزِ عمارت کی تبدیلی کی قدر کرتے ہیں ۔

لنڈن کےمشہور مکانات میں سے ٹور آف لنڈن بھی ایک مکان عبرت سے ذکر کرنے کے لائق ہے ۔ یہ لنڈن کا ایک قدیم قلعہ ہے ۔ ۱۰۷۸ء میں بادشاہ ولیم اول نے اُس میں ایک محل ویٹ ٹور کے نام سے تعمیر کیا بلکہ الزبتھ اور کنگ جیمس کے زمانہ تک وہ محل بادشاہوں کے رہنے کا مکان رہا اور اس کے بعد سے قید خانہ ہو گیا ۔ بڑے بڑے نامی سردار اس میں قید ہوئے اور بہت سی جانیں نہایت بے رحمی کے ساتھ اُس میں ضائع ہوئیں ۔ بہت سے خون اُس میں بہائے گئے ۔ وہ لوہے کا تبر جس نے بڑے بڑے بادشاہوں اور سرداروں کی گردنیں کاٹی ہیں اور کاٹ کا کندہ جس پر وہ گردنیں کٹی ہیں ، ٹور کے سلح خانہ میں اب تک موجود ہے۔ اسی مکان میں ایک اور بُرج ہے جس کی سیر سے انسان کے دل پر ایک عجیب حیرت اور عبرت طاری ہوتی ہے ۔ یہ برج ایک نہایت ہی مستحکم عمارت ہے ۔ اور اُس میں صرف ایک دروازہ ہے جس کے مضبوط کواڑوں کے بند ہو جانے کے بعد وہ برج پوری مایوسی کا عالم ہو جاتا ہے ۔ بڑے بڑے نامی سردار جو اُس برج میں قید ہوئے ہیں ، اُن میں سے اکثروں نے اپنے اُن بد اقبالی کے وقتوں میں کوئی کوئی فقرہ در و دیوار کے اوپر کسی ذریعہ سے کندہ کر دیا ہے ۔ یہ سب فقرے اب تک جوں کے توں موجود ہیں اور اس قدر پُر اثر ہیں کہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی انسان اُن کو دیکھے اور اس کا دل بھر نہ آوے ۔ اور بہت سے مکانات اور نہایت عجیب عجیب اور نادر نادر چیزیں اس شہر میں ہیں ، جن کے بیان کے لیے ایک زمانہ درکار ہے ۔ اس لیے میں پھر عذر

کرتا ہوں اور زیادہ کیفیت وہاں کی چیزوں کی میں بیان نہیں کر سکتا ۔ لیکن کچھ مختصر سا ذکر اس سچائی کا بھی کروں گا۔ جو وہاں عموماً برتی جاتی ہے ۔ ایک ادنٰی بات یہ ہے کہ جب کوئی بازار میں جاتا ہے تو جس سوداگر کی دوکان میں گذر ہوتا ہے وہ سوداگر اس کے ساتھ نہایت اخلاق و انسانیت سے پیش آتا ہے ۔ جس چیز کی ضرورت ہوئی اُس کو پسند کر لیا اور مالک دوکان کو اس کی تفصیل اور مکان کا پتہ لکھا دیا ۔ نہ قیمت کی کچھ تکرار ہے نہ سودا ٹھہرانے میں ناحق کی بک بک ہے ۔ اگر کسی نہ کسی چیز کی قیمت دریافت کی تو بہت ملائمت سے اُس کا جواب مل گیا ۔ تھوڑی دیر کے بعد اس سوداگر کا نوکر گاڑی پر سوار اُن سب چیزوں کو لیے ہوئے دروازے پر آ موجود ہوتا ہے اور وہ سب چیزیں سپرد کر جاتا ہے اور اگر قیمت پہلے سے ادا نہیں کر دی گئی ہے تو مالک کی طرف سے اُس کا بل اپنے ساتھ لاتا ہے اور روپیہ لے کر چلا جاتا ہے ۔

اب ہم لوگوں کو غور کرنا چاہیے کہ وہاں ادنٰی ادنٰی موقعہ پر بھی کس درجہ سچائی برتی جاتی ہے اور اُس سے کس قدر آرام ملتا ہے ۔

اس میں بھی شک نہیں کہ لنڈن میں بد معاش بھی پورے ہوتے ہیں-جو کام وہاں کے بد معاش کر گزرتے ہیں ، وہ اور کسی جگہ کے بد معاشوں سے ممکن نہیں ہے ۔ لیکن لحاظ کے قابل یہ امر ہے کہ اس بد معاشی کے ساتھ وہاں نیکی اور راست بازی کس قدر شائع ہے ۔ روزمرہ اخباروں میں یہ اشتہار دیکھے جاتے ہیں کہ کسی شخص کی سونے کی گھڑی فلاں جگہ سے پڑی ہوئی کسی شخص کو ملی ہے ، اور اب وہ فلاں جگہ رکھی ہوئی ہے ۔ جس کی ہو وہ آ کر لے لیوے ۔

بعض سررشتوں کے ملازم اپنے کسی افسر کی نالائقی ثابت کرنے کے واسطے کوئی غلط حساب اس کے سامنے پیش کرکے تصدیق کرا لیتے ھیں اور زیادہ روپیہ اُس کے ذریعہ وصول کر لیتے ھیں اور پھر اس کےبعد اُس زرِ زائد کا نوٹ وزیر کے پاس لفافہ میں چلا آتا ھے اور اس کے ساتھ ایک چٹھی اس افسر کی شکایت میں ھوتی ھے کہ دیکھیے فلاں افسر اس قدر نالائق ھے کہ اُس نے غلط حساب کو تصدیق کر دیا ۔

پس جہاں چند بدمعاش ھوتے ھیں وھاں ایسے ایسے نیک دل انسان بھی کثرت سے موجود ھیں اور یہی وجہ ھے کہ اس شہر کی خوبی اور نیک نامی اور تجارت دن بدن بڑھتی جا رھی ھے اور یہ سب باتیں عمدہ تعلیم کی بدولت ھیں ۔

جس زمانہ میں ھماری قوم کی تعلیم بھی عمدہ تھی ھم میں بھی یہ سب خوبیاں موجود تھیں اور جب سے ھماری تعلیم ناقص ھوگئی ، تو وہ سب خوبیاں ھم میں سے جاتی رھیں ۔ ھماری قوم نے ایک وقت میں علوم و فنون میں ایسی ترقی کی تھی اور ایسی فیاضی سے اپنے علوم سے یورپ کی قوموں کو نفع پھونچایا تھا کہ بڑے بڑے مصنفوں نے اس بات کا اقرار کر لیا ھے کہ اگر مسلمان اُن علوم میں ایسی ترقی نہ کرتے اور اُن سے اور قوموں کو ایسا فائدہ نہ پھونچتا جیسا پھونچا تو آج دنیا میں ان علوم و فنون کا نام بھی نہ ھوتا ۔ قرطبہ کی یونیورسٹی نے اور ھماری بغداد کی یونیورسٹی نے اپنے علوم و فنون کی ترقی کی وجہ سے تمام دنیا میں علم کا آفتاب روشن کر دیا اور یہ انگریزوں کی قوم جو آج ایسی اعلیٰ درجہ کی شائستگی میں ھمارے اوپر حکومت کر رھی ھے انھیں یونیورسٹیوں اور مدرسوں سے اُس کو علوم و فنون کی روشنی پہنچی۔آج اتفاق سے ھم اور وہ قوم جس نے ایک زمانہ میں ھم سے علم حاصل کیا اور

اب ہم سے بہت اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی ہے اتفاق سے اس ملک ہندوستان میں جمع ہو گئے ہیں - پس ہمارا اُن سے یہ دعویٰ ہے کہ جو قرض ان لوگوں نے ہم سے لیا تھا وہ اب ہم اُن سے وصول کریں - اور میں نہایت سچے دل سے شکر کرتا ہوں کہ وہ قوم اُس قرض کو مع سود دینے کے لیے بڑی فیاضی سے حاضر ہے یعنی جو بہت سے علوم و فنون خود اس نے اپنی محنت اور تلاش سے مستزاد کیے ہیں وہ ہم کو سود میں دینے کے لیے حاضر ہے مگر ہم اپنے تعصب اور جہالت اور نالائقی کی وجہ سے اُن سے محروم ہیں - پس میری خواہش یہ ہے کہ ہماری قوم اپنے خستہ حال کو دیکھے اور جو عمدہ موقع اُس کو اتفاق سے ہاتھ آیا ہے اُس سے فائدہ اُٹھانے میں کوتاہی نہ کرے - اور سب ایک دل ہو کر اُس میں کوشش کریں اور آپس کی ضد اور بغض اور حسد سے موقع کو برباد نہ کریں -

مدرسۃ العلوم کی ضرورت

(۲۷ جنوری ۱۸۸۳ء)

آج میں آپ کے سامنے کسی دقیق یا خیالی مضمون پر اظہار خیال نہیں کر رہا بلکہ ایسی باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں جو روز مرہ ہم سب کے برتاؤ میں ہیں - ایک حکیم کا قول ہے کہ انسان آپ اپنے لیے سب سے بڑا اُستاد ہے - دنیا کے تمام واقعات اُس پر گذرتے ہیں اور ان کے اثروں سے جیسا وہ واقف ہوتا ہے دوسرا کوئی واقف نہیں ہوتا - اور ان سے اُس کو عبرت پکڑنے کا سب سے زیادہ موقعہ ہوتا ہے -

یہ ایک غلطی ہوگی اگر کوئی سمجھے کہ انسان کا اطلاق صرف شخص واحد پر ہی ہوتا ہے - یہ ایک اصطلاح ہے اور جس طرح شخص واحد پر صادق آتی ہے اُسی طرح مجموعہ افراد پر بھی صادق آتی ہے پس جو لوگ کہ اپنے ملک میں تمام باشندگان ایک حصہ دنیا کی بھلائی پر نظر رکھتے ہیں وہ اس ملک کے کل باشندوں پر انسان کا لفظ اطلاق کر سکتے ہیں اور مجاز اس ملک پر اور جو کسی قوم کی بھلائی چاہتے ہیں وہ کل قوم پر اور جو کسی خاندان کی بھلائی چاہتے ہیں وہ کل خاندانوں کے لوگوں پر - نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ملک کی بھلائی کے لیے خود ہمارا ملک اور قوم کی بھلائی کے لیے خود ہماری قوم اور خاندان کی بھلائی کے لیے خود ہمارا خاندان ہمارے لیے استاذ ہے جو حالتیں اُس پر گذری ہیں یا گذر رہی ہیں اُنھیں پر غور کرنا ہماری نصیحت اور عبرت

کے لیے کافی ہے ۔ میرا ارادہ آج کے مضمون سے صرف یہی ہے کہ ہم ان تینوں بھائیوں کی موجودہ حالت پر نظر ڈالیں اور اس سے آئندہ کے لیے نصیحت حاصل کریں ۔

ملک پر جب ہم انسان کا لفظ اطلاق کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ جس طرح انسان میں مختلف قواء اور مختلف اعضاء ہیں جن پر انسان کی زندگی کا مدار ہے اسی طرح ملک میں بھی مختلف قومیں اور مختلف اشخاص ہیں جن پر ملک کی سرسبزی اور ترقی اور بھلائی کا بلکہ مختصر طور پر کہوں کہ ملک کی زندگی کا مدار ہے پس جو لوگ کہ ملک کی بھلائی چاہتے ہیں ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ بلا لحاظ قوم و مذہب کے کل باشندگان ملک کی بھلائی پر کوشش کریں ۔کیوں کہ جس طرح ایک انسان کی اس کے تمام قواء اور اعضاء کے صحیح و سالم رہتے بغیر زندگی یا پوری تندرستی محال ہے اسی طرح ملک کے تمام باشندوں کی خوش حالی اور بہبودی بغیر ملک کی زندگی یا پوری ترقی نا ممکن ہے ۔

تمھارے ملک ہندوستان میں دو مشہور قومیں آباد ہیں جو ہندو اور مسلمان کے نام سے مشہور ہیں جس طرح کہ انسان میں بعض اعضائے رئیسہ ہیں اسی طرح ہندوستان کے لیے یہی دونوں قومیں بہ منزلہ اعضائے رئیسہ کے ہیں ہندو ہونا یا مسلمان ہونا انسان کا اندرونی خیال یا عقیدہ ہے جس کو بیرونی معاملات اور آپس کے برتاؤ سے کچھ تعلق نہیں ہے ۔ کیا خوب کہا ہے جس نے کہا ہے کہ انسان کے دو حصے ہیں اس کے دل کا خیال یا عقیدہ خدا کا حصہ ہے اور اس کا اخلاق اور میل جول اور دوسرے کی ہم دردی اس کے ابنائے جسم کا حصہ ہے ۔ پس خدا کے حصہ کو خدا پر چھوڑ دو اور جو تمہارا حصہ ہے اس سے مطلب رکھو ۔

جس طرح ہندوؤں کی شریف قومیں اس ملک میں آئیں اسی

طرح ہم بھی اس ملک میں آئے ۔ ہندو اپنا ملک بھول گئے ۔
اپنے دیس سے پردیس ہونے کا زمانہ ان کو یاد نہیں رہا اور
ہندوستان ھی کو انھوں نے اپنا وطن سمجھا اور یہ جانا کہ ہمالیہ
اور بندھیا چل کے درمیان ہمارا ہی وطن ہے ہم کو بھی اپنا ملک
چھوڑے سینکڑوں برس ہوگئے نہ وہاں کی آب وہوا یاد ہے نہ اس ملک
کی فضا کی خوب صورتی ۔ نہ وہاں کے پھلوں کی تر و تازگی اور نہ
میوؤں کی لذت اور نہ اپنے مقدس ریتلے و کنکریلے ملک کی برکت
ہم نے بھی ہندوستان کو اپنا وطن سمجھا اور اپنے سے پیش قدموں
کی طرح ہم بھی اس ملک میں رہ پڑے ۔ پس اب ہندوستان ہم
دونوں کا وطن ہے ۔ ہندوستان ہی کی ہوا سے ہم دونوں جیتے ہیں
مقدس گنگا جمنا کا پانی ہم دونوں پیتے ہیں ہندوستان ہی کی زمین
کی پیداوار ہم دونوں کھاتے ہیں ۔ مرنے میں جینے میں دونوں کا
ساتھ ہے ۔ ہندوستان میں رہتے رہتے دونوں کا خون بدل گیا ۔
دونوں کی رنگتیں ایک سی ہو گئیں ۔ دونوں کی صورتیں بدل کر
ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئیں ۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی سینکڑوں
رسمیں اختیار کر لیں ۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی سینکڑوں عادتیں لے
لیں ۔ یہاں تک ہم دونوں آپس میں ملے کہ ہم دونوں نے مل کر
ایک نئی زبان اردو پیدا کر لی جو نہ ہماری زبان تھی نہ ان کی
پس اگر اس حصہ سے ہم دونوں میں خدا کا حصہ ہے ۔ قطع نظر
کریں تو درحقیقت ہندوستان میں ہم دونوں باعتبار اہل وطن ہونے
کے ایک قوم ہیں اور ہم دونوں کے اتفاق اور باہمی ہم دردی اور
آپس کی محبت سے ملک کی اور ہم دونوں کی ترقی و بہبودی ممکن ہے
اور آپس کے نفاق اور ضد و عداوت ایک دوسرے کی بد خواہی سے
ہم دونوں برباد ہونے والے ہیں ۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس
نکتہ کو نہیں سمجھتے اور آپس میں ان دونوں قوموں کے تفرقہ

ڈالنے کے خیالات پیدا کرتے ھیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اُس مضرت اور نقصان میں وہ خود بھی شامل ھیں اور آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتے ھیں ۔

اے میرے دوستو! میں نے بارہا کہا ھے اور پھر کہتا ھوں کہ ھندوستان ایک دلہن کی مانند ھے جس کی خوب صورت اور رسیلی آنکھیں ھندو و مسلمان ھیں اگر وہ دونوں آپس میں نفاق رکھیں گے تو وہ پیاری دلہن بھنگی ھو جاوے گی ۔ اور اگر ایک دوسرے کو برباد کریں گے تو وہ کانڑی بن جاوے گی پس اے ھندوستان کے رھنے والے مسلمانو ! اب تم کو اختیار ھے کہ چاھو اُس دلہن کو بھینگا بناؤ چاھو کانڑا ۔

بے شک انسانوں میں باھم کبھی کبھی رنج ھو جانا ایک قدرتی بات ھے ۔ ھندو اور مسلمانوں پر موقوف نہیں ھے آپس میں ھندو ھندوؤں میں ، مسلمان مسلمانوں میں ، بھائی بھائیوں میں ، باپ بیٹوں میں ، ماں بیٹیوں میں رنج ھو جاتا ھے مگر اُس رنج میں قائم رکھنا اور پکائے جانا اور بڑھائے جانا انسان کی ، ملک کی ، قوم کی ، خاندان کی پوری بد بختی ھے ۔ کیا مبارک ھیں وہ لوگ جو معافی چاھتے ھیں اور اس گرہ کے کھولنے میں جو محبت میں اتفاق سے پڑ گئی ھے پیش قدمی کرتے ھیں اور اپنے بھائی باھم وطن یا ھم قوموں سے بے قصور ھونے پر بھی معافی چاھتے ھیں اور محبت کو ٹوٹنے نہیں دیتے ۔ او مقلب القلوب تو ھندوستان کے لوگوں کو اسی طرف پھیر دے ۔

اب میں دوسرے برادر عزیز کی حالت پر یعنی قوم کی حالت پر نظر ڈالوں گا بہتر ھوگا کہ اس کام کے لیے میں اپنی ھی قوم کو منتخب کروں تا کہ جو کچھ میں اُس کی نسبت کہوں اچھا یا برا میں خود بھی اس سے خارج نہ رھوں ۔ اے مسلمانوں

میں اپنی قوم کی اس بات سے خوش ہوں کہ اُن کے باپ دادا کیا خدا پرستی کے مقدس اور قابل ادب طریقہ میں اور کیا علم و فضل کے میدان میں اور کیا جاہ و حشمت کے عروج میں اور کیا بہادری اور جرأت اور سپاہ گری کے فن میں ایسے گزرے ہیں جن پر اُن کو فخر کرنا زیبا ہے ۔ اُسی کے ساتھ میری خوشی اور زیادہ ہو جاتی ہے ۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ ہماری قوم اپنے باپ دادا کی باتوں پر فخر بھی کرتی ہے اور اُن کو یاد بھی رکھتی ہے کیوں کہ جس قوم کے باپ دادا ایسے گزرے ہیں جیسے تمھارے تھے ۔ اور وہ اُن کے افتخار کو بھی یاد رکھے تو اس قوم سے پھر ترقی کرنے کی امید ہو سکتی ہے اور جس قوم میں باپ دادا کے افتخار نسیاً منسیّا ہو جاتے ہیں یا بہ طور دیو پری کی کہانیوں کے باقی رہ جاتے ہیں اُس قوم سے ترقی کی امید باقی نہیں رہتی ۔ الحمد للہ کہ ہماری قوم کی حالت ابھی ایسی نہیں ہوئی ، سسکتی ہے پر کچھ جان باقی ہے ۔ اگر خدا مدد کرے تو شاید صحت پا جاوے ۔

اس بات سے مایوسی ہوتی ہے کہ ہماری قوم اپنے باپ دادا کے گیت تو گاتی ہے پر خود کچھ نہیں کرتی ۔ کوئی بے عزتی اور بے غیرتی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ ہم اپنے سلف کے ایسے خلف ہوں جن سے ہمارے اسلاف کی نام آوری کو بھی بٹہ لگے ۔ دیکھو تمام ہندوستان میں تمھاری قوم کا کیا حال ہے ۔ سب قوموں سے زیادہ جاہل ہے ۔ سب قوموں سے زیادہ ذلیل ، سب قوموں سے زیادہ نظروں سے گری ہوئی ۔ سب قوموں سے زیادہ مفلس ، ہاں جو چیز کہ سب قوموں سے زیادہ اُن کے پاس ہے وہ کیا ہے ؟ خود اپنی قوم سے بغض و عداوت ۔ کینہ و حسد ، خود اپنی قوم کی بد خواہی اور بد اندیشی ، قومی عزت ، قومی ہمدردی ، قومی افتخار کا ہم میں نام بھی نہیں ۔ ہماری قوم میں اگر

کوئی شخص ترقی یا عزت کے کسی درجہ پر پہنچتا ہے تو قوم کو اس بات کا فخر نہیں ہوتا کہ ہم میں بھی کوئی نامور ہے ۔ بلکہ یہ حسد پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیوں ایسا ہوا ۔ آپس کا میل جول ، آپس کی دوستی ، باہمی محبت ، صرف ظاہر کے دکھاؤ کی رہ گئی ہے ۔ دل میں اس کا ذرا بھی اثر پایا نہیں جاتا ۔ بہت لوگ ہیں جو ذاتی عزت کے پیچھے دوڑتے ہیں ۔ لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں اور اپنی دانست میں اس کا حاصل بھی کرتے ہیں مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ وہ اسی قوم کے افراد میں سے ایک ہیں جو سب کی نظروں میں ذلیل ہے اور وہ ظاہری عزت جو انھوں نے پائی ہے پیتل کے برتن پر صرف ملمع کی سی چمک ہے جس کی خود ملمع کرنے والا یا عزت دینے والا کچھ قدر نہیں کرتا ۔ قوم میں سے کسی ایک شخص کو حقیقی افتخار اسی وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اس قوم میں سے جو عزت کے لائق ہے ۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ جو شخص اپنی عزت کا خواہاں ہو اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ قوم کے معزز کرنے میں سب سے زیادہ کوشش کرے ۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہماری قوم کو اپنی اپنی قوم کی بھلائی و بہتری کا مطلق خیال نہیں ۔ ذرہ برابر بھی توجہ نہیں ۔ جن لوگوں نے کچھ کیا ہے وہ کرنا ذاتی غرض سے خالی نہیں عام بھلائی کے کام میں ذاتی غرض اس کی برکت اس کے ثمرے دونوں کو مٹا دیتی ہے ۔

میں اپنی قوم کی بہت بڑی بڑی فیاضیوں سے جو انھوں نے کی ہیں اور جو اب بھی کرتے ہیں اور امور خیر میں جو زیادہ تر مذہب سے علاقہ رکھتے ہیں نہایت فیاضی سے روپیہ خرچ کرتے ہیں ناواقف نہیں ہوں ۔ ہمارے ہی ضلع کے ایک رئیس اعظم نے ایک مسجد کی مرمت کے لیے اسی ہزار روپے تک خرچ کرنے کا

ارادہ کیا ہے مگر اے صاحبو مذہبی امور میں خرچ کرنا خاص اپنے ذاتی فائدے سے علاقہ رکھتا ہے جس کا عقبیٰ میں کافی فائدہ اپنی ذات خاص کو توقع ہے اور اس لیے وہ قومی بھلائی اور قومی ہمدردی میں شمار نہیں ہو سکتا وہ تو بمنزلہ تجارت کے ہے ۔ دنیاوی تجارت میں اور اس میں صرف اس قدر فرق ہے کہ دنیاوی تجارت میں اس دنیا میں نفع حاصل کرنے کی توقع ہے اور مذہبی کام میں دوسری زندگی میں نفع اٹھانے کی توقع ہے ، قومی ہمدردی اور قومی رفاہ عام کا کام وہ ہے جو نہ اپنے لیے کیا جاوے نہ خدا کے لیے بلکہ خاص قوم کے لیے جس چیز کی قوم کو حاجت ہے اس کو پورا کرے اور میری رائے میں یہی اصلی ثواب کا کام ہے ۔

ہماری قوم میں قومی ہم دردی کے نہ ہونے کے خیال کا ثبوت اس سے ظاہر ہے کہ ہمارے ملک میں بہت سی عالی شان مسجدیں ، بہت سے امام باڑے ، بہت سی خانقاہیں ، بہت سی درس گاہیں موجود ہیں جن کی تعمیر میں لکھوکھائے روپیہ صرف ہؤا ۔ سینکڑوں ہزاروں سالانہ آمدنی کے اوقاف ، مسجدوں ، درگاہوں اور امام باڑوں اور خانقاہوں کے لیے یا شاذ و نادر خاص مذہبی تعلیم کے لیے موجود ہیں مگر کوئی ایک چیز بھی قوم کی بھلائی اور قومی ضرورت کے لیے موجود نہیں ہے ۔ میں نے آج تک سوائے ہمارے دوست اور آپ کے شہر کے رئیس سید رضا حسین صاحب کے وقف نامہ کے جنھوں نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر کام کیا ہے ۔ کوئی وقف نامہ ایسا نہیں دیکھا جو خالص بھلائی کے لیے کیا گیا ہو ۔

یہی بڑا نقص ہماری قوم میں ہے اور یہی اصلی وجہ ہے کہ ہماری قوم نے ترقی نہیں کی اور روز بروز تنزل کرتی جاتی ہے ۔ قومی ترقی صرف تعلیم پر منحصر ہے ۔ مذہبی تعلیم عقبیٰ کی تعلیم

کے لیے ھے ۔ دنیوی تعلیم دنیوی ترقی کے لیے مگر مشکل یہ ھے تعلیم بغیر روپے کے نہیں ھوتی اور روپیہ بغیر تعلیم کے حاصل نہیں ھوتا ۔ گو کہ بہت سی صورتوں میں جاھلوں کے پاس بھی آ جاتا ھے مگر حاصل کرنے اور آ جانے میں بڑا فرق ھے ۔ آ جانے سے قومی عزت نہیں ھوتی بلکہ حاصل کرنے سے قومی عزت ھوتی ھے ۔

میں مذھبی تعلیم کا اس وقت تک کچھ ذکر نہ کروں گا بلکہ دنیوی تعلیم سے جو دنیاوی ترقی اور قوم کو لائق اور ذی عزت بنانے کا ذریعہ ھے غرض رکھوں گا ۔ میں آپ صاحبوں سے کسی ایسے شخص کا نام سننا چاھتا ھوں جس نے نہ تو اپنی ذاتی نام وری کے خیال سے اور نہ حاکم کی خوش نودی خریدنے کی نظر سے اور نہ کسی عزت خریدنے کے بیعانہ دینے کی غرض سے بلکہ خاص اپنی قوم کی دنیاوی عزت کی نیت سے قوم کی تعلیم میں کچھ کیا ھو ۔ بلا شبہ چند بزرگ ایسے پائے جاویں گے جنھوں نے مدرسۃ العلوم واقع علی گڈھ میں مدد کی ھے مگر وہ کتنے ھیں معدودے چند ھیں اور بے چارے غریب آدمی ھیں جنھوں نے اپنا بھوکا رھنا پسند کر کے ایک ایک مہینہ اور دو دو مہینے بلکہ بعض نے اس سے بھی زیادہ اپنا اذوقہ مدرسہ کو دے دیا ھے مگر جو امیر ھیں انھوں نے کچھ بھی توجہ نہیں کی ھے ۔

"کریماں را بدست اندر درم نیست"
"خداوندان نعمت را کرم نیست"

یہ ایک بڑی غلطی ھے کہ دنیاوی عزت کو دینی عزت سے علیحدہ سمجھا ھے ۔ فقیری ھو یا بادشاھی اس میں خدا کو بھول جانا اور جو مقتضی بندہ ھونے کا ھے اس کو یاد نہ رکھنا ھر حالت میں برا ھے اور اگر میں غلطی میں نہ ھوں تو ایسی ھی دنیا کی بزرگوں نے مذمت کی ھے ، اور اگر یہ نہ ھو تو دنیا و دین کا ایک

جزو ہو جاتی ہے - یہودیوں نے خدا کے احکام کی نافرمانی کی تھی اس کے فرائض کو ادا نہیں کیا تھا - عقبیٰ کے عذاب کے سوا خدا نے ان کو دنیا میں بھی ذلت کا عذاب دیا - ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ و باؤ بغضب من اللہ - پس صاف ثابت ہے کہ دنیاوی عزت بھی ایک حصہ دینی عزت کا ہے - اسلام کوئی مجسم خوب صورت پتلی بنی ہوئی نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے تمہارے ذریعہ سے دکھائی دیتا ہے - پس اگر وہ قوم جو اس دنیا میں مسلمان کے نام سے مشہور ہے ذلیل و بےعزت و مفلس و بےقدر ہو جاوے تو از خود اسلام بھی ذلیل ہو جائے گا - پس ہماری کوشش دنیاوی ترقی اور دنیاوی عزت میں اسلام کی شان و شوکت کی نیت سے ہونی چاہیے - جس کو میں اصلی محبت اسلام و اصلی ثواب کے کام سے تعبیر کرتا ہوں - دنیا کے لیے دنیا میں عزت حاصل کرنے کی کوشش ایک بے وقوفی کا کام ہے جس کا قیام ہر لمحہ مشتبہ اور نا پائیدار ہے اسی خیال سے چند قوم کے ہم دردوں نے علی گڈھ میں مدرسۃ العلوم قائم کیا ہے تمام لوگ یار و اغیار غالباً قبول کرتے ہیں کہ بالتخصیص قوم کی بھلائی اور قوم کی بہبودی کے لیے قائم کیا گیا ہے اور ہر دوست و دشمن بھی قبول کرتا ہے کہ تمام حصہ ہندوستان میں فرد ہے جس کا نظیر موجود نہیں ہے - اب ہماری قوم کو خیال کرو اور اس کی تعداد اور اس کی قدرت کو بھی دیکھو اگر قوم قومی ہم دردی پر متوجہ ہو تو ایسے سو مدرسے قائم کر سکتی ہے - مگر آٹھ دس برس کا عرصہ کوشش کرتے گزر گیا - قوم کی عدم توجہی کے سبب وہ بھی اب تک پورا نہیں ہوا - اس کی کھدی ہوئی بنیادیں قوم کا منہ تکتی ہیں کہ کب ہمارا پیٹ بھرا جاوے گا - اس کی نا تمام عمارتیں خدا سے دعا کرتی ہیں کہ کب ہم کو پورا کرنے کی قوم کو توفیق دے گا - اس

کے طالب علم چھپر میں اور درختوں کے سایہ کے تلے نماز پڑھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ہماری قوم دنیا میں زندہ ہے یا خدا کے ہاں چل بسی - وضو کے حوض کے منہ میں خاک بھری ہوئی ہے - قوم کا کوئی شخص اُس کو پانی چوانے والا نہیں -

اے عزیزو ! شاید یہ نتیجہ میری شامت اعمال کا ہو مگر اس کام میں مجھ کو ایک قلی کا سا درجہ ہے - میں مُلحد سہی - کافر سہی مگر کیا تمھارے لیے مسجد و خانقاہ و امام باڑہ بنانے میں چار و چوہڑے چھیترتی نہیں ڈھونڈتے اور اُس مقدس عمارت کو تعمیر نہیں کرتے؟ تم مجھ کو بھی ایسا ہی سمجھو اور اپنی قومی بھلائی کے کام میں مدد دو -

میں کچھ ہی ہوں اور میرا طریقہ کچھ ہی ہو مگر دیکھو کس طرح وہاں پنج گانہ نماز ہوتی ہے - کس طرح سنی و شیعہ طالب علم آپس میں محبت و اُلفت سے رہتے ہیں - کس طرح دونوں فریق کی دنیاوی تعلیم ہوتی ہے - کس طرح دونوں فریق کو اُنھیں کے مذہب کے مولویوں اور مجتہدوں سے مذہبی تعلیم دی جاتی ہے - کس طرح سنی و شیعہ طالب علموں کو مذہبی امتحان کے نتیجہ پر انعام اور سکالرشپیں ملتی ہیں - پس تم مجھ سے غرض مت رکھو قومی کام سے غرض رکھو - اگر اُس میں کچھ نقص دیکھو تو بے شک مجھ پر لعنت کرو -

من از شما نجات خود را طلب‌گار نیستم - ما را با خدائے ما بگذارید - بجہت نجات من خدائے من و جد من کافی است - غیرت قومی و حمیت اسلامی را بجوش آید و کاریکہ بجہت فلاح و صلاح قوم شما اساس یافتہ بہر تکمیل آں اعانت و امداد فرمائید و اجرکم علی اللہ -

میں نے آپ کا بہت سا وقت ضائع کیا ہے اب میں تیسرے

برادر عزیز یعنی خاندانوں کی حالت بہت مختصر طور سے بیان کروں گا - یہ امر نہایت روشن ہے کہ ہمارے قدیم خاندان بالکل برباد ہو گئے ہیں اور جو موجود ہیں اُن کی بربادی کی بھی علامتیں ظاہر ہیں ایک بڑے سیاح کا قول ہے کہ قوم کی خوش حالی یا بربادی کا ثبوت اُس قوم کی عمارتوں سے ظاہر ہوتا ہے - پس اب تم تمام ہندوستان میں پھرو اور قدیم شہروں اور قدیم قصبوں میں جاؤ اور دیکھو جو معبد کہ ویران و شکستہ حال پاؤ گے - وہ مسلمانوں کی مسجدیں ہوں گی جو کسی زمانہ میں نہایت عالی شان اور بے نظیر تھیں - جو چھت بوسیدہ اور خم در خم رسیدہ دیکھو گے وہ سقف خانہ مسلم ہوگی - جو دیوار بوسیدہ اور از سر تاپا افتادہ پاؤ گے وہ دیوار کسی مسلمان کے مُغل سرائے کی ہوگی - اے رئیسان پٹنہ میں خدا کا شکر کرتا ہوں اور تم کو مبارک باد دیتا ہوں کہ تمہارے پاس بہت سے عالی شان محل ہیں اور دعا دیتا ہوں کہ خدا اُن کو قائم رکھے مگر تم اُن کے سبب اپنی قوم کے حال سے غافل نہ ہو اور دیکھو کہ تمہاری قوم کے قدیم خاندان جن کا ادب اور وقار اب تک تمہارے دل سے نہیں گیا کس حال میں ہیں خاندانوں کی ترقی زمانہ کی چال کی مناسبت سے ہوتی ہے - جس طریقہ سے تمہارے بزرگوں کے خاندان بنے تھے اور نام آور ہوئے تھے ترقی پائی تھی - اب وہ زمانہ نہیں رہا افسوس ہے کہ زمانہ نے اپنی چال بدل دی مگر تم اس چال پر قائم ہو - اس زمانہ میں منزل رساں نہیں ہے - اس زمانہ میں فتح یابی اُس کو ہے جو تعلیم و تربیت میں حسب مقتضائے اس زمانہ کے فتح یابی حاصل کرے - مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے خاندان کے بچے ہمارے خاندان کے نوجوان لڑکے تعلیم و تربیت سے عاری ہیں - اُن کے بزرگوں کو اُن کے مربیوں کو اُن کی تعلیم سے عار ہے - پھر کیا

ہم کو موجودہ خاندانوں کے قائم رہنے یا نئے خاندانوں کے قائم ہونے کی توقع ہو سکتی ہے ۔

ہم لوگوں میں ایک جوہر شرافت کا شمار کیا جاتا تھا جس طرح وہ نسب پر بولا جاتا تھا اسی طرح عادت و اخلاق پر بھی اطلاق ہوتا ہے ہمارے بزرگ بلاشبہ ایک خاص قسم کی متانت ، ایک خاص قسم کی وقار ایک خاص قسم کے ادب سے مالا مال تھے ۔ ان کی سچائی ، ان کی صاف دلی ان کی آپس میں سچی محبت ، ان کی آپس میں نہایت مستحکم دوستی ایسی تھی جس کا ہم کو ہمیشہ فخر رہے گا ان کی عادتوں اور خصلتوں کو ان کی اولاد ، ان کے ہمسائے ان کی قوم کے بچے دیکھتے تھے ۔ وہی سیکھتے تھے اور ویسا ہی بننا چاہتے تھے ۔ وہ سب مر گئے اور اپنی خوبیاں اور اپنی خصلتیں اپنے ساتھ لے گئے ۔ اب ہمارے خاندانوں کے بچوں کو نہ کوئی نمونہ ہے جس کو دیکھ کر وہ کچھ سیکھیں اور نہ کوئی نیک محبت ہے جس کا اثر ان کے دل پر ہو ۔ زمانہ حال کی تہذیب و شائستگی و ادب نے دوسری رنگت پکڑی ہے مگر اس کو بھی تعلیم و تربیت و صحبت چاہیے کہ یہ بھی ہمارے خاندان کے لڑکوں کو نصیب نہیں ۔ پس ان کا حال اس مثل کے مطابق ہو گیا ہے کہ ” ازاں سورانده را ازیں سو درمانده ۔ نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے جو امیر ہیں ان کے لڑکے ناماؤں اور آقاؤں کے لڑکوں خدمت گاروں کے لڑکوں کی صحبت پاتے ہیں جب اور کچھ بڑے ہوئے ہیں اور ان کا دل کسی قسم کے ولولوں کے پیدا کرنے کے لائق ہوتا ہے تو اور قسم کے بد رویہ اور بد اطوار لوگ ان کے گرد ہوتے ہیں وہی ان کے مصاحب اور وہی ان کے دلی دوست شمار کیے جاتے ہیں ۔ رفتہ رفتہ وہ نوبت پہنچ جاتی ہے جس کو آپ صاحب بخوبی جانتے ہیں جن کو

اس قدر مقدور نہیں ہے اُن کے بچے بازاروں اور گلیوں میں خاک چھانتے پھرتے ہیں اور کوئی شُہدپن کی ایسی بات نہیں جو وہ نہ سیکھتے ہوں قوم کے چند بد نصیب خیر خواہوں نے جن کی قسمت میں آپ لوگوں سے بلکہ اپنی تمام قوم سے دشنام دہی و سخت کلامی سُننی تھی قوم کی زبان سے کافر و ملحد بننا تھا ۔ اِن مصیبتوں کے دور کرنے کی فکر کی اور چاہا کہ ایک ایسا گھر بنایا جاوے جس میں ہماری قوم کے بچے با امن و امان رہیں اور اُن بلاؤں اور آسیبوں سے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ۔ بچے رہیں مگر جب قوم کی بد نصیبی ہو تو کوئی کَل کیوں کر سیدھی پڑے ۔ یہ ایک قومی کام تھا اور بغیر قومی مدد کے پورا نہیں ہو سکتا ۔ یہ کام دو چار آدمیوں کے کرنے کا نہیں ہے بلکہ قوم کی قوم کے کرنے کا ہے ۔ خدا ہماری قوم کو توفیق دے کہ اس بات کو سمجھیں اور اس گھر کے پُر کرنے پر آمادہ ہوں ۔

تم خوب یاد رکھو کہ جب تک تم اپنی اولاد کو صغیرالسنی میں اپنے گھروں سے علیحدہ نہ کرو گے تا کہ صحبت بد سے الگ رہیں اور ان کی زندگی تعلیم یافتہ زندگی ہو جاوے ۔ اس وقت تک خاندانوں کا سنبھلنا اور قوم کا عزت پانا محال ہے ۔ ایسے بورڈنگ ھاؤس میں جو گورنمنٹ کالجوں سے علاقہ رکھتے ہیں یا بڑے بڑے وارڈ انسٹی ٹیوشنوں میں جو ہندوستان میں چند امیروں کے لڑکوں کے لیے مقرر ہیں ۔ میری رائے میں تربیت نہیں ہو سکتی ہماری قوم کے لیے ایسے بورڈنگ ھاؤس درکار ہیں جن کا اہتمام اور نگرانی خود ہمارے ہاتھ میں ہو ۔ ہماری قوم کے معزز اور باوجاہت لوگ اس کا انتظام کرتے ہوں وہ لوگ بورڈروں کو مثل اپنے بچوں کے سمجھتے ہوں اور بورڈر ان کو اپنے بزرگ باپ کی مانند جانتے ہوں اگر اس کا نمونہ تم کو دیکھنا ہو تو آؤ ہمارے ساتھ علی گڈھ چلو

اور ہمارے کالج کے اُن پیارے عزیز بچوں کو دیکھو جو بہ طور بورڈ کے وہاں رہتے ہیں جن کی صورت دیکھ کر ہمارے دل میں پیار آتا ہے جن کے خیال سے ہماری روح خوش ہوتی ہے ۔ اُن کو جو محبت ہمارے ساتھ ہے اس کا تماشہ دیکھو ۔ باپ سے زیادہ ہم سے محبت رکھتے ہیں ۔ ہماری خفگی سے کوئی چیز اُن کو زیادہ رنج دینے والی نہیں ہوتی ۔ ہماری جھڑکی ، ہمارا طمانچہ ، ہمارے ہاتھ کی سنٹی سے اُن کو عبرت اور نصیحت ہوتی ہے ۔ مگر وہ اُس کو ایسی ہی عزت سے قبول کرتے ہیں جیسے بیٹا اپنے باپ کی تائید و تنبیہ کو چلو ہمارے عزیز مگر ہمارے باعث افتخار مولوی سمیع اللہ خاں کا حال دیکھو کہ بورڈروں کے پیچھے کس طرح اپنی جان لگائے ہوئے ہے ۔ کسی بورڈ کی بیماری میں اُن کی بے قراری کو دیکھو اور اندازہ کرو کہ آیا باپ کو اس سے زیادہ ہو سکتی ہے ۔ خود اپنی آنکھ سے چل کر دیکھو کہ جو محبت اور سرپرستی مولوی سمیع اللہ ان بورڈروں کی کرتے ہیں آیا کوئی باپ اپنے بیٹے کی بھی کرتا ہے ۔ یادش بخیر مولوی مشتاق حسین کا جو حال بورڈروں سے تھا وہ تو عجائبات دنیا سے کچھ کم نہ تھا گو اُن کو دنیاوی ترقی اور دنیاوی عزت بہت کچھ ہے خدا اور زیادہ کرے ۔ مگر میری آنکھ میں جو عزت دین و دنیا میں اُن کو بورڈروں کی خدمت سے نصیب ہوئی تھی اس کے مقابلہ میں حیدر آباد کی عزت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی ۔ چلو اور مولوی محمد کریم صاحب اور مولوی خواجہ محمد یوسف صاحب اور مولوی محمد اکبر صاحب کا حال دیکھو کہ وہ بورڈروں کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں ایسا بورڈنگ ہاؤس البتہ ہماری قوم کے بچوں کو تربیت دینے کے قابل ہو سکتا ہے ۔ مگر افسوس ہے ۔ اے ہماری قوم کے بزرگو کہ تم کو ان کی قدر نہیں ۔ خدا تم کو ایسا دل دے کہ اس کی قدر کرو اور ایسی بصیرت دے کہ تم اُس کو پہچانو ۔ و ما علینا الا البلاغ ۔

قومی تعلیم، قومی ہمدردی اور باہمی اتفاق

(۲۳ جنوری ۱۸۸۴ء)

قوم کا لفظ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنوں پر کسی قدر غور کرنی لازم ہے ۔ زمانہ دراز سے جس کی ابتداء تاریخی زمانہ سے بھی بالاتر ہے ۔ قوموں کا شمار کسی بزرگ کی نسل میں ہونے یا کسی ملک کے باشندہ ہونے سے ہوتا تھا ۔ محمد رسول اللہ صلعم نے (بابی انت و امی یا رسول اللہ) اس تفرقہ قومی کو جو صرف دنیاوی اعتبار سے تھا مٹا دیا اور ایک روحانی رشتہ قومی قائم کیا جو ایک حبل المتین لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے مضبوط ہے ۔ تمام قومی سلسلے ، تمام قومی رشتے سب کے سب اس روحانی رشتہ کے سامنے نیست و نابود ہو گئے اور نیا روحانی بلکہ خدائی قومی رشتہ قائم ہو گیا ۔ اسلام کسی سے نہیں پوچھتا کہ وہ ترک ہے یا تاجیک ، وہ افریقہ کا رہنے والا ہے یا عرب کا ، وہ چین کا باشندہ ہے یا ماچین کا ، وہ پنجاب میں پیدا ہوا ہے یا ہندوستان میں ، وہ کالے رنگ کا ہے یا گورے رنگ کا بلکہ جس نے اس عروۃالوثقی کلمہ توحید کو مستحکم پکڑا وہ ایک قوم ہو گیا بلکہ ایک روحانی باپ کا بیٹا کیوں کہ خدا نے فرمایا ہے ۔ ''انما المومنون اخوۃ فاصلحو بین اخویکم واتقواللہ لعلکم ترحمون'' کون شخص ہے جو دو بھائیوں کو ایک باپ کا بیٹا نہیں جانتا ۔ پھر جب کہ خود خدا نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا

بھائی فرمایا ہے تو ہم سب کا ایک روحانی باپ کی اولاد ہونے میں کیا شک رہا ہے ۔

مگر مجھے اس بات کے دیکھنے سے افسوس ہے کہ ہم سب آپس میں بھائی تو ہیں مگر مثل برادران یوسف علیه السلام کے ہیں ۔ آپس میں دوستی و محبت یک دلی و یکجہتی بہت ہی کم ہے ۔ حسد و بغض و عداوت کا ہر جگه بد اثر پایا جاتا ہے ۔ جس کا نتیجه آپس کی نااتفاقی ہے ۔ شیطان جس نے خدا سے وعدہ کیا که لا تعدت لہم صراطک المستقیم ایک مقدس اور به ظاہر نہایت نورانی حیله سے آپس میں بھائیوں کے جن کو خدا نے بھائی بنایا ہے ۔ نفاق ڈالنے میں کامیاب ہوتا ہے اور جس طرح که ہمارے باپ آدم اس کے دھوکه کو خالص دوستی سمجھ کر دھوکه میں آ گئے اسی طرح ہم بھی اس کے دھوکه میں آتے ہیں اور اس نفاق کو جو ہر حالت میں مردود ہے ۔ ایک مقدس لباس پہناتے ہیں یعنی مذہبی مقدس لباس کا خلعت اسے عنایت کرتے ہیں ۔

کون شخص ہے جو اس بات کو نہیں جانتا که " من قال لا اله الا الله فهو مسلم من استقبل قبلتنا فهو مسلم ومن هو مسلم فهواع" ۔ امام اعظم رحمة الله علیه کا مذہب مشہور ہے لا تکفر اهل القبلة ۔ با ایں همه فروع مسائل میں اختلاف ہونے کے سبب کس طرح ہماری قوم نے اس حبل المتین کی بندش کو توڑا ہے اور اس رشته اخوت کو جسے خدا نے قائم کیا تھا چھوڑا ہے ۔ جس قصبه و شہر میں جاؤ ، جس مسجد و امام باڑہ میں گذرو باہم مسلمانوں کے شیعه و سنی ، وہابی و بدعتی لا مذہب و مقلد ہونے کی بنا پر آپس میں نفاق و عداوت پاؤ گے ۔ ان نا اتفاقیوں نے ہماری قوم کو نہایت

ضعیف اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے ۔ جمعیت کی برکت ہماری قوم سے جاتی رہی ہے ۔ قومی ہم دردی اور قومی ترقی اور قومی امور کے انجام میں اس نالائقی نا اتفاق نے بہت کچھ بد اثر پہونچایا ہے ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے وہ تعداد میں کم ہیں ، دولت میں کم ہیں ، تجارت میں کم ہیں ۔ اور اس باہمی نفاق و عداوت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اصغر التصغیر کا صیغہ یعنی کم از کم ہو گئے ہیں ۔ پس ہماری قوم کی ترقی کا سب سے اول مرحلہ یہ ہے کہ ہم آپس کی محبت سے اس عداوت و نفاق کو یکتائی اور یک جہتی سے مبدل کریں ۔

یک تائی اور یک جہتی سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے عقاید کو چھوڑ کر ایک عقیدہ پر ہو جائیں ۔ یہ امر تو قانون قدرت کے بر خلاف ہے جو ہو نہیں سکتا ۔ نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا ۔ مگر اتفاق کے قائم رکھنے کی جس کی ہم کو ضرورت ہے ایک اور عقلی و نقلی راہ ہے جس کی پیروی قومی اتحاد کا ذریعہ ہو سکتی ہے ۔ انسان جب اپنی ہستی پر نظر کرے گا تو اپنے میں دو حصے پاوے گا ۔ ایک حصہ خدا کا اور ایک حصہ اپنے ابنائے جنس کا ۔ انسان کا دل اور اس کا اعتقاد یا مختصر طور سے یوں کہو کہ اس کا مذہب خدا کا حصہ ہے جس میں دوسرا کوئی شریک نہیں ۔ اس کے عقائد کی جو کچھ بھلائی یا برائی ہو اس کا معاملہ اس کے خدا کے ساتھ ہے نہ بھائی اس میں شریک ہے ، نہ بیٹا نہ دوست نہ آشنا نہ قوم ۔ پس ہم کو اس بات سے جس کا اثر ہر ایک کی ذات تک محدود ہے ۔ اور ہم سے کچھ تعلق نہیں ہے کچھ تعلق رکھنا نہیں چاہیے ہم کو کسی شخص سے اس خیال پر کہ وہ شیعہ ہے ، یا سنی وہابی ہے یا بدعتی ۔ لا مذہب ہے یا مقلد یا نیچری یا

اُس سے بھی کسی بد تر لقب کے ساتھ ملقب ہے ، جب کہ وہ خدا و خدا کے رسول کو بر حق جانتا ہے کسی قسم کی عداوت و مخالفت نہیں رکھنی چاہیے بلکہ اس کو بھائی اور کلمہ کا شریک سمجھنا اور اُس اخوت کو جس کو خدا نے قائم کیا ہے قائم رکھنا چاہیے ۔ نہایت افسوس اور نادانی کی بات ہے کہ ہم کسی سے ایسے امر میں عداوت رکھیں جس کا اثر خود اُسی حد تک محدود ہے اور ہم کو اس سے کچھ ضرر و نقصان نہیں ۔ جو حصہ کہ انسان میں اس کے ابنائے جنس کا ہے اس سے ہم کو غرض رکھنی چاہیے اور وہ حصہ آپس کی محبت ، باھمی دوستی ، ایک دوسرے کی اعانت ایک دوسرے کی ہم دردی ہے جس کے مجموع کا نام قومی ہم دردی ہے ۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے خدا کے حکم کی بھی اطاعت اور آپس میں برادرانہ برتاؤ ۔ قومی اتفاق ، قومی ہم دردی قائم ہو سکتی ہے جو قومی ترقی کے لیے پہلی منزل ہے ۔

مگر ہم کو یہ بات بھی بھولنی نہیں چاہیے کہ ان روحانی بھائیوں کے سوا اور بھی ہمارے وطنی بھائی ہیں ۔ گو وہ ہمارے ساتھ اس کلمہ میں جس نے ہم مختلف فرقوں کو ایک قوم اور آپس میں روحانی بھائی بنایا ہے ، شریک نہیں ہیں ۔ مگر بہت سے تمدنی امور ہیں جن میں ہم اور وہ مثل بھائیوں کے شریک ہیں ۔ اسی زمین پر ہندوستان کی ہو یا پنجاب کی ۔ دکن کی ہو یا ہمالیہ کی ہم دونوں رہتے ہیں ۔ اُسی ملک کی ہوا سے اُسی ملک کے پانی سے اُسی ملک کی پیداوار سے دونوں کی زندگی ہے ۔ ہزاروں امور تمدن ایسے ہیں کہ بغیر ہمارے اُن کو اور بغیر اُن کے ہم کو چارہ نہیں ۔ ہمسایہ کا ادب ہمارے مذہب کا ایک جزو ہے ۔ اور یہی ہمسائگی وسعت پاتے پاتے ہم ملکی و ہم وطنی کی وسعت تک پہونچ گئی ہے ۔

آن ہم وطن بھائیوں میں بھی دو حصے ہیں ۔ ایک خدا کا اور ایک ابنائے جنس کا خدا کا حصہ خدا کے لیے چھوڑو اور جو حصہ آن میں ابنائے جنس کا ہے اس سے غرض رکھو ۔ تمام امور انسانیت میں جو تمدن و معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ایک دوسرے کے مددگار ہو ۔ آپس میں سچی محبت ، سچی دوستی ، دوستانہ بردباری رکھو ۔ کہ دونوں قوموں کو ترقی کرنے کا یہی رستہ ہے ۔

اتفاق کی خوبیاں لوگوں نے بہت کچھ بیان کی ہیں اور وہ ایسی ظاہر ہیں کہ کوئی شخص اتفاق سے بھی آن کو نہیں بھول سکتا ۔ بہت بڑے بڑے واقعات جو دنیا میں گزرے ہیں اور جن کو پرانی تاریخیں یاد دلاتی ہیں اور جن کی یاد سے ایک عجیب اثر ہمارے دلوں میں ہوتا ہے وہ سب باہمی اتفاق کا نتیجہ ہے ۔ ایک نا چیز ریشہ گیاہ جو تنہا نہایت کمزور ہوتا ہے ، باہمی اتفاق سے ایسا قوی زبردست ہو جاتا ہے کہ بڑی قوت کا مقابلہ کرتا ہے ۔ اس وقت تعلیم یافتہ دنیا میں جو کچھ ترقی ہے ، یا نا مہذب ملکوں میں جو کچھ طاقت ہے ۔ وہ سب اتفاق کی بدولت ہے ۔ بعض قابل ادب بزرگوں کا قول ہے کہ جس طرح اصلی دوستی دنیا میں نا پید ہے اسی طرح آپس کا اتفاق بھی ناممکن ہے ۔ آن کی دلیل یہ ہے کہ تمام انسانوں کی طبائع اور آن کے اغراض مختلف ہیں اور جب کہ اغراض مختلف ہیں تو ضرور ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہوں ۔ کوئی قوم مہذب یا نا مہذب ایسی نہیں پائی جاوے گی ۔ جس میں باہم حسد ، نفاق ، عداوت اور باہمی حقارت نہ پائی جاتی ہو ۔ ہاں یہ بات سچ ہے مگر جس اتفاق پر ہم بحث کرتے ہیں وہ شخصی اتفاق نہیں ہے ۔ بلکہ قومی اتفاق ہے ۔ آپس میں ہمارے بمقتضائے بشریت کیسا ہی نفاق ہو جو خدا کے نزدیک ایک سخت گناہ ہے مگر وہ قومی اتحاد اور قومی اتفاق کا

مانع نہیں ہے ۔ اس دعویٰ کو میں ایک تاریخی واقعہ سے ثابت کروں گا ۔ جس زمانہ میں میں کہ حضرت علی مرتضیٰ اور معاویہ ابن ابی سفیان میں محاربات ہو رہے تھے ۔ اور روم کبیر کا شاہنشاہ ہمارے اس باہمی جنگ و جدال کو نہایت غور سے تک رہا تھا ۔ روم کے شہنشاہ نے اس وقت کو غنیمت سمجھا اور مسلمانوں کے مفتوحہ ملکوں پر فوج کشی کا ارادہ کیا ۔ حضرت معاویہ نے باوجود اس شکر رنجی کے جو حضرت علیؓ سے تھی قیصر روم کو خط لکھا کہ " اگر تو نے مسلمانوں کے ملک کے کسی حصہ پر فوج کشی کی تو یقین جاننا کہ علی مرتضیٰ کی طرف سے جو پہلا شخص فوج لے کر تیرے مقابلہ کو آوے گا ۔ وہ میں ہوں ۔ یہ خط اب تک تاریخ کی کتابوں میں بجنسہ موجود ہے ۔ دیکھو باہمی نزاع نے قومی اتفاق میں کچھ خلل نہیں ڈالا تھا ۔ اسی زمانہ کی تازہ نظر پر خیال کرو کہ جن لوگوں نے البرٹ بل کی مخالفت کی وہ سب نہ آپس میں دوست تھے ۔ اور نہ سب کے اغراض متحد تھے ۔ بلکہ صرف قومی اتفاق تھا جس پر سب متفق تھے ۔ قومی بھلائی یا قومی برائی کا اثر تمام قوم کے لوگوں پر پہنچتا ہے اور اسی لیے جلب منفعت یا دفع مضرت میں سب لوگ متفق ہوتے ہیں ۔ اور شخصی تنازعات کو اس وقت کچھ اثر باقی نہیں رہتا ۔ اس زمانہ میں جو سب سے بڑا سبب ہماری قوم کے تنزل کا ہے ۔ وہ یہی ہے کہ اس میں قومی اتفاق کا خیال نسیاً منسیا ہو گیا ہے ۔ کسی کو بجز اپنی ذاتی منفعت کے قومی بھلائی اور قومی منفعت کا کبھی خیال بھی نہیں آتا ۔ اگر کوئی کچھ کرتا بھی ہے تو اس کو پہلے اپنی غرض مد نظر ہوتی ہے اور قومی بھلائی کے پردہ سے اس کی پردہ پوشی کرنی چاہتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہوتی ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہماری قوم میں نیکی کا خیال نہیں ہے ۔ نہیں اُن میں بہت کچھ نیکی ہے اور بہت سے نیک کام اُن سے ہوتے ہیں کیسی کیسی عالیشان مسجدیں ۔ کیسے کیسے عالیشان امام باڑے ۔ کیسی کیسی نفیس خانقاہیں اُن کی نیکی کی یادگاریں موجود ہیں ۔ اب بھی ہر شہر و قصبہ میں دیکھو گے کہ لوگ کس قدر خیر و خیرات کرتے ہیں بھوکوں کو کھلاتے ہیں حج و زیارت میں روپیہ خرچ کرتے ہیں ۔ مسجدیں بنواتے ہیں ۔ کوئی ایسا کام جس میں اُن کی دانست میں مذہبی نیکی ہو دل و جان سے اُس میں مصروف ہوتے ہیں ۔ مگر اے دوستو! میں تمام لوگوں سے جو اس مجمع میں موجود ہیں نہایت ادب و عاجزی سے سوال کرتا ہوں کہ ہر ایک شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سچے دل سے سوچے کہ وہ یہ سب نیکی کے کام کس لیے کرتا ہے ۔ سب لوگ قبول کریں گے کہ اس نیت سے یہ کام کیے جاتے ہیں قیامت میں اُن کو اس کا بدلہ ملے گا ۔ اور روز حشر میں اُن کو ثواب حاصل ہوگا ۔ اگر یہ میرا خیال صحیح ہے تو اے بھائیو! در حقیقت یہ سب کام خود غرضی اور ذاتی منفعت کے ہیں ۔ نہ ابنائے جنس کی بھلائی اور قومی ہم دردی کے جب تک ہمارے دل میں یہ جوش نہ پیدا ہو کہ جو کام کریں وہ قوم کے لیے کریں نہ اپنے ثواب آخرت کے لیے ۔ اُس وقت قومی ہم دردی کا جوش پیدا نہیں ہو سکتا اگر ابھی ایک مسجد بنانے یا قرآن مجید کی تلاوت کے لیے ایک مکتب قائم کیا جاوے تو ہر شخص کی خواہش ہوگی کہ بہ قدر اپنی استطاعت کے اُس میں اعانت کرے ۔ ایک غریب آدمی جس سے کچھ نہیں ہو سکتا ہو وہ بھی کسی نہ کسی دن اُس مکتب کے کسی طالب علم کو دو روٹی اور دال کے پیالہ دینے پر ہمت کرے گا ایسا کرنے سے اس کے دل کا اصلی خیال یہ ہے ۔ کہ

اُس کو ثواب ہوگا جو عین خود غرضی اور ذاتی منفعت کا نشان ہے
بر خلاف اس کے اگر کوئی ایسا کام کیا جاوے تو قوم کے لیے
نہایت ضروری ہو اور کیسی ہی کچھ قوم کو اُس کے نہ ہونے سے
کتنا ہی کچھ قوم کا نقصان ہوتا ہو اور کیسی ہی کچھ وہ ذلیل
ہوتی جاتی ہو مگر لوگوں کے خیال میں اس سے ثواب آخرت کی
کچھ توقع نہ ہو تو بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اُن کی طرف
متوجہ ہوں - برادران من اس تقریر سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ
میں اُن ثواب کے کاموں کو برا جانتا ہوں یا اُن کی کچھ حقارت
کرتا ہوں بلکہ میرا مقصد اس تقریر سے اور ان مثالوں سے یہ ہے
کہ میں اصل قومی ہم دردی کو آپ صاحبوں کے ذہن نشین
کرنے میں کوشش کروں اور قومی ہم دردی کے کاموں میں دوسرے
کاموں سے جو امتیاز ہے اُس کو تمثیلوں سے بتلاؤں -

کوئی قوم اور کوئی ملک اس سے خالی نہیں ہے جو اپنے ذاتی
ثواب حاصل کرنے کی نیت سے متعدد قسم کے کاموں میں نہایت
سرگرمی سے کوشش نہ کرتا ہو اور بے انتہا روپیہ اُس میں نہ صرف
کرتا ہو بلکہ اس زمانہ میں جو ملک مہذب و تربیت یافتہ کہلاتے
ہیں وہ ان کاموں میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں مگر اُسی کے ساتھ
وہ لوگ خالص قومی ہم دردی اور خالص قومی بھلائی کے کاموں
میں بھی پیچھے نہیں رہے ہیں - اگر وہ دائیں ہاتھ سے آخرت کے
کاموں میں کوشش کرتے ہیں تو بائیں ہاتھ سے خالص قومی بھلائی
کے کاموں میں بھی بلا خیال ثواب آخرت کوشش کرتے ہیں -
ہماری قوم میں یہی بات نہیں ہے اگر وہ بھی اپنا داہاں ہاتھ خدا کے
کاموں میں اور باہاں ہاتھ خالص قومی ہم دردی کے کاموں میں
لگاوے تو جو ادبار ہماری قوم پر ہے بہت جلد دور ہو جاوے اور
خدا ہماری قوم کے دونوں ہاتھوں میں قوت دے - آمین

اگرچہ میں نے اپنی پریشان تقریر سے آپ کا وقت ضائع کیا مگر مجھ کو اجازت دیجیے کہ قومی ترقی کی نسبت جو میرے خیالات ہیں اُن کو بھی کسی قدر بیان کروں ۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ہماری قوم میں اب تک اپنے باپ دادا کا فخر باقی ہے ۔ اگلے بزرگوں کی عظمت کو یاد رکھنا قوم کی آئندہ ترقی کی یک گونہ بشارت ہے ۔ ایک مدت دراز سے ہماری قوم کی ترقی مثل ایسی بند جھیل کے ہو گئی تھی جس کا نہ پانی بہتا ہو نہ اُس میں کچھ حرکت ہو اور نہ اُس میں کسی اور طرف سے پانی آتا ہو ۔ تند ہوا کے جھونکوں اور آفتاب کی گرمی سے اُس کا پانی روز بروز خشک ہوتا جاتا ہو ۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ چند سال سے اُس بند پانی میں کچھ حرکت آئی ہے ۔ تمام ملک میں کیا بنگالہ ، کیا ہندوستان ، کیا پنجاب اور کیا دکن سب کی زبان پر سب کے قلم پر یہ بات جاری ہے کہ مسلمانوں کی حالت خراب ہے ۔ وہ روز بروز تنزل کرتے جاتے ہیں اُن کو کچھ کرنا چاہیے ۔ وہ لوگ صرف کہنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کچھ کچھ کرتے بھی جاتے ہیں ۔ جا بجا انجمنیں قائم ہوتی ہیں ۔ اخباروں میں آرٹیکل کے آرٹیکل لکھے جاتے ہیں ۔ مدرسے اور اسکول بناتے ہیں یہ نہایت عمدہ نشانیاں ہیں ۔ جس قوم کو یہ خیال ہوا کہ ہم تنزل کی حالت میں ہیں اور اس کے ساتھ اُس میں کچھ تحریک بھی پیدا ہوئی تو پہلی سیڑھی ترقی کی ہے ۔ ایسی حالت میں یہ امر بھی لازمی ہے کہ ترقی کرنے والوں کے خیالات مختلف ہوتے ہیں کوئی کچھ کرنے لگتا ہے کوئی کچھ ۔ اپنی قوتوں کو بعوض اس کے ایک جگہ جمع کریں پریشان کر دیتے ہیں ۔ جو کام اصلی ہے اُس کو چھوڑتے ہیں ۔ اور جو اُس کی فرع ہے اُس کو اختیار کرتے ہیں جس کے سبب سے کسی چیز میں بھی کام یابی نہیں ہوتی ۔ اس زمانہ میں یہی حال ہماری

کا ہے ۔ مگر پانی کا خاصہ ہے کہ جب وہ بہتا ہے تو چاروں طرف پھیلتا ہے پھر رفتہ رفتہ جو ٹھیک رستہ ہے اس کو اختیار کر لیتا ہے اس لیے ہم کو اپنی قوم سے امید ہے کہ رفتہ رفتہ وہ بھی ٹھیک رستہ قومی ترقی کا پا لے گی اور تمام مختلف خیالات ایک اصلی مرکز کی طرف جمع ہو جاویں گے ۔

تعلیم کا اور خصوصاً قومی تعلیم کا معاملہ جیسا نازک ہے ویسا ہی مشکل بھی ہے ۔ ہماری قوم نے نہ کبھی اس پر غور کی ہے اور نہ ان ملکوں کو جہاں قومی تعلیم کو ترقی ہے دیکھا ہے اور اگر دیکھا ہے تو اس کی ترقی کے اسباب پر بہت کم غور کی ہے ۔ میرے بال اسی فکر میں سفید ہوگئے ہیں ۔ قومی تعلیم پر غور کرتے کرتے پچیس برس سے زیادہ کا زمانہ گذر گیا ہے ۔ وہ زمانہ اب نہیں رہا کہ ہم لوگوں کو مسجدوں اور خانقاہوں میں بٹھا کر اور ان کو خیرات کی روٹی دے کر چھوٹے موٹے اسکول و مکتب قائم کرکے قومی تعلیم کو ترقی دے لیں گے ۔ یہ کام اس وقت مفید معلوم ہوتے ہیں جب کہ قوم نے اعلیٰ سے اعلیٰ سامان قومی تعلیم کا مہیا کر لیا ہو مگر ہم نے اس اعلیٰ تعلیم کا جو درحقیقت قومی ترقی اور قومی افتخار کا باعث ہے کچھ سامان نہیں کیا تو اس پانی کی پھوار سے کھیتی سرسبز نہیں ہوتی ۔ ہماری وہی مثل ہے کہ مرجھائے ہوئے درخت کی جڑھ میں پانی دینے کے عوض اس کے پتوں پر پانی چھڑکتے ہیں اور سوکھے ہوئے چشموں میں سے نہریں کھود کر پانی لانے کی توقع کرتے ہیں ۔ مجھ کو امید ہے کہ ہماری قوم اس باریک مگر نہایت روشن نکتہ پر کبھی کبھی غور کرے گی اور اس وقت میری ان باتوں کی جو اس وقت قابل مضحکہ یا شیخ چلی کے خیالات معلوم ہوتے ہیں قدر کرے گی ۔ مگر مجھ کو یہ ڈر ہے کہ وقت جاتا نہ رہے اور ایسے وقت پر ہم کرنا چاہیں جب کچھ کرنے کے

قابل نہ رھیں ۔ اے خدا ایسا وقت ہماری قوم پر نہ آنے دے اور اس سے پہلے کہ ہم کچھ کرنے کے قابل نہ رھیں ہم کو سنبھال لے ۔ آمین

انھی تمام خیالات کا باعث ہے جو میں نے علی گڈھ میں ایک قومی مدرسہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور میرے دوستوں نے جو درحقیقت بانی مدرسہ کے لقب پانے کے وھی مستحق ھیں اس میں مدد دی ہے ۔ آپ کو معلوم ہے کہ علی گڈھ میرا وطن نہیں ہے نہ میری وھاں کوئی جاگیر ہے نہ زمینداری ۔ صرف قومی تعلیم کے لیے مناسب مقام خیال کرکے اس جگہ مدرسہ کی بنیاد ڈالی ہے ۔ قومی بھلائی کے خیال پر اپنا وطن چھوڑ کر وھاں کی سکونت اختیار کی ہے ۔ میں سمجھتا ھوں کہ وہ مدرسۃ العلوم ایسے طور پر قائم ھوا ہے جو ایسی تعلیم و تربیت کے لیے جو اس زمانہ میں قومی ترقی کے لیے درکار ہے مناسب و مفید ہے ۔ جب تک کہ کوئی خود جا کر اس کو نہ دیکھے طالب علموں کی طرز معاشرت اُن کی پابندی صوم و صلواۃ کو ملاحظہ نہ کرے ۔ اس کے بورڈنگ ھاؤسوں کو اور اُن میں طالب علموں کے رھنے کی کیفیت کو اُن کی دینیات کی تعلیم کو اُن کی دنیوی تعلیم کو بچشم خود نہ دیکھے اُس کی حالت بخوبی بیان نہیں ھو سکتی ۔ میں نہایت خوش ھوں کہ اس مجمع میں بعض بزرگ لوگ ایسے موجود ھیں جنھوں نے بچشم خود ان سب باتوں کا معائنہ کیا ہے ۔ وہ مدرسہ ہماری قوم کے بچوں کے لیے اُن کی تعلیم کا گھر ہے کہ تمام ھندوستان میں اُس کے سوا دوسرا گھر نہیں ہے ۔ اُس نے بہت کچھ ترقی کی ہے جو اُمید سے بہت زیادہ ہے ۔ بی ۔ اے ۔ کلاس تک اُس میں پڑھائی ھوتی ہے اور طالب علم کلکتہ یونیورسٹی کے امتحانوں میں کام یاب ھوتے ھیں ۔ اس قدر کثرت سے مسلمان طالب علم اُس میں ھیں کہ میں

بظن غالب بلکہ بطور یقین کے کہہ سکتا ہوں کہ اُس قدر مسلمان کسی کالج و اسکول میں نہیں ہیں ۔ حال میں وہ کالج انٹرنس و ایف ۔ اے ۔ امتحانوں کے لیے سنٹر ہو گیا ہے ۔ پس قومی گھر یا قومی تعلیم گاہ ایسے درجۂ تک پہنچ گئی ہے کہ اگر قوم دلی کوشش اور بے نظیر فیاضی سے مدد کرکے اُس کو تکمیل تک نہ پہونچاوے تو نہایت افسوس کا مقام ہوگا ۔ میں نہایت صداقت سے تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر یہ تدبیر قومی بھلائی کی قومی مدد سے پوری نہ ہوئی تو آئندہ کوئی تدبیر قومی ترقی کی کبھی کام یاب نہ ہوگی ۔ اور مجھ کو اور قوم کے تمام خیر خواہوں اور ترقی میں کوشش کرنے والوں کو یقین ہو جاوے گا کہ ہماری قوم کی جان کندنی ایسی حالت پر پہنچ گئی ہے جس سے جان بری ممکن نہیں ہے ۔ او خدا ! تو ایسا مت ہونے دے ۔ آمین ۔

ہماری گورنمنٹ نے اپنی مہربانی سے اپنی رعایا کی تعلیم میں بہت کچھ کیا ہے ۔ تمام رعایائے ملکہ معظمہ قیصر ہند کو شکر گزار ہونا واجب ہے ، مگر میں تم سے سچی بات کہتا ہوں کہ قومی تعلیم اور قومی عزت ہم کو اُس وقت تک حاصل نہیں ہونے کی جب تک کہ ہم اپنی تعلیم کا کام خود اپنے ہاتھ میں نہ لیں گے ۔ گورنمنٹ کی قدرت سے خارج ہے کہ وہ ہمارے تمام مقاصد کی تکمیل کر سکے ۔ قومی کاموں میں صرف گورنمنٹ پر بوجھ ڈالنا اور اُسی کے ہاتھ کو تکتے رہنا بزدلی اور بے عزتی کا کام ہے ۔ ہمارا فرض ہونا چاہیے کہ ہم اپنے قومی کام کو خود اپنی مستعدی سے انجام دیں اور گورنمنٹ سے صرف اُس کی امداد کے متوقع رہیں ۔ اگر یہ ہوگا تو قوم اور گورنمنٹ دونوں اپنا فرض ادا کریں گی ۔

ہماری قوم کا جو حال ہے وہ غیر قوموں کی نظروں میں نہایت

حقارت سے دیکھا جاتا ہے ۔ میں ایک واقعہ بیان کروں گا ۔ اگر مسلمانوں میں کچھ غیرت ہے تو اس کو بجز مر جانے کے اور کوئی علاج نہیں ۔ کیمرج یونی ورسٹی لندن کے ایک کالج میں بہت سا روپیہ توخیر میں جمع ہو گیا تھا ۔ اور اس کے خرچ کرنے کو جگہ نہ تھی ۔ وہاں کے منتظموں نے تجویز کی کہ اس کالج میں جو گرجا ہے بہت عمدہ نہیں ہے اس کو توڑ کر عمدہ گرجا بنایا جاوے اور دس لاکھ روپیہ اس میں خرچ کرنا تجویز ہوا ۔ اتفاقاً ایک مسلمان بھی وہاں موجود تھا اس نے کہا کہ اگر یہ روپیہ ہم کو مل جاتا تو ہماری قوم کے لیے ایک عمدہ کالج جس کی ضرورت ہے بن جاتا اور گرجا کی تعمیر سے بھی زیادہ مفید و ضروری کام میں کام آتا ۔ یہ سن کر ایک شخص نے جو اس کالج سے تعلق رکھتا تھا جواب دیا کہ اگر تمھاری قوم ایسی ہے کہ وہ اپنی تعلیم کا انتظام بھی نہیں کر سکتی تو اس کا جیتے رہنے سے مر جانا بہتر ہے ۔ وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کی کچھ بھی مدد کی جاوے ۔ ہماری قوم کا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ وہ قومی کام کی طرف کچھ بھی توجہ نہیں کرتی ۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لودھیانہ سے شہر میں جو ایک بڑا شہر ہے اور جہاں بہت سے مسلمان آباد ہیں ۔ مشنری اسکول بہت کثرت سے ہیں اور مسلمانوں کو یہ شرم نہیں آتی کہ مشنری تعلیم گاہوں میں وہ اپنے لڑکوں کو بھیجتے ہیں ان کو کچھ جوش پیدا نہیں ہوتا ان کو کچھ غیرت نہیں آتی کہ وہ اپنے لڑکوں کا خود بندوبست کریں وہ کتے کی طرح اپنے لڑکوں کو خیراتی روٹی پر جلاتے ہیں اور ایسے خیراتی اسکول میں اپنی اولاد کو تعلیم کے واسطے بھیجتے ہیں اور خود کوئی بندوبست اپنے بچوں کی تعلیم کا نہیں کرتے مگر اے بھائیو ! اس بات کو سمجھو کہ خود تعلیم دینے

کا خیال کر کے ایک چھوٹا مدرسہ قائم کرنا ۔ اور ایک ہندوستانی سو ڈیڑھ سو روپیہ ماہواری کا ہیڈ ماسٹر مقرر کر کے ایک قومی تعلیم کا بندوبست کرنا بالکل ناممکن ہے ۔ تعلیم اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک تعلیم کا پورا سامان اور عمدہ تعلیم گاہ موجود نہ ہو ۔ اے بھائیو ! اپنے بچوں کی عمدہ تعلیم کا خیال کرو اور اُن کی زندگی کو خراب مت کرو اس مجمع میں امیر اور غریب سب لوگ جمع ہیں خیال کرو کہ ان سب کے لڑکے کس قسم کی صحبت میں رہتے ہیں ۔ اور کن لوگوں کے ساتھ اپنی ابتدائی عمر کا زمانہ بسر کرتے ہیں ۔ اور اسی سبب سے وہ کیسے خراب ہوتے ہیں ۔ بہت سے لڑکے اپنے مربیوں کے طریقے دیکھ دیکھ کر جو جو باتیں سیکھتے ہیں اور اُن کی تعلیم و تربیت پر جو کچھ خراب اثر ڈالتے ہیں اُس کو آپ لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں ۔ قومی تعلیم ایک بند مکان میں ہونی چاہیے ۔ جہاں پر کہیں سے بیرونی صحبت کا اثر نہ پہنچتا ہو ۔ قوم کے لڑکے ایک محفوظ بورڈنگ ہاؤس میں مل کر رہیں ۔ آپس میں بورڈر ہونے ہم کالج ہونے کی وجہ سے آپس میں محبت رکھیں ۔ آپ لوگ ہمارے محمڈن کالج کو دیکھیں کہ آپس میں طالب علم کیسا دوستانہ اور برادرانہ برتاؤ رکھتے ہیں ۔ ایک دوسرے کی بیماری میں کیسی مدد کرتے ہیں ۔ ایک دوسرے کے رنج و راحت میں کیسے شریک ہوتے ہیں ۔ اسی ساتھ کی وجہ سے ان کے اخلاق باہمی درست ہوتے ہیں ۔ آپ اس بات کو خوب یاد رکھیے کہ قومی تعلیم کبھی علیحدہ علیحدہ نہیں ہو سکتی ۔ اپنے اپنے طور پر تعلیم حاصل کرنا بچوں کو سوائے غارت کرنے کے اور کچھ نتیجہ نہیں دیتا ۔ اے میری قوم کے لوگو ! اپنے عزیز اور پیارے بچوں کو غارت نہ کرو ۔ اُن کی پرورش کرو ۔ اُن کی آئندہ زندگی اچھی

طرح بسر ہونے کا سامان کرو ۔ مجھ کو تم کچھ ہی کہو ۔ میری
بات سنو یا نہ سنو مگر یاد رکھو کہ اگر تم ایک قومی تعلیم کے
طور پر اُن کو تعلیم نہ دو گے تو وہ آوارہ اور خراب ہوں گے ۔
تم ان کی ابتر حالت کو دیکھو گے اور بے چین ہوگے ۔ روؤ گے
اور کچھ نہ کر سکو گے ۔ تم اگر مر جاؤ گے تو اپنی اولاد کی
خراب زندگی دیکھ کر تمھاری روحیں قبروں میں تڑپیں گی ۔ اور
تم سے کچھ نہ ہو سکے گا ۔ ابھی وقت ھے اور تم سب کچھ
کر سکتے ھو ۔ مگر یاد رکھو کہ میں یہ پیشین گوئی کرتا ھوں
کہ اگر اور چند روز تم اسی طرح غافل رہے تو ایک زمانہ ایسا
آوے گا کہ تم چاھو گے کہ اپنے بچوں کو تعلیم دو ۔ اُن کی
تربیت کرو مگر تم سے کچھ نہ ھو سکے گا ۔ مجھ کو کچھ کہو ۔
کافر ، ملحد ، نیچری ۔ میں تم سے خدا کے سامنے کچھ سفارش
نہیں چاھتا ۔ میں تم سے اپنی شفاعت کے واسطے خواست گار نہ
ھوں گا ۔ میں جو کہتا ھوں ۔ تمھارے بچوں کی بہتری کے لیے
کہتا ھوں تم اُنھیں پر رحم کرو ۔ اور ایسا کچھ کرو کہ آئندہ
کو پچھتانا نہ پڑے ۔ " وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ۔"

اسلام کی گزشتہ ، موجودہ اور آئندہ حالت

(۲۴ جنوری ۱۸۸۴ء)

اکثر بزرگوں کو اسلام کی گزشتہ اور موجودہ حالت اور ترقی آئندہ کی سبیل کی تفتیش رہتی ہے ۔ اسلام کا لفظ اور اس کی گزشتہ اور موجودہ اور ترقی آئندہ کی سبیل کی تفتیش سن کر تعجب ہوتا ہے ۔ اسلام ایک لازوال نور ہے جو ہمیشہ سے روشن ہے اور ہمیشہ رہے گا ۔ اسلام خود خدا کا نور ہے جو مثل اُس کی ذات کے ازلی و ابدی ہے ۔ یہی نور اسلام آدمؑ کے سینے میں تھا ۔ اسی نور اسلام نے نوحؑ ، شعیبؑ اور یعقوبؑ و ابراہیمؑ ، موسیٰؑ و یحییٰؑ و عیسیٰؑ تمام انبیاء علیہ السلام کے دلوں کو منور کیا تھا ۔ یہی نور اسلام ہے جو فاران کے پہاڑ پر چمکا اور اسماعیل کے دل میں اترا اور اُس کنکریلی ریتلی زمین کو منور کیا جس کو ہم عرب یا حجاز کہتے ہیں وہیں اُس نے اپنا گھر بنایا اور ابراہیم نے کہا جب کہ وہ اور اسماعیل اُس گھر کی دیواروں کو اُٹھا رہے تھے ” ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔“ خدا نے اُس کو قبول کیا پس وہ مقبول ہے اور ہمیشہ مقبول رہے گا ۔ اُسی نور نے آخرکار سینۂ مبارک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے ظہور کیا وہ نور نہ کسی خاص قوم کے مخصوص تھا نہ کسی خاص ملک کے لیے وہ تمام دنیا کے لیے روشنی تھا اور روشنی ہے اور روشنی رہے گا ۔ ہر ایک مسلمان کے سینے میں وھی نور ہے ۔

اُس میں نہ کبھی تغیر ہوا ہے نہ ہوگا - اختلاف فرق سے جو مذہب اسلام میں دکھائی دیتے ہیں اُس نور میں کچھ نقصان نہیں آتا - تھوڑی دیر کے لیے اسلام کے تمام مختلف فرقوں کا تصور کرو اور تمام مختلف باتوں یا مسئلوں کو ھذف کرتے جاؤ ھذف کرتے کرتے بہت کچھ رہ جائے گا - جس پر سب فرقے متحد ہوں گے - پس وہی نور اسلام ہے جو باوصف اختلافات کے سب میں بلاشبہ نقصان کے منور ہے -

مختلف فرقوں کے باہمی مباحثے اور ایک کو دوسرے کی تکفیر اس پاک نور میں کچھ نقصان نہیں ڈالتی بلکہ اُس کو اور زیادہ منور کرتی ہے - ایک مسلمان فلاسفر یا یوں کہو کہ ایک بد بخت نیچری یہ سمجھتا ہے کہ اسلام کو اگر دلائل عقلی اور مسائل علمی سے تطبیق دے کر استحکام نہ دیا جاوے تو ان کے دلوں میں جو علمی تحقیقاتوں پر وثوق رکھتے ہیں زیادہ موثر ہوگا ایک مقدس عابد و زاہد خدا پرست سیدھا سادھا مولوی اُس کی تکفیر کرتا ہے - اور کہتا ہے کہ خدائی باتوں تک انسان کی ناقص عقل نہیں پہنچتی - مذہبی باتوں کو بغیر عقل کی مداخلت کے ماننا چاہیے - کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو پہلے شخص کی باتوں سے تسکین ہوتی ہے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو دوسرے مقدس بزرگوں کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں - مگر باوجود اس اختلاف کے نور اسلام کو برابر ترقی ہوتی رہتی ہے - لوگ سمجھتے ہیں کہ اُن دونوں کے دو مختلف رستے ہیں - مگر در حقیقت یہ ایک غلطی ہے وہ دونوں اُسی ایک نور کے حامی ہیں اور اُن دونوں کی کوشش ایک ہی مقصد اور ایک ہی منزل کو پہنچتی ہیں - ابو ذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سامنے پکڑا آنا اور حضرت ابو ذر کا کہنا لا واللہ صاحب -

المال کافر اور حضرت عمرؓ کا فرمانا لو لا رجعت من هذا الاجلید نکب ثمر قول ابی ذر افعل ما شئت انی سمعت عن جبیبی محمد رسول اللہ صاحب المال کافر و انا علیه ما دمت حیانا خرجه عمر رضی اللہ عنه عن بلد حبیب صلعم فهذه کلها فی الظاهر متنا قضة لکن من کلیها بقضی نور الاسلام اعلی من ضیاء الشمس فی نصف النهار ۔ (پس اے بھائیو! تم اسلام کی گزشتہ اور موجودہ حالت کیا پوچھتے ہو اور اس کی آئندہ ترقی کی سبیل کیا سوچتے ہو۔وہ خدا کا نور ہے۔وہ جیسا ہے ویسا ہی تھا اور ویسا ہی رہے گا۔وہ پورا ہے اور پورا ہوگا) ۔ و اللہ متمم نوره ولو کره الکافرون ۔

ہاں اگر تمھاری مراد اسلام سے اہل اسلام ہے تو بلاشبہ اُن کی گزشتہ اور موجودہ اور آئندہ حالت نہایت دل خراش ہے ۔ اسلام مٹی کی یا چینی کی کوئی مورت نہیں ہے جو سب کو دکھائی دے اسلام کی حالت مسلمانوں کی حالت سے دکھائی دیتی ہے ۔ اگر ان کی حالت اچھی ہے تو اسلام کی حالت بھی اچھی ہے اگر ان کی حالت بری ہے تو اسلام کی حالت بھی بری ہے ۔ انسان کی اچھی اور بری حالت کا ہونا دو امر سے متعلق ہے : ایک اخلاق ، دوسرے تمدنی یعنی دنیاوی ۔

اخلاق حالت کے بھی دو حصے ہیں : ایک وہ ہے جس پر نجات عقبیٰ منحصر ہے ، دوسرا وہ ہے جو دنیا میں لوگوں پر نیک اثر ڈالنے والا اور نیکی کا نمونہ بن کر لوگوں کو نیکی کی راہ بتلانے والا ہے اور عقبیٰ میں اعلیٰ درجات پر پہنچانے والا ۔

میں یقین کرتا ہوں کہ پہلا حصہ تمام مسلمانوں کو جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر یقین کرتے ہیں حاصل ہے

اس باب میں تمام اہل اسلام جو سابق میں گزرے اور جو اب موجود ہیں اور جو آئندہ ہوں گے سب برابر ہیں۔ دوسرے حصہ میں البتہ تفاوت درجات ہیں۔ اگلے زمانے میں نہایت بزرگ اور مقدس یا خدا ولی اللہ گزرے ہیں جن کے انفاس کی برکت سے لوگوں نے بہت کچھ ہدایت پائی ہے اُن کی برکت سے ہزاروں انسانوں نے دلوں میں نور خدا کی روشنی پیدا ہوئی ہے انھوں نے اپنے تئیں مجسم نیکی بنا کر اسلام کو اور اس کی خوبیوں کو مجسم کر دکھلایا ہے وہ ہمارے سرتاج تھے ان سے ہمیشہ ہم کو اور ہماری قوم کو افتخار کا باعث ہوگا۔ افسوس ہے کہ بہ ظاہر ایسے بزرگوں سے ہمارا زمانہ خالی ہے یا شاید ہماری آنکھیں اس قابل نہیں ہیں کہ ہم ایسے بزرگوں کو دیکھیں۔ اسباب میں میں آئندہ کے لیے پیشینُ گوئی نہیں کر سکتا کہ ہماری قوم میں ایسے مقدس و بزرگ لوگ پیدا ہوں گے یا نہیں مگر میں خدا کی رحمت سے ناامید بھی نہیں ہوں۔ اے دوستو! جب کہ ہم کو یقین کامل ہے کہ ہم نجات پاویں گے پھر ہم کو اور کیا چاہیے۔ فرض کرو کہ ہم کو اعلیٰ درجات عقبیٰ کے نہ ملیں گے لیکن ایک ذرا سا ہی کونہ بہشت کا مل جاوے گا تو وہ کیا کچھ کم ہوگا۔ مجھ سے تو اقرار نامہ لکھوا لو کہ مجھے تو بہشت میں پھونس کی ایک چھونپڑیا کافی ہوگی۔

عقبیٰ سے تو ہم کو بالکل طمانیت اور دلی تسلی ہے۔ جو کچھ فکر و تردد ہے وہ تمدنی حالت کا ہے۔ اگر ہماری دنیاوی حالت ذلیل ہوگی تو اس کے ساتھ اسلام کی بھی ذلت ہے۔ ہم کو اپنی دنیاوی حالت کے درست کرنے میں کوشش کرنی چاہیے نہ دنیا کے لیے بلکہ دین کے لیے نہ اپنے لیے بلکہ خدا کے لیے۔

ہمارے بزرگوں نے اس دنیا میں کیا علم میں اور کیا عمل

میں کیا دولت میں اور کیا حکومت میں ۔ کیا شان میں اور کیا شوکت میں ۔ کیا رزم میں اور کیا بزم میں کیسا کچھ اعلیٰ درجہ حاصل کیا تھا جس کے سبب تمام قوموں میں معزز تھے ۔ اور اسلام کی شان آن سے دکھائی دیتی تھی اب ایک ہم ہیں کہ اپنے اسلاف کو بٹہ لگاتے ہیں۔ نہ ہمارے پاس دولت ہے نہ حکومت نہ علم ہے نہ فضیلت نہ زر ہے نہ زور ہے ۔ سب سے ذلیل اور تمام قوموں سے برتر ہیں ۔ ہر ایک ہم کو ٹھکراتا چلتا ہے ۔ ہمارا سر ہر ایک کے پاؤں کے تلے اور ہر ایک کا پاؤں ہمارے سر پر ہے ۔ اے دوستو! تم یقین جان لو کہ جو شخص خدا کی خوشودی چاھتا ہے ۔ جو شخص ثواب آخرت کا طالب ہے ۔ جو شخص بہشت میں اپنے لیے ایک موتی کا محل بنانا چاھتا ہے ۔ جو شخص قوم کے ساتھ ہم دردی کرنا چاھتا ہے آس کا فرض ہے کہ اپنی قوم کو اس ذلیل حالت سے نکالنے میں کوشش کرے ۔ تم مسجدیں بناتے ہو بغیر اس کوشش کے آس میں نماز پڑھنے والے بھی قائم رہیں ۔ تم خانقاھیں بناتے ہو اور ان میں عبادت کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کی سلامتی کی فکر نہیں کرتے تم خدا کا گھر اینٹ مٹی سے بنانے پر رغبت رکھتے ہو اور زندہ خانہ خدا کی زندگی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے ۔ ہوشیار ہو خبردار ہو جان لو کوئی عبادت ، کوئی خیرات ، کوئی خیر جاری قومی ہم دردی سے بہتر نہیں ہے ۔

قوم کی موجودہ حالت تو تمہارے سامنے ہے ۔ آس کی آئندہ حالت تمہارے ھاتھ ہے ۔ اگر تم فیاضی کرو گے قوم کے ساتھ ہم دردی کرو گے ۔ آس کی آئندہ حالت درست ہو جاوے گی ۔ اگر بے پرواھی کرو گے نفسا نفسی میں پڑو گے قوم کی حالت روز بروز ذلیل و خوار و ابتر ہوتی جاوے گی ۔ مگر اے دوستو !

میری بات کو سن لو میں سچ کہتا ہوں ۔ سچی بات کڑوی لگی ہے ۔ میں نہایت دل سوزی سے تم کو سخت لفظوں میں سمجھاتا ہوں کہ اگر تم قوم کی بھلائی میں کوشش نہ کرو گے تو تمھاری آئندہ نسلیں اپنے اسلاف کو کوسیں گی ۔ اور خود تمھاری روحیں اپنی اولاد کو ذلت کی حالت میں دیکھ کر قبروں میں تڑپیں گی پھر وہ عذاب اُن کو دوزخ کے عذاب سے بھی زیادہ سخت معلوم ہوگا ۔ برائے خدا سمجھو اپنی جان پر اپنی اولاد کی جان پر اپنی ارواح پر رحم کرو اور قوم کی بھلائی پر متوجہ ہو ۔

قوم کی بھلائی اور ترقی اُسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ زمانہ کے مناسب اُن کی ترقی سے اسباب جمع کیے جاویں ۔ اس زمانے میں قومی ترقی صرف زمانہ کی حاجتوں کے موافق تعلیم پر منحصر ہے ۔ ہم کو دینیات کی تعلیم اپنے عقائد اپنا مذہب درست رکھنے کے لیے کافی ہے ۔ وہ کہتی ہے تم میری بات نہ سنو اُس کی سنو ۔ جس کی بات سننی سب پر فرض ہے ۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و سلم نے اُس اعرابی سے کیا فرمایا جس نے کہا یا نبی اللہ ولنی علی عمل اذا عملة، و خلت الجنة قال تعبد اللہ ولا تشرک شیئاً تفہیم الصلواۃ المکتوبة و نودی الزکواۃ المفروضة و تصوم رمضان قال والذی نفسی بیدہ لا ازید علیٰ ھذا شیئاً ولا انقصؒ فلما ولیی قال الذی صلعم من سرہ ان ینظر الیٰ رجل من اھل الجنة فلینظر الیٰ ھذا ۔ دینیات کی تعلیم تو تمام ہوئی اب آگے اس پر جتنی چاہو بحثیں بڑھاؤ ۔ اور جس قدر چاہو حاشیے لگاؤ ۔ دنیاوی ترقی کے لیے جو تعلیم درکار ہے وہ بلاشبہ پیچ در پیچ ہے ۔ مگر میں کہے دیتا ہوں کہ جو تم چاہو سو کرو مگر جب تک تم اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا سامان مہیا نہ کر لو گے اور اپنی اولاد کی تعلیم کے لیے

ایک عالی شان گھر نہ بناؤ گے جس میں بھیج کر تم اپنے بچوں کی
تعلیم اُن کی صحت کی حفاظت اور ان کے اخلاق اور عادات کی
درستی اُن کے چال چلن کی نگہبانی سے بے فکر ھو جاؤ اُس
وقت تک یہ مطلب حاصل نہ ھوگا ۔ بھائیو ! میں نے اُن ھی
خیالات سے توکلاً علی اللہ علی گڈھ میں ایک ایسا ھی عالی شان
گھر تمھارے بچوں کے لیے بنانے کی بنیاد ڈالی ھے ۔ بہت کچھ
اس میں ھو چکا ھے اور بہت کچھ ھونا باقی ھے ۔ قومی گھر قوم
کی امداد بغیر نہیں ھو سکتا ۔ میں اپنی قوم کے اُن بزرگوں کا
جنھوں نے اُس میں مدد کی اور اپنی غیر قوم کے وطنی بھائیوں
کا جنھوں نے فیاضی کی اور درساندہ قوم کو خیرات دی اور
حق انسانی ادا کیا دل سے شکر گزار ھوں لیکن اگر وہ اپنی پوری
مراد تک نہ پہنچے تو کیا کرایا سب اکارت ھے ۔ اے بھائیو !
اگر تم کو خدا نے پلاؤ کی رکابی دی ھے تو ایک جھوٹی ھڈی اپنی
قوم کے آگے بھی ڈالو اگر خدا نے تم کو سوکھی روٹی دی ھے
تو ایک ٹکڑا اس کا اپنی قوم کے بھوکے بچوں کو بھی دو ۔
سب لوگ مل کر مدد کرو اور اس قومی گھر کو پورا کرو
اور ڈرو اس دن سے جب خدا تم سے کہے گا کہ میں بھوکا تھا
تم نے مجھ کو کھانا نہ دیا ۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھ کو پانی
نہ دیا ۔ میں حاجت مند تھا تم نے میری حاجت روائی نہیں کی ۔
خدا ان سب باتوں سے پاک ھے مگر وہ اس پیرایہ میں تم کو
سکھاتا ھے کہ قوم کی خبر لو ، قوم کی مدد کرو ، قوم کی حاجت
روائی کرو ۔ تم ان باتوں کو بہ خوبی سمجھتے ھو ۔ اور اگر نہیں
سمجھتے تو اب سمجھ لو آگے تم کو اختیار ھے ۔ چاھو کرو ۔ چاھو
نہ کرو و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم و صلی اللہ تعالٰی علٰی خیر
خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ۔''

تعلیم اور اتفاق

(۲۷ جنوری ۱۸۸۴ء)

ہمارے ملک ہندوستان میں جو کہ غالباً صدیوں سے ان دو قوموں سے جو ہندو اور مسلمان کے لفظ میں تقسیم کی گئی ہیں آباد ہیں ۔ اُن کے بزرگوں کی عظمت اور فضیلت اور نام وری ایسی نہ تھی جو بھولی جاوے ۔ ہندوؤں کے بزرگ جس قدر کہ انھوں نے تمام علوم ریاضیات ، ہندسہ ، حساب ، لاجک ، فلاسفی ، مارل سینس میں ترقی کی آج تک اُن کی یادگار نشانیاں ہیں جس سے ان کی اولاد کو فخر ہے ۔ مسلمان بعد کو اس ملک میں آ کر آباد ہوئے وہ بھی اپنے بزرگوں کی عمدہ تحریرات ، عمدہ تالیفات اور تصنیفات پر فخر کرتے ہیں ۔ انھوں نے علم کی ہر شاخ میں ترقی دی گو یہ علم یونانیوں سے حاصل ہوئے مگر انھوں نے اس کو ایسے درجہ ترقی پر پہنچایا کہ یونان اور انگلستان دونوں کو اُن کی شاگردی سے فخر حاصل ہوا ۔ یہ باتیں یقیناً بہت سے لڑکے اور جوان یاد کر کے فخر کرتے ہوں گے مگر اے دوستو ! بزرگوں کی بات یاد کر کے فخر کرنا اور خود کچھ نہ ہونا حمیت کے خلاف ہے بلکہ اپنی جہالت اور کم علمی سے اُن بزرگوں کے نام کو بھی بٹہ لگانا ہے ۔ نہایت افسوس ہے کہ ان دونوں قوموں پر جن کے بزرگ ایسے گزرے اور یہ جہالت میں پڑ کر بزرگوں کو بھی بدنام کریں اس زمانہ قوموں پر جن پر جن کے بزرگ ایسے گزرے اور یہ جہالت میں پڑ کر بزرگوں کو بھی

بدنام کریں اس زمانہ میں علم کا بہت چرچا ہو رہا ہے لیکن
ہم کو تعلیم کے مقابلے میں اول غور کرنا چاہیے کہ کیا چیز ہے
جس کو ہم سیکھیں اور کیا چیز ہے جس کا سیکھنا ہم کو
مفید نہ ہوگا ۔ میں اُس بزرگ زبان کو جو سنسکرت ہے
جس کو ہمارے ملک کے باشندوں کا ایک حصہ عزیز رکھتا ہے
اور واقعی وہ اپنا ثانی بھی نہیں رکھتی ہے یا اُس مقدس زبان کو جو
عربی کہلاتی ہے جس کو میں دل سے مقدس سمجھتا ہوں اور جو
اس قابل بھی ہے کہ تمام علوم اور سینس اُس میں لائے جا سکتے
ہیں دل سے پسند کرتا ہوں ۔ مگر باوجود ان سب خوبیوں کے
جو اس زبانوں میں ہے سوال یہ ہے کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے
اگر ہم بغیر غور اور خیال ضرورت کے تعصب یا نیچرل خواهش سے
اپنی دونوں زبانوں کو تعلیم کا ذریعہ قرار دیں تو یقین کرنا چاہیے
کہ جس چیز کے حاصل کرنے کی ہم کو ضرورت ہے اُس کو
چھوڑ بیٹھیں گے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان مقدس اور
پرانی زبانوں کو بالکل چھوڑ بیٹھیں ۔ سمجھنے کی بات یہ ہے
کہ بالفعل ہم کو ضرورت کس چیز کی ہے اور کون زبان ہم کو
علوم کے اعلیٰ مطالب کی طرف لے جا سکتی ہے اس کے جواب
میں یہ کہوں گا کہ انگلش لینگوج ۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے
هاں کی کتابیں علوم اور فنون سے بھری ہوئی تھیں مگر اب
دیکھنا چاہیے کہ علوم اور فنون نے کہاں تک ترقی کی ۔ میں
سمجھتا ہوں کہ جن علوم کے بیج ہمارے بزرگوں نے بوئے تھے
وہ اب برومند اور تناور درخت ہو گئے ہیں ۔ اور ان میں ایسے
پھل پھول لگے ہیں اور ایسی خوش نما شاخیں نکلی ہیں اور
ایسے لذید میوے لگے ہیں کہ وہ ایک نئے درخت معلوم ہوتے
ہیں ۔ علوم جدیدہ جو بالکل نئے ہوں اور جن کا وجود مطلقاً

ہمارے بزرگوں کے زمانہ میں نہ پایا جاتا ہو اور واقعی تھوڑے ہیں اور زیادہ وہی ہیں جو اگلے بزرگوں کے پاس تھے مگر اب حقیقت میں اس وقت وہ بیج تھے اور اب وہ پھل دار درخت ہو گئے ہیں - پس اب ہمارا ان بیجوں پر ہی فخر کرنا اور اُن بار آور درختوں کے سایہ سے فائدہ نہ اٹھانا اور اُن لذید میوؤں کے ذائقہ سے محروم رہنا ہم کو نہ کچھ فائدہ دینے والا ہے نہ کچھ عزت بخشنے والا - اگر ہم ہی علوم میں ترقی کرتے جاویں تو اُن بیجوں کا جو ہمارے باپ دادا نے بوئے تھے ہم کو فائدہ حاصل ہوگا - نہیں تو ہم اُن پرانے کہنہ گلے ہوئے بیجوں کو جن میں بہ سبب کہنگی کے نمو کی بھی طاقت نہیں رہی ہے ہاتھ میں لیے بیٹھے رہیں گے - ہم کو اب ہری ہری شاخیں اور میوے دار ٹہنیاں لینی چاہئیں جو میوؤں کے گچھے اس میں لٹک رہے ہیں اُن سے تمتع حاصل کرنا چاہیے پس اب یہ بات قابل دیکھنے کے ہے کہ وہ علوم کن کن زبانوں میں ہیں اور اُن میں سے ہم کو کس زبان کو اختیار کرنا چاہیے - تمام یورپ میں فرینچ زبان سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ شیریں اور سب سے زیادہ پولیٹ ہے - علوم جدید بھی فرینچ زبان میں بہت زیادہ ہیں - اور قریب زمانہ آنے والا ہے کہ جرمن زبان بھی اُس سے زیادہ علوم کے لیے مخزن ہو جاوے گی مگر وہ دونوں زبانیں ہمارے اختیار سے باہر ہیں - یہ علوم انگلش لینگوج میں بھی ہیں اور ہم جو کچھ ترقی کر سکتے ہیں اپنی زبان کے ذریعہ سے کر سکتے ہیں - ہم انگلش گورنمنٹ کے زیر سایہ بستے ہیں جس میں ہم کو ہر طرح کا امن و امان حاصل ہے - ہم کو اپنی گورنمنٹ کا بہت شکر گزار ہونا چاہیے کہ اُس نے ہم کو امن و امان کے سوا تعلیم میں بھی ایسی مدد دی ہے کہ کوئی سلطنت کوئی بادشاہت

ایسی ہم کو نظر نہیں آتی جس نے اپنی رعایا کی تعلیم میں ایسی مدد کی ہو اور عمدہ سامان تعلیم کا مہیا کر دیا ہو ۔ ہندو اور مسلمان دونوں مجھ کو معاف کریں گے ۔ اگر میں یہ کہوں کہ بنارس کے گھاٹوں کی سیڑھیوں پر دریوزہ گری کر کے یا مسجد یا خانقاھوں میں بھیک کے ٹکڑے کھا کر پڑھنے اور ان عمدہ تعلیم گاھوں میں تعلیم پانے میں کس قدر فرق ہے ۔ گورداس پور کوئی بڑا مقام نہیں ہے ۔ مگر دیکھیے کہ گورنمنٹ کی طرف سے تعلیم گاہ موجود ہے پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم شکر گزاری کے ساتھ تعلیم کا فائدہ نہ اٹھائیں مگر اے دوستو! میری رائے اور میرا خیال یہ ہے کہ کوئی گورنمنٹ ہر ایک قوم کی تعلیم کا ذمہ اپنے اوپر نہیں لے سکتی ہے بلکہ میں مضبوطی سے اس رائے پر ہوں کہ ممکن نہیں کہ گورنمنٹ اپنی تمام رعایا کی تعلیم کر سکے ۔ اس سے بھی سخت میری رائے یہ ہے کہ کوئی قوم جس کو اپنے بچوں اور قوم کی تعلیم کی خواھش ھو جب تک وہ تعلیم کو اپنے ھاتھ میں نہ لیوے اس کی خواھش کا پورا ھونا غیر ممکن ہے جو کچھ مجھے افسوس ہے یہی ہے کہ ہماری قوم کو ہر جگہ یہی خواھش ہے کہ گورنمنٹ اسکول قائم ھو مگر یہ خواھش کسی طرح پوری نہیں ھو سکے گی کیوں کہ گورنمنٹ کی آمدنی بہ لحاظ اس کے اور مصارف کے کسی قوم کی تعلیم کے واسطے کافی نہیں ھو سکتی ۔ ھندوستانیوں کو ترقی اس وقت ھوگی جب وہ اپنے باھمی چندہ ، اپنے انتظام ، اپنی قوت سے بلا مداخلت گورنمنٹ اور اس کے افسروں کے اپنی خود سری اور اپنی مرضی کے موافق اپنے بچوں کی تعلیم کریں ۔ اے دوستو! تم اس بات کو خیال کرو کہ گورنمنٹ جو ایسی وسیع مملکت ھندوستان میں حکومت کرتی ہے جس میں مختلف قومیں مختلف اغراض کے لوگ

بستے ھیں ۔ وہ کسی ایک قوم کی طرف داری یا بہتری کی کوشش نہیں کر سکتی اُس کو لازم ھے کہ اُس کے قواعد تعلیم ایسے ھوں جو یکساں سب سے متعلق ھو سکتے ھوں ۔ اور جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ قوم کی ضرورتیں مختلف ھیں پس گورنمنٹ اپنی دور اندیشی کے قاعدے سے کسی خاص فرقے کی خاص ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتی اور ھرگز نہیں کر سکتی ۔ ایک بات اور خیال کرنے کی ھے کہ انگریزی گورنمنٹ کی کچھ ھی تعریف کی جاتی ھو کچھ ھی عمدگی اُس میں ھو مگر سب سے زیادہ عمدگی جو اُس میں ھے وہ یہی ھے کہ وہ تعلیم مذھبی سے بالکل علیحدہ ھے ۔ اگر گورنمنٹ کسی مذھبی تعلیم میں دخل دے گو کہ وہ نیک نیتی اور نیک دلی ھی سے کیوں نہ ھو ھم کو شبہ میں ڈالے گا ۔ اور بہت بڑا خیال ھمارے دل میں پیدا ھوگا ۔ اس سبب سے بچوں کی تعلیم مذھبی گورنمنٹ کی مصلحت اُس کی پالیسی اور اس کے انتظام حکومت کے بالکل خلاف ھے ۔ پس اگر گورنمنٹ کے اسکول ھماری دینوی تعلیم کے واسطے کافی ھوں تب بھی ایک ضروری جزو مذھبی تعلیم کا رھا جاتا ھے ۔ پس ھمارے وطن اور ھم قوم لوگوں کو گورنمنٹ پر بوجھ تعلیم کا نہ ڈالنا چاھیے اور تعلیم کو اپنے ھاتھ میں لینا چاھیے۔ گورنمنٹ کا یہ فرض ھے کہ وہ ھم کو مدد دے اس سے زیادہ گورنمنٹ سے مانگنا بے غیرتی ھے جہاں تک مجھے معلوم ھے گورنمنٹ ھر اسکول میں مدد دینے کو تیار ھے ۔ ھم کیوں کہیں کہ فلاں قسم کی تعلیم ھم کو چاھیے اور فلاں قسم کے مدرسے یا کالج ھماری تعلیم کے لیے ضرور ھیں ۔ کیوں نہیں تعلیم کو ھم لوگ اپنے ھاتھ میں لیں اور جس طرح کی تعلیم کی ضرورت سمجھیں اس طرح کی تعلیم دیں ۔ کیمرج یونی ورسٹی میں ابھی ایک لیڈی نے ایک نیا کالج قائم کیا ھے ۔ اس فیاض لیڈی نے

اس کالج کے لیے اپنے پاس سے اٹھارہ لاکھ روپے دیے ھیں جو یہاں کے حساب سے بیس لاکھ روپے ھوتے ھیں - میرے خیال میں ھمارے ملک کے ھر ضلع اور ھر قصبہ کے لوگ مدرسے قائم کر سکتے ھیں - یہاں کی مردم شماری کچھ ھی ھو مگر دو دو روپیہ اوسط فی کس دینے سے یہاں کے لوگ لاھور کالج سے زیادہ عمدہ ایک کالج گورداس پور میں تیار کر سکتے ھیں لیکن ھمت اور ارادہ کی کمی ھے - تعلیم کے متعلق میں اس وقت یہ بحث کرنا نہیں چاھتا کہ کون کون علوم اور فنون عمدہ ھیں - اور کون کون تعلیم میں شامل ھونے چاھیے - یہ بہت بڑا وسیع میدان ھے اور بہت لوگوں نے اس پر رائے دی ھے اس وقت میں اس تعلیم کا ذکر کروں گا - جس کو میں ادنٰی درجے کی تعلیم کہتا ھوں - اور جس کی عموماً ملک کے لوگوں کو ضرورت ھے - وہ یہ ھے کہ انگریزی زبان عمدہ طور پر جاننا ، عمدہ گفت گو کرنا ، انگریزی اخباروں کا بہ خوبی پڑھنا ، قانون انگریزی کو خوب سمجھنا ، اپنے خیالات کو انگریزی تحریر میں اچھی طرح ظاھر کر سکنا ، اسی تعلیم کی اشد ضرورت ھے - مگر اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاھیے کہ تعلیم سے تربیت جدا نہیں ھو سکتی ھے - اگر ھمارے ملک کے لڑکے اس قدر تعلیم پا جائیں اور ایسی تحریر کر سکیں جس سے وہ لارڈ میکالی کا خطاب پا سکیں اور تربیت ان میں نہ ھو تو وہ کسی کام کے نہیں - لارڈ میکالی میرے خیال میں وہ شخص ھے جس نے ھندوستان میں بھلائی کے درخت کا یا یوں کہوں کہ علم کے درخت کا بیج بویا - کوئی گورنر جنرل اور کوئی ویسرائے ھندوستان میں ایسا نہیں گزرا جس نے لارڈ میکالی سے زیادہ ھندوستان کو بھلائی پہنچائی ھو مگر یقیناً اس نے جو کچھ کیا اپنی گورنمنٹ کی خیر خواھی اور

بھلائی کے لیے کیا مگر اسی کے ساتھ اصلی خیر خواہی اور بھلائی کی اصلی جان اُسی نے ہمارے ملک میں بھی ڈال دی ۔ اے دوستو! تربیت و تعلیم دو چیزیں ہیں ۔ صرف تعلیم سے آدمی نہیں بنتا بلکہ تربیت سے بنتا ہے ۔ بولنے میں تو یوں آتا ہے کہ تعلیم اور تربیت ۔ مگر تربیت میری سمجھ میں تعلیم پر مقدم ہے ۔ ہماری قوم کے لوگوں کو اس پر خیال کرنا چاہیے کہ اگر لوگوں کی تعلیم کا گورنمنٹ کے اسکولوں پر بھروسہ کرتے ہیں تو کیا وہ سمجھتے ہیں کہ وہ تربیت بھی پا سکتے ہیں ۔ ہرگز نہیں تعلیم کا اصلی مقصد مارل کی درستی ہے ۔ بہت تعلیم یافتہ ہیں جن کا طرز اخلاق ایسا خراب ہے جس کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کاش وہ بے تعلیم ہی رہتے تو اچھا ہوتا ۔ میں تمام ہندوستان میں جہاں تک خیال کر سکتا ہوں اور جن بڑے بڑے شہروں میں پھرا ہوں اور وہاں کے حالات سے واقف ہوا نہایت زور سے کہہ سکتا ہوں کہ کسی کو اولاد کی تربیت کا خیال نہیں ہے ۔ اے عزیزو! اگر لڑکے کسی گورنمنٹ اسکول میں پانچ گھنٹے تعلیم پا کر آتے ہیں تو ان کا باقی حصہ زندگی کا جو بالکل سادہ اور مثل ایک پودہ کی نرم شاخ کے ہوتا ہے کہ جس طرح پر چاہو ٹیڑھی یا سیدھی کر سکو کس طرح بسر ہوتا ہے ۔ گھر کے نوکروں کی صحبت گلیوں میں بازاری لونڈوں کے ساتھ کھیلنا اُن کی صحبت میں بد اخلاق کی باتیں سیکھنا اور فحش اور بد اخلاق کے الفاظ جو لونڈے بولتے ہیں اور بکتے ہیں اُن کو سننا ۔ اسی قسم کے غارت کن رزائل میں ان کی زندگی کا پاک حصہ بسر ہوتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ فرشتہ سیرت ہوتے شیطان سے بدتر اُن کے اخلاق ہو جاتے ہیں ۔ جب کہ لڑکوں کا چہارم حصہ ماسٹر کے پاس اور اس سے زیادہ حصہ خراب حالت میں گزر جاتا ہے

تو کیا اس سے اُن کی تربیت اخلاق کی توقع ہو سکتی ہے ۔ ہرگز نہیں ۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہماری قوم اور ہمارے بچے تربیت یافتہ اور مہذب ہوں ۔ دوسری نیشن میں عزت پاویں تو ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ تربیت کی فکر کریں ۔ میں نہیں کہتا کہ وہ سب کچھ میرے ہی خیال کے موافق کریں ۔ تم مجھ کو جانے دو ۔ میرے خیال کی پیروی نہ کرو ۔ تم خود سوچ کر کوئی تدبیر نکالو ۔ دیکھو یہ یورپین بچہ (ایک کم عمر لڑکا جو اس وقت موجود تھا اُس کی طرف اشارہ کیا) جو اس وقت موجود ہے کیا تم کوئی ایسا بچہ اپنی قوم میں نکال سکتے ہو ۔ گو یہ بچہ اب تک سوسائٹی میں نہیں ملا ۔ مگر یہ اپنے ماں باپ کی تربیت سے کیسا نیک عادتوں کا نمونہ ہوا ۔ اگلے زمانے میں ہماری اولاد بھی اپنے باپ اور اُس کے دوستوں کی صحبت سے فائدہ اٹھاتی تھی ۔ اُن کے اخلاق حسنہ سیکھتی تھی واقعی وہ بہت اچھا طریقہ تھا ۔ مگر وہ تیلیاں جو ڈور سے بندھی تھیں ٹوٹ گئیں ۔ اب یہ دوسرا ڈورا ان کے باندھنے کو ہونا چاہیے ۔ اب جو نسلیں موجود ہیں وہ اس لائق نہیں کہ بچے اُن سے تربیت پا سکیں پس مناسب ہے کہ اولاد کی تربیت کی فکر اور تدبیر کی جاوے ۔ گورنمنٹ پر بوجھ نہ ڈالیے اُس سے صرف مدد لیجیے جو اس کا فرض ہے اور جس کے ادا کرنے پر وہ موجود ہے ۔ اس وقت ہندوستان میں خدا کے فضل سے دو قومیں آباد ہیں اور اس طرح سے ہیں کہ ایک کا گھر دوسرے سے ملا ہے ایک کی دیوار کا سایہ دوسرے کے گھر میں پڑتا ہے ۔ ایک آب و ہوا کے شریک ہیں ۔ ایک دریا یا کنوئیں کا پانی پیتے ہیں ۔ مرنے جینے میں ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک ہوتا ہے ایک کو

دوسرے سے بغیر ملے چارہ نہیں - پس کسی چیز کو جو معاشرت
سے علاقہ رکھتی ہے ان دونوں کا علیحدہ علیحدہ رکھنا دونوں
کو برباد کر دیتی ہے - ہم کو ایک دل ہو کر مجموعی حالت
میں کوشش کرنی چاہیے اگر ایسا ہوگا تو سنبھل جائیں گے نہیں تو
ایک دوسرے کے اثر سے دونوں قومیں تباہ اور بگڑ جاویں گی پرانی
تاریخوں میں پرانی کتابوں میں دیکھا اور سنا ہوگا اور اب بھی
دیکھتے ہیں کہ قوم کا اطلاق ایک ملک کے رہنے والوں پر
ہوتا ہے - افغانستان کے مختلف لوگ ایک قوم کہے جاتے ہیں -
ایران کے لوگ مختلف ایرانی کہلاتے ہیں - یورپین مختلف خیالات اور
مختلف مذاہب کے ہیں - مگر سب ایک قوم میں شمار ہوتے ہیں گو
اُن میں دوسرے ملک کے بھی لوگ آ کر بس جاتے ہیں مگر وہ
آپس میں مل جل کر ایک ہی قوم کہلائے جاتے ہیں - غرض کہ
قدیم سے قوم کا لفظ ملک کے باشندوں پر بولا جاتا ہے گو ان
میں بعض بعض خصوصیتیں بھی ہوتی ہیں - اے ہندو اور مسلمانو!
کیا تم ہندوستان کے سوا اور ملک کے رہنے والے ہو ؟ کیا اسی
زمین پر تم دونوں نہیں بستے ؟ کیا اسی زمین میں تم دفن نہیں ہوتے
یا اسی زمین کے گھاٹ پر جلائے نہیں جاتے ؟ اسی پر مرتے ہوتے
اور اسی پر جیتے ہو تو یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی
لفظ ہے ورنہ ہندو ، مسلمان اور عیسائی بھی جو اسی ملک میں
رہتے ہیں اس اعتبار سے ایک ہی قوم ہیں - جب یہ سب گروہ
ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدے میں
جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے ایک ہونا چاہیے اتفاق کی خوبیاں
مجھ کو زیادہ بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے - جو شخص
اتفاق نہیں رکھتا وہ بھی سمجھتا ہے کہ وہ بُرا کرتا ہے جو لوگ

کہ باہم برخلاف اور ایک دوسرے کے دشمن ہیں وہ بھی جب
دل میں سوچتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بری بات ہے جو چیز
نہایت عمدہ اور خوب ہے وہ اتفاق ہی اتفاق کر کے جو کچھ
کیا جائے گا وہی عمدہ ہوگا ۔ پس اس امر پر یہ خیال
کر کے باہم اتفاق کرنا چاہیے ۔ اور اس اتفاق کے ذریعے سے قومی
تعلیم اور تربیت حاصل کرنا چاہیے ۔

اتحاد باہمی اور تعلیم

(۲۹ جنوری ۱۸۸۴ء)

یہ ملک ہندوستان ایسا ملک نہیں ہے جس میں لوگ تعلیم اور علم کو نہ جانتے ہوں ۔ یہ نہایت قدیم اور پرانا مقدس ملک ہے جس میں ایک قوم جو اس میں رہتی تھی اُن میں بہت بڑے عالم بہت ذی رتبہ لوگ گزرے تھے جن کی زبان سنسکرت تھی جس کی خوبی اور عمدگی فوائد علوم کے لیے بالتخصیص مشہور ہے سب کو معلوم ہے کہ اس میں نہایت عمدہ اور نفیس کتابیں فلسفہ اور لاجک کی موجود ہیں جو ایسی نہیں ہیں کہ جن پر ملک کو کچھ کم فخر نہ ہو ۔ اس کے بعد ایک زمانہ آیا جب ہم لوگ یہاں آئے ۔ ہمارے باپ دادا علم میں کچھ کم مشہور نہ تھے ۔ شاید ہندوستان میں انھوں نے بہت کچھ نہ کیا ہو مگر ہمارے اسلاف وہ لوگ تھے جنھوں نے علم کو بہت ترقی دی ۔ بغداد ، قرطبہ ، غرناطہ کے دارالعلوم کسی کو نہ بھولے ہوں گے ۔ ہمارے اسلاف ہی تھے جنھوں نے پرانے یونانی علوم کو ایسی ترقی دی کہ اگر مقابلہ کیا جائے تو انھوں نے اُن پرانے علوم کو گویا ذرہ سے آفتاب بنا دیا تھا ۔ یورپ اگرچہ اس زمانے میں علوم اور فنون میں مشہور ہے مگر پرانی تاریخ سے معلوم ہوگا کہ اسپین کے دارالعلوم نے اس کو یہ نعمت بخشی ہے اور یورپ ہی پر کیا ہے دنیا بھر کو انھیں سے یہ فیض پہنچا ہے اگر ہمارے اسلاف یونانی علوم کو زندہ نہ رکھتے تو

آج تمام دنیا میں کوئی بھی فلسفہ اور یونانی لاجک کا ایک حرف نہ جانتا ہوتا ۔ ایسے ملک میں جہاں دونوں قوم کے اسلاف ایسے مشہور ہوں اور جن کے سبب سے دنیا میں اب تک علوم قدیم قائم رہے ہوں ۔ علم کے فوائد یا تعلیم کے متعلق کچھ بیان کرنا فضول ہوگا ۔ مگر دونوں قوموں کے فضائل تسلیم کر کے یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اب ہماری حالت کیا ہے اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس زمانہ میں جس میں ہم ہیں ہماری اولاد کو کیا کرنا چاہیے ۔ اے صاحبو ! کسی انسان کی یہ خوبی نہیں ہے کہ بزرگوں کے نام پر فخر کریں اور خود کچھ نہ ہوں ۔ ہمارے ملک اور ہماری دونوں قوموں کی یہ حالت ہے کہ اسلاف کے نام پر شیخی کرتے ہیں اور خود کچھ نہیں کرتے ۔ اُن لوگوں کو یہ غلط خیال کہ ہمارے اسلاف سب کچھ کر گئے اب ہم کو کچھ کرنا نہیں ہے دل سے نکال ڈالنا چاہیے ۔ زمانہ روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے اگر زمانہ کسی حد تک منتہی ہو جاتا تو یہ خیال صحیح تھا کہ علوم منتہی ہو گئے مگر ہر کوئی جانتا ہے کہ زمانہ رکتا نہیں وہ چلتا جاتا ہے ایسے حال میں یہ خیال کہ بزرگوں کے حاصل کیے ہوئے علوم کافی ہیں بالکل غلط ہے ۔ گو یورپ ہمارے علوم سے روشن ہوا مگر دیکھو انھوں نے کیا کیا علم کو جانچا اور پڑھا ذرہ برابر علم کو ایسی ترقی دی جیسے ایک بیج سے عالی شان درخت پیدا ہو جاتا ہے ۔ جو علوم پہلے ایجاد ہوئے تھے اُس وقت ان کے ایجاد کرنے والوں کو زیادہ تحقیقات کا موقع نہ ملا تھا ۔ جو علوم اس وقت نکالے گئے تھے اور اُن میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں اُن سے وہ لوگ بہ خوبی آگاہ نہیں ہونے پائے تھے یورپ نے یہ احسان اُن پر اور تمام دنیا پر کیا کہ غلطیوں کو نکالا اور صحیح مسائل اور صحیح علوم لوگوں

کو بتائے اور جو علوم نہ تکمیل کو پہنچے تھے نہ کارآمد تھے ان کو کارآمد کیا اور تکمیل پر پہنچایا ۔ ایک احسان اور کیا کہ جدید علوم ایجاد کیے جو روزمرہ کی زندگی کے واسطے کارآمد ھیں ۔ اب یہ حال ھے کہ اگر کسی ملک میں یا کسی حصہ پنجاب میں تاربرق یا ریل نہ ھو تو لوگ سمجھتے ھیں کہ وہ اندھیرے میں بے زبان اور دست و پا شکستہ پڑے ھوئے ھیں دیکھیے یہ تمام چیزیں یورپ کی ایجاد کی ھوئیں علوم کی برکت سے ھم کو ملی ھیں ۔ جب زمانہ ایسی ترقی کر گیا ھے اور علوم نے یہ ترقی پائی ھے تو کیا ھمارا یہ کام ھے کہ ھم ان علوم پر نظر نہ ڈالیں یا جس قدر ھمارے اسلاف نے کیا ھے اسی قدر ھم بھی کریں ۔ اگر ھم اُسی پرانے علم کو رٹتے جائیں اور ھم اتنا ھی کریں جتنا کہ ھمارے باپ دادا نے کیا تھا تو ھم مثل ایک جانور کے ھوں گے جو وھی کام کرتا ھے جو اُس کا دادا پردادا کرتا تھا ۔ ھمارا کام دنیا میں یہ ھے کہ جن لوگوں نے ھم سے علم لیے ھیں اور ان کو ترقی دی ھے اب ھم اُن سے وھی علوم لیں اور ان کے سیکھنے میں کوشش کریں ۔ ھماری آئندہ نسلوں کو اور ھمارے واسطے بھی باعث فخر ھو سکتا ھے ۔ اور ایسا ھی کرنا ھم پر لازم ھے تاکہ ھم جدید علوم سیکھیں جس میں کہ روز بروز ترقیاں اور کارآمد چیزیں موجود ھیں ۔ یہ علوم جب تلاش کیے جاتے ھیں تو مختلف زبانوں میں یورپ کے ھم کو ملتے ھیں مگر یورپ کی بہت سی زبانیں ھماری دسترس سے باھر ھیں ۔ اور اگر ھم کسی طرح سے اُن کو حاصل بھی کریں تو ضرور ھم اُس میں ادھورے رھیں گے ھم کو دیکھنا چاھیے کہ خدا کی کیا مرضی ھے ۔ خدا کا کوئی حکم تحریری نہیں آتا مگر زمانے کے حالات سے پایا جاتا ھے اس زمانے میں ھم کو خدا

کی مرضی معلوم ہوتی ہے کہ انگلش نیشن ہندوستان میں حکومت کرے ۔ اور ہم ان کے زیر سایہ بسیں اور جو کچھ فائدہ ممکن ہو ان سے حاصل کریں خدا کی مرضی سے اُس پر ہم کو دسترس بھی ہے اس زمانے میں جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم انگریزی زبان سیکھیں اور جو علوم اور فنون اس میں ہوں اُن کو حاصل کریں ۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہندو سنسکرت کو یا مسلمان عربی زبان کو چھوڑ دیں ۔ ہندوؤں کو چاہیے کہ اُس کو اعتدال کے ساتھ نہ افراط و تفریط کے ساتھ سیکھیں ۔ مسلمانوں کو بھی یہ لازم ہے کہ عربی زبان کی تحصیل نہ چھوڑیں ہمارے باپ دادا کی مقدس زبان اور ہماری قدیم ملک کی زبان ہے جو فصاحت و بلاغت میں سمنک زبانوں میں لاثانی ہے مگر افراط و تفریط نہ ہو ۔ اس زبان میں ہمارے مذہب کی ہدایتیں ہیں لیکن جب کہ ہماری معاش ، ہماری بہتری ، ہماری زندگی بآرام بسر ہونے کے ذریعہ بلکہ زمانے کے موافق انسان بنانے کے وسائل انگریزی زبان سیکھنے میں ہیں تو ہم کو اُس طرف بہت توجہ کرنی چاہیے ۔ یہ اغراض دنیوی ہم ہندو اور مسلمان سب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور وہ کسی طرح چھوٹ نہیں سکتے جو شخص ہماری انگریزی گورنمنٹ کے انصاف پر نظر ڈالے گا وہ خوش ہوگا اور شکر کرے گا کہ اس گورنمنٹ نے تعلیم کے متعلق بہت کچھ کوشش کی ہے کوئی سلطنت خاص کر ہندوستان کی جس پر ہم کو بہت فخر ہے ایسی نہیں گزری جس نے تعلیم میں اس قدر کوشش کی ہو ۔ مذہبی فیلنگ کو دخل نہ دینا چاہیے ۔ میں کہتا ہوں کہ مشنریوں نے بھی اپنے خیال کے موافق نیک دلی سے تعلیم کا بڑا فائدہ پہنچایا ہے گورنمنٹ کا شکریہ تو ہم سے ادا ہی نہیں ہو سکتا جو کچھ اس نے کیا بے مثل اور

بے نظیر ہے ۔ لیکن ایک سوال ہے جو حل نہیں ہوتا بلکہ ایک نہیں دو سوال ہیں ۔ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا گورنمنٹ ایک ملک کو جس میں چوبیس پچیس کروڑ آدمی بستے ہوں تعلیم دے سکتی ہے ۔ دوسرا یہ کہ کیا گورنمنٹ ایسی پوری تعلیم کر سکتی ہے جس سے ہمارے پورے اغراض حاصل ہو سکیں ۔ ان سوالوں کا جواب بجز نفی کے اور کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا ۔ اب مجھے معاف رکھیے گا اگر کوئی لفظ نا مناسب میری زبان سے نکل جاوے ۔ کیا ہندوؤں اور مسلمانوں کو کچھ بھی غیرت ہے جب کہ اپنی تعلیم کا بوجھ گورنمنٹ پر ڈال کر اسی پر بھروسہ کریں. کوئی بے غیرتی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے واسطے دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائیں ۔ گورنمنٹ کی حکومت مختلف فرقے اور مختلف مذاہب کے لوگوں پر ہے ۔ اور کوئی اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ان لوگوں کے اغراض بھی مختلف ہیں ۔ پس ایسی حالت میں گورنمنٹ ہر خالص فرقے کے واسطے کچھ بندوبست نہیں کر سکتی اس کا اصول تو یہی ہوگا کہ کل کے ساتھ برابر برتاؤ ہو ۔ اس کا نتیجہ ضروری یہ ہے کہ ان مختلف فرقوں کے کچھ اغراض پورے ہوں اور کچھ نہ ہوں ۔ یہ حال ہندوستان میں عام ہے ہندوستان میں جس فرقہ کے اغراض زیادہ پورے ہو سکتے تھے انھوں نے تعلیم کا زیادہ فائدہ اٹھایا جن کا نام میں بتاؤں گا یعنی ہندو۔ مسلمان کو گورنمنٹ کے سررشتہ تعلیم سے کم فائدہ پہنچا کیوں کہ ان کے اغراض ہوتے کم تھے یہ بات ہندوستان کے ہر حصہ کے سر رشتۂ تعلیم پر نظر ڈالنے سے بہ خوبی معلوم ہوتی ہے جہاں سو برس عمل داری کو گزرے وہاں بھی کالج اور اور مدرسوں میں مسلمان کم ہیں ۔ اور مسلمانوں کی تعلیم کم ہوئی ہے ۔ یہ گورنمنٹ کا قصور نہیں ہے یہ ہمارا

قصور ہے اگر ہم تعلیم کو اپنے ہاتھ میں لیتے تو سب کچھ اچھی طرح سے کر سکتے تھے ۔ مجھ کو شبہ ہے کہ ہندوؤں میں کون لوگ ایسے تھے جن کو مذھبی اغراض مد نظر تھے ۔ مگر کوئی مسلمان باپ ایسا نہیں ہے کہ اپنے بچے کو مذھبی تعلیم نہ دینا چاھتا ہو ۔ میں کہتا ہوں کہ جب تک تم جان رکھتے ہو جب تک تمھارے جسم میں جان ہے ، جب تک تمھاری آنکھ کھلی ہے تم مذھب کو ھرگز نہ چھوڑو مگر دونوں پہلوؤں کو دیکھ کر چلنا چاھیے ۔ گورنمنٹ کی تو یہ نہایت عمدہ پالیسی ہے کہ وہ مذھبی تعلیم سے علیحدہ رہے ۔ پس جب تک تم خود اپنی تعلیم اپنے بچوں کی تعلیم اپنے ھاتھ میں نہ لو تم دونوں قسم کی تعلیم ان کو نہیں دے سکتے ۔ گورنمنٹ نہایت خوشی سے ھماری قوم کے لیے جو تعلیم گاہ ھماری کوشش سے قائم ہو اس میں مدد دینے کو موجود ہے تو ایسی صورت میں جب کہ گورنمنٹ مدد دینے کو موجود ہے اور ھماری غرض بغیر متوجہ ہوئے پوری نہیں ہو سکتی تو اگر ہم ایسا بندوبست نہ کریں تو کیسے افسوس کی بات ہے اور بچوں کے لیے کیسے سخت افسوس کا معاملہ ہے ۔ تعلیم کے باب میں چھوٹے چھوٹے اسکولوں سے خواہ وہ گورنمنٹ کے ہوں یا پرائیویٹ ہوں کچھ نہیں ہو سکتا ۔ ادنٰی درجہ کی تعلیم کی نسبت میں صاف کہتا ہوں کہ آپ نے پرانی مثل سنی ہوگی "نیم ملا خطرۂ ایمان ، نیم حکیم خطرۂ جان" یہی حال ادھوری تعلیم کا ہوگا ۔ آدمی بنانے کے واسطے جب تک ھماری قوم میں ھائی ایجوکیشن نہ پھیلے گی ھماری قوم آدمی نہیں بن سکتی ۔ ابھی چند روز کا زمانہ گزرا ہے جب ایجوکیشن کمیشن کا اجلاس کلکتہ میں ہو رہا تھا اور میں بھی وھاں موجود تھا ۔ سب یہی کہتے تھے کہ ھائی ایجوکیشن اٹھنے نہ پاوے ۔ مگر یہ بات بہت کم

کسی سونھہ سے سننے میں آئی تھی کہ اگر گورنمنٹ اپنا ھاتھ ھائی ایجوکیشن سے اٹھا لے گی تو ھم خود اُس کو کر لیں گے ۔ اس کا مجھے بہت افسوس ہے اس میں شک نہیں کہ اس تعلیم کے واسطے زر خطیر چاھیے جس کو گورنمنٹ برداشت نہیں کر سکتی لیکن تم آپس میں مل کر وہ سب کچھ کر سکتے ھو جو گورنمنٹ نہیں کر سکتی ۔ گورنمنٹ جب تعلیم کی طرف توجہ کرتی ہے تو سب سے پہلے ھمارے دوست فنانشل ممبر یہ دیکھتے ھیں کہ روپیہ بجٹ میں ہے یا نہیں ۔ تم لوگ اگر تھوڑا تھوڑا کر کے بھی روپیہ جمع کرو تو تمھارا بجٹ کبھی خالی نہ ھوگا ۔ تم چاھو تو امرت سر میں لاھور سے بڑا کالج قائم کر دو ۔ گورنمنٹ کے بہت اخراجات ھیں ۔ فوج کا خرچ ، ملک کے انتظام کے اخراجات ، پھر اگر گورنمنٹ کچھ کرے گی تو وہ اسی روپے میں سے کرے گی جو ھم سے لیا جائے گا ۔ اگر تم اس بات کو سوچ کر خود ھی تعلیم کا انتظام کرو تو گورنمنٹ کو دکھا سکتے ھو ۔ اور فخر کر سکتے ھو کہ جو کام گورنمنٹ سے نہ ھو سکا وہ ھم نے خود کر دکھایا ۔ اکثر لوگ ھیں جن کے خیال میں یہ گزرتا ہے اور میں نے بہتوں کو کہتے بھی سنا ہے کہ تعلیم یا ھائی کمیشن سے کیا نتیجہ ھوگا ۔ نوکری تو بہت کم ہے ۔ اگر بہت لوگ بی ۔ اے ۔ اور ایم ۔ اے ۔ ھو جائیں گے تو دس روپے کی نوکری اُن کو نہ ملے گی ۔ مگر آپ غور کریں اور جن لوگوں کا ایسا خیال ھو وہ مجھے معاف کریں کہ یہ خیال غلطی سے بھرا ھوا ہے ۔ بے شک ھم ھندوستانی جو برٹش گورنمنٹ کی رعایا ھیں اُن کا حق ہے اور اُن کا دعویٰ ہے کہ جس طرح اور لوگ اور قومیں اعلیٰ عہدہ پانے کی متسحق ھیں ھم بھی اُس کو حاصل کریں اور وہ عہدہ لیں ۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ھم اپنا حق چھوڑ دیں اور گورنمنٹ سے اپنے حقوق نہ مانگیں ۔

مگر سچ یہ ہے کہ گورنمنٹ سب کو اعلیٰ عہدے نہیں دے سکتی بلکہ کل تعلیم یافتہ کو ادنیٰ عہدے بھی نہیں دے سکتی مگر تم یہ دیکھو کہ کوئی اور نتیجہ بھی تعلیم کا ہے یا نہیں۔ آپ خیال کیجیے کہ ہندوستان جس میں ہزاروں قسم کی چیزیں تجارت کے فائدے کے واسطے موجود ہیں اور پیدا ہوتی ہیں ہمارا ملک ہے اور وہ چیزیں ہمارے ہاتھ میں ہیں مگر اُس کے نفع کا کیا حصہ ہمارے ہاتھ میں ہے؟ ہندوستان میں تجارت کی بہت کچھ ترقی ہوئی مگر آپ خیال کیجیے کہ ہندوستان جس میں ہزاروں قسم کی چیزیں تجارت کے فائدے کے واسطے موجود ہیں اور پیدا ہوتی ہیں ہمارا ملک ہے اور وہ چیزیں ہمارے ہاتھ میں ہیں مگر اس کے نفع کا کیا حصہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہندوستان میں تجارت کی بہت کچھ ترقی ہوئی مگر آپ خیال کیجیے کہ ملک کی تجارت اور دولت مندی کا اصول کیا ہے۔ وہ ملک دولت مند نہیں ہوتا جس میں دوسرے ملک کی تجارت ہوتی ہے بلکہ وہ ملک دولت مند ہوتا ہے جس کی چیزوں کی تجارت کو دوسرے ملکوں میں ترقی ہوتی ہے۔ آج کل وہی ملک دولت مند ہو رہا ہے جس کی چیزوں کی تجارت دوسرے ملکوں میں ہوتی ہے۔ ہندوستان کی چیزیں اگرچہ دوسرے ملک میں جاتی ہیں مگر محنت کی قیمت بڑھا کر پھر اسی ہندوستان میں آ جاتی ہیں۔ ہمارے ملک کی چیزوں کی نسبت بھی ہم لوگوں کی تجارت ایک بندرگاہ سے دوسری بندرگاہ تک یا ایک شہر سے دوسرے شہر تک محدود ہے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کی گرہ کاٹتا ہے۔ ہم لوگ اپنی چیز دوسرے ملک میں نہیں لے جاتے۔ نہ دوسرے ملک کی چیز اپنے ملک میں لاتے ہیں۔ ہم دریا کے کنارے پر بلکہ اس زمانے میں اپنی دکان سے چند قدم فاصلے سے ریل کے اسٹیشن پر چار آنے کی چیز

سوا چار آنے پر بیچ ڈالتے ھیں یا وھیں سے اس طرح سے خرید کر
اپنے ملک میں بیچتے ھیں ۔ سمندر اندر ھمارا کچھ حصہ نہیں ھے ۔
غیر ملکوں سے ھمارا کچھ رشتہ نہیں ھے ۔ ھم کو چاھیے کہ
دوسرے ملک میں آڑتھ اور کمپنیاں قائم کریں جس سے اعلیٰ
درجہ کے تاجر ھوں ملک کی پیداوار قدرتی چیزیں جو زمین
میں گڑی پڑی ھیں ۔ ان سے فائدہ اٹھاویں ۔ اس طریقہ سے
کہ اپنے ملک میں اپنے ھی ایک بھائی کا روپیہ لے کر
فائدہ اٹھاویں ۔ ملک میں ترقی نہیں ھو سکتی ۔ روپیہ کو
کبھی اس تھیلی میں اور کبھی اس تھیلی میں ڈالنے سے روپیہ بڑھ
نہیں جاتا ۔ جب تک کہ باھر سے لا کر اس میں روپیہ نہ ڈالا جائے ۔
جب تم ایسا کرو گے اس وقت بے شک جس طرح ھمارے ملک کا
روپیہ دوسرے ملک میں جاتا ھے ھم بھی دوسرے ملک کا روپیہ
اپنے ملک میں کھینچ لاویں گے ۔ یہ سب باتیں ھم کو صرف
ھائی ایجوکیشن کے نہ ھونے سے حاصل نہیں ھوتیں ۔ امرت سر جو
تجارتی مشھور شھروں میں ھے اس میں ایک وقت کیسی دھوم
کی تجارت تھی مگر اب ھم بڑے بڑے تاجروں کو ھاتھ پر ھاتھ
دھرے بیٹھے دیکھتے ھیں ۔ کیا ھماری قسمت میں صرف پشمینے ھی
کی تجارت لکھی ھوئی ھے اور اسی کے زوال پر ھمارا زوال مقدر میں
لکھا تھا ۔ اگر علم ھوتا تو ھم زوال رسیدہ تجارت کے عوض
دوسری تجارت اختیار کرتے اور ھم لوگ امریکہ ، لندن ، جرمن ،
فرانس میں جاتے اور وھاں اپنی نئی تجارت کی دکانیں کھولتے
اور ھم اپنے ملک کی چیزوں سے پورا فائدہ اٹھاتے جو دوسری
قومیں ھمارے ھاں کی چیزوں سے اٹھاتی ھیں ۔ اگر علم ھو جاوے
تو یہ سب کچھ ھو اور ملک دولت سے مالا مال ھو جاوے ۔
ایک بات اور کہوں گا کہ انسان کو خدا نے تمام مخلوقات سے

بدتر بنایا ھے مگر ظاھر میں کوئی بات برتری کی اس میں نہیں ھے ۔
کھانا ، پینا ، سونا اور بہت سے کام انسان جانوروں سے اچھا نہیں
کرتا ۔ شہد کی مکھی جیسا اپنا چھتا بناتی ھے اور وہ ایک زرد
جانور جس کو لوگ بیا کہتے ھیں جیسا گھونسلا بناتا ھے بڑی
صنعت کا کام ھے ۔ یہ سب باتیں ان میں قدرتی رکھی گئی ھیں
جو انسان میں نہیں ھیں ۔ انسان کی خوبی و برتری یہی ھے کہ
وہ جہاں تک چاھے ترقی کر سکتا ھے حیوان حد معین سے زیادہ
ترقی کچھ نہیں کر سکتا مگر انسان میں جوھر ترقی کرنے کا
موجود ھے خواہ اس کو اس کے دل کی بناوٹ کہو یا دماغ کی
ساخت یا روح جو چاھو اس کا نام رکھو ۔ بہر حال اس میں
ایک ترقی کرنے والا مادہ ھے پھر انسان اگر اس کو ترقی نہ دے
تو حیوان میں اور اس میں تفاوت نہیں رھتا ۔ علم ایسی چیز ھے
جو صداقت کے سکھانے ، اخلاق درست کرنے ، زندگی کی راہ بتانے
ابنائے جنس کے ساتھ بسر کرنے اپنے اور دوسرے کے حق پہچاننے
میں کارآمد ھے ۔ یہ تمام باتیں انسانیت کی ھیں مگر بغیر علم
کے نہیں آتیں ۔ بہ حیثیت انسان ھونے کے ھمارا فرض ھے کہ
اپنے تئیں انسان بنائیں نہ کہ مثل حیوان کے اپنی زندگی بسر کریں ۔
اے صاحبو ! ایک اور بات بھی تعلیم کے متعلق کہنا چاھتا ھوں ۔
کوئی شخص کوئی متنفس اس سے انکار نہ کر سکے گا کہ رعایا پر
چاھے وہ کسی حاکم کی رعایا ھو کچھ فرائض ھوتے ھیں جن میں
سے بڑا فرض یہ ھے کہ رعایا اپنے حاکم کی وفا دار اور خیر خواہ
ھو بہ حیثیت مسلمان ھونے کے میں یہ کہوں گا کہ یہ فرض
صرف عقلی اور انسانیت ھی کا نہیں ھے بلکہ ھمارا مذھب ھمارے
خدا کا حکم ھے ۔ رسول کا حکم ھے ۔ حاکم کی اطاعت کرو
گو وہ غلام حبشی ھی کیوں نہ ھو ۔ میں یقین دلاتا ھوں کہ

جو اصول ہماری برٹش گورنمنٹ کے حکومت کرنے کے ہیں ان کے سمجھنے میں غلطی کرنا تعلیم نہ ہونے کا نتیجہ ہے ۔ میری رائے ہے کہ ہائی اسکول مڈل اسکول نہیں ہائی ایجوکیشن جس قدر زیادہ ہوگی اُسی قدر ہم اپنی گورنمنٹ کے اصول حکمت کو سمجھیں گے اور اس کی قدر کریں گے ۔ اگر گورنمنٹ نے ہمارے کچھ حقوق اب تک ہم کو نہیں دیے ہیں جن کی ہم کو شکایت ہو تو بھی ہائی ایجوکیشن وہ چیز ہے کہ خواہ مخواہ طوعاً کرھاً ہم کو دلا دے گی ۔ غرض کہ تعلیم ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہم اپنی قوم کو ایسا بنا سکتے ہیں جو قابل عزت ہو ۔ ہاں ایک مشکل اور بھی تعلیم کے متعلق پیش آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں دو قسم کے لوگ موجود ہیں اور اولڈ فیشن یا کہو زیادہ عمر کے جن میں سے ایک میں بھی ہوں لیکن اُن میں بہت ایسے ہیں جن کے کان میں بچپن سے ایک بات پڑتے پڑتے دل پر نقش ہو گئی ہے اور وہ دل سے نکل نہیں سکتی ۔ اور وہ اُسی پر جمے ہیں ۔ ایسے لوگوں کو خاص کر اس زمانے کے نوجوان کو اولڈ فیشن کے لوگ کہتے ہیں ۔ ایک وہ ہیں جو کسی قدر تعلیم کے رستہ میں پڑ گئے ہیں یا ایسے ہیں کہ پوری تعلیم تو نہیں پائی مگر باتیں سننے سے ایسے ہو گئے ہیں کہ زمانہ کے حالات کو دیکھتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کو میں روشن ضمیر کہوں گا جن کو اور لوگ نئی روشنی والا کہتے ہیں یا نئے فیشن والا ۔ اب دونوں گروہوں میں اختلاف پڑ گیا ہے ۔ پرانے فیشن کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ نئے فیشن والے بغیر کسی دھکے کے دینے کے سیدھے جہنم میں جائیں گے اور دنیا میں بھی اُن سے زیادہ کوئی بد چلن نہیں ہے ۔ میں اس بات کو قبول کرتا ہوں کہ ان نوجوانوں کا فرض ہے

کہ بزرگوں اور اولڈ فیشن والوں کا ادب اور لحاظ کریں اور ترقی کے ساتھ اپنے اخلاق اور عادات کا بھی خیال رکھیں ۔ مگر بزرگوں کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ٹوٹا یکہ جس میں سینکڑوں ہچکولے لگتے تھے اور جس میں وہ سفر کرتے تھے اب بے کار ہو گیا ہے ، ریل جاری ہو گئی ہے ۔ اب ریل کو چھوڑ کر یکہ پر لوگ سفر نہیں کریں گے کوئی برائی اور کوئی دشمنی ان نوجوانوں کے ساتھ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ان کے ھارج ہوں اور نئے علوم کے سیکھنے میں ان کی مزاحمت کی جاوے ۔ بزرگوں کو چاہیے کہ ان کو نہ روکیں اور ان کے حالات پر صبر کریں ۔ اگر ان کو صبر نہ آوے گا تو بھی ان کے صبر نہ کرنے سے کچھ نہ ہو سکے گا ۔ زمانہ چل نکلا ہے ۔ ریل چھوٹ گئی ہے اب وہ نہیں رک سکتی ۔ صرف اس قدر دیکھنا چاہیے کہ نوجوان جو ترقی کی ٹرین پر سوار ہیں ان میں وہ نقص بھی ہیں یا نہیں جن کو اس زمانہ کے لحاظ سے نقص کہنا چاہیے ۔ اگر وہ نقص ہے تو اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے لیکن اور مراسم کی نئی باتیں ۔ معاشرت کے طرز کی تبدیلی ۔ لباس کا تبادلہ ایسا نہیں ہے جس پر سختی سے مخالفت کی جاوے ۔ کیا پانچ پشت کے اس طرف تمام یہی مراسم اور یہی طریقے تھے جو اب ہم میں رائج ہیں ؟ ہرگز نہیں ۔ ہم نے خود اپنے باپ دادا کی رسموں کو توڑا ہے تو اگر ہماری اولاد ہماری رسموں کو توڑے تو ہم کیوں ناراض ہوں ۔ میں مذہبی لوگوں اور مذہب میں ڈوبے ہوئے مقدس لوگوں کی بڑی قدر کرتا ہوں مگر کیا جو طریقے عرب میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں رائج ہیں اور عرب جو وہاں سے آتے ہیں ان کے حالات سے ظاہر ہوتے ہیں وہ وہی طریقے ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ ، تابعین ، تبع تابعین یا

ان کے بعد کے مقدس لوگوں میں تھے ۔ ایمان سے تو ہر شخص یہی کہے گا کہ نہیں پس جس طرح زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے اُسی طرح عادات اور اخلاق اور طرز معاشرت میں تبدیلی ہوتی جاتی ہے ۔ ہندوستان میں ترقی کا زمانہ آ گیا ہے خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور ہمارے نوجوان ترقی کریں اور ٹرین زیادہ تیز چلے اور جدید علوم ان میں خوب پھیل جائیں ۔ تعلیم علوم جدیدہ پر ہمارے پرانے بزرگ ایک اور بھی شبہ ڈالتے ہیں اور اس شبہ میں ہمارے اکثر ہندوستانی دوست شریک ہیں ۔ وہ شبہ یہ کہ انگریزی تعلیم اور علوم جدیدہ کے سیکھنے سے مذہب جاتا رہتا ہے ۔ ابھی دس روز سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا کہ میں ایک قابل اور عالم کے لیکچر میں موجود تھا وہ مشہور عالم اور عمدہ جینٹل مین ہیں ۔ انھوں نے عام طور پر اور مسلمانوں کو خاص طور پر مخاطب کر کے یہ بیان کیا تھا کہ انگریزی فلسفہ اور لاجک نہ پڑھو کہ مسلمانی مذہب میں خلل ڈالتا ہے اور بد عقیدہ کر دیتا ہے کہ یہ کچھ نئی بات نہیں ہے ۔ کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ جب ہماری حکومت آفتاب نیم روز سے زیادہ روشن تھی اور تمام دنیا میں اُس کی شہرت تھی بنی اُمیہ اور بنی عباس کے وقت میں جب یونانی فلسفہ رائج ہوا تھا اس وقت بھی بعض غیر دور اندیش عالموں کی ایسی ہی رائے تھی مگر انجام میں ان ہی علماء نے وہی اختیار کیا جس کو وہ منع کرتے تھے کہ فلسفہ ، لاجک ، علم طبعی وہ علوم تھے کہ جن عالموں کو سب سے بڑا عالم جانتے ہو انھوں نے بھی اُس کو پڑھا اور اسی سے ان کو فخر ہوا اور انھیں لوگوں کی اولاد نے جو اُس کو منع کرتے تھے مقدس علم جانا اُس کو پڑھا اور پڑھایا ۔ اس وقت ملک میں شیعہ اور سنی دونوں موجود ہیں کوئی بتا دے کہ کون مشہور عالم ان کے ہاں ایسا تھا

جو فلسفہ اور لاجک کو خوب نہ جانتا تھا ۔ اب وہی پرانا
مسئلہ پیش کیا جاتا ہے مگر سچی بات ہمیشہ غالب آ جاتی ہے
وہ روکنے سے کبھی نہیں رکتی ۔ اگر کوئی اپنی آنکھیں بند کر لے
اور آفتاب کی روشنی نہ دیکھے تو آفتاب پر کچھ اثر نہ ہوگا
اور شاید ایسے کرنے والے بھی دو ایک سے زیادہ نہ ملیں گے
اس کے سوا میں پکے اعتقاد اور سچے دل سے کہتا ہوں کہ
کوئی علم ہو لاجک ، فلسفہ ، نیچرل فلاسفی یا کسی علم کا
نام لو مذہب کے خلاف نہیں ۔ میں اس حیثیت سے کہ میں خود
مسلمان ہوں اپنے بھائیوں سے کہتا ہوں کہ میری دانست میں
اسلام ایسا مذہب نہیں ہے کہ کسی طرح وہ جانچا جاوے ۔
اور جھوٹا نکلے ۔ اس کو لاجک کے سامنے نیچرل فلاسفی کے
آگے ڈال دو وہ سچا نکلے گا ۔ اگر کسی کے دل میں یہ خیال
ہو کہ ان علوم کے پڑھنے سے مذہب جاتا رہتا ہے تو ایسے
مذہب اور ایسے خیال کرنے والوں پر افسوس ہے ۔ اگر واقعی
مذہب اسلام ایسا ہی ہو کہ علوم جدیدہ کی صداقت کے سامنے
زائل ہوتا ہے تو ایسے مذہب کو اختیار کرنے سے کچھ فائدہ
نہیں - مگر جن لوگوں کا یقین ایسا ہے اور جو ایسا خیال کرتے
ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ان کو مذہب اسلال پر یقین نہیں وہ
زبان سے تو کہتے ہیں مگر دل میں اس کی صداقت نہیں ۔ ہمارا فرض
ہے کہ خدا کو ایک اور رسول کو برحق جانیں ۔ قرآن مجید برحق
کی خوبیوں پر یقین رکھیں ۔ اسی کے ساتھ نئے علوم کو سیکھیں ۔
اس سے دین بنتا ہے اور اس سے دنیا ۔ دائیں ہاتھ سے ہم دین
کو پکڑیں اور بائیں ہاتھ سے دنیا کو ۔ اور ایک جوان مرد کی
طرح دنیا کے میدان میں آئیں نہ ایسے ڈرپوک ہوں کہ پٹاخے
کی آواز سن کر گھر میں گھس رہیں ۔ اے صاحبو ! جو کچھ

میں نے بیان کیا علم اور تعلیم کی نسبت کیا ھے لیکن در حقیقت میں نے اُس کے بیان سے قومی ترقی کی ایک نصف صورت دکھائی ھے بلکه کہنا چاھیے که نصف سے بھی کم ۔ اکیلی تعلیم آدمی کو انسان نہیں بناتی ھے دوسرا حصه اس کا تربیت بھی ھے ۔ اور اگر وہ نہیں ھے تو تعلیم بھی اکارت ھے ۔ مجھ کو افسوس ھے که تعلیم خواہ عربی ، سنسکرت ، انگریزی کی هو مگر میں اُن تعلیم دینے والوں سے پوچھتا هوں کہ اس وقت هندوستان میں خواہ گورنمنٹ کالج یا اسکول یا مشنریوں کی تعلیم گاھیں یا پرائیویٹ انسٹیٹیوشن ان سب میں اولاد کی تربیت کا کیا بندوبست ھے ۔ ایک لڑکا جو چند گھنٹے ماسٹر کے سامنے پڑھ کر آتا تمام دن اپنا کس صحبت میں بسر کرتا وھی خراب صحبت بازاری لونڈوں اور خدمت گاروں کے لوگوں کی اُس کو نصیب رھتی ھے ۔ وھی خراب اور بد الفاظ جو اُن بازاری لڑکوں کی زبان پر جاری ھوتے ھیں وھی نکمی عادتیں جو اُن لڑکوں میں ھوتی ھیں یہ بھی سیکھتا ھے اسی سبب سے جب تک تعلیم کے ساتھ تربیت کا خیال نه هو امکان نہیں که لڑکا انسان بن سکے ۔ آپ دیکھتے هوں گے که انگریزوں کے چھوٹے چھوٹے بچے باوجودیکه ھمارے بچوں سے علم کی میزان میں کم ھوں مگر جو تربیت اور شائستگی اُن میں ھوتی ھے وہ ھمارے بچوں میں نه پاؤ گے ۔ آپ لوگوں نے هندوستان کے انگریزوں کے لڑکوں کو دیکھا ھے جو صرف ماں باپ سے تربیت پاتے ھیں مگر جن لوگوں نے ولایت کے لڑکوں اور نوجوانوں کو آکسفورڈ اور کیمرج میں دیکھا ھے وہ سمجھ سکتے ھیں که کیسی تربیت وھاں دی جاتی ھے ۔ تربیت تعلیم پر بھی مقدم ھے بلکه انسان کا یہی زیور ھے جب تک یه دونوں شامل نه ھوں اولاد میں انسانیت نه آ سکے گی ۔ اے صاحبو !

ہماری زندگی قریب اختتام ہے چند سال ہماری تمہاری عمر میں اور باقی ہیں یہ سفید سفید ڈاڑھیاں پوپلے پوپلے منہ زمین میں گڑ کر یا مرگھٹ پر جل خاک ہو جائیں گے مگر یاد رکھو کہ یہ بچے جن کو تم جوان چھوڑ جاؤ گے اُن کا یہ حال ہوگا کہ روز بروز مفلس اور ذلیل و خوار ہوں گے ۔ جیل خانے ان سے بھرا کریں گے ۔ اے ہندوؤ اور مسلمانوں! اگر مرنے کے بعد روح قائم رہتی ہے تو مرنے کے بعد یہ حالت دیکھ کر تمہاری پاک روحیں گھاٹوں اور قبروں پر تڑپیں گی تربیت کے ساتھ ادب کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا ۔ میں مسلمان ہوں کل مسلمانوں کا یہی خیال ہوگا جو میں ابھی بیان کروں گا ۔ ہندو صاحبوں سے بھی مجھ سے بہت دوستی ہے ۔ اُن کے بہت سے عمدہ خاندانوں کو میں جانتا ہوں یہ سب ادب کو بڑی چیز سمجھتے ہیں ۔ کوئی شخص اس سے اختلاف نہیں کر سکتا کہ ادب عزت کا باعث ہے ۔ ایک پرانے شاعر کا قول ہے :

ادب تا چیست از لطفِ الٰہی،
بنہ برسر برو ہر جا کہ خواہی

لیکن میں تفتیش کرنا چاہتا ہوں اور بقدر اپنے خیال کے اس کو بیان کروں گا کہ ادب کیا چیز ہے ۔ ہمارے یہاں ادب کے معنی یہ ہیں کہ لڑکا اپنے بزرگوں کے ڈر کے مارے سچی بات زبان سے نہ نکال سکے ۔ جھک جھک کے بلا ضرورت سلام پر سلام کرے ۔ یہ ویسا ادب ہے جیسا کہ ایک بندر والا بندر کو سکھاتا ہے کہ ٹانگ اٹھا کر کھڑا رہے ۔ ہاتھ جوڑ کر گردن نیچی جھکا کر سامنے آوے ۔ اشارہ کے ساتھ ڈگڈگی پر چڑھ بیٹھے ہمارے ملک میں جن بزرگوں کے ہاں لڑکے گھٹنے جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور نہایت جھک کے سلام کرتے ہیں اور اشاروں پر کام

دیتے ھیں اُن کی نسبت کہا جاتا ھے کہ بہت ادب سکھایا گیا ھے مگر میں سچ کہتا ھوں کہ یہ ادب نہیں ھے ایسے ادب دینے والوں کو اس بات کا خیال نہیں آتا کہ اولاد کے ایسے ادب سکھانے سے دلی جوش مر جاتا ھے اُن کی عادت ذلیل ھونے کی ھو جاتی ھے ۔ ان کی جرأت ، دلیری اور شرافت کھو دیتی ھے ۔ تربیت بری باتوں سے بچنے کی ھونی چاھیے اندرونی قواء کے مارنے کی ضرورت نہیں ۔ اگر لڑکے اپنے باپوں کے سامنے اپنے جوشوں کو کام میں لاویں گے تو وہ آئندہ کو باعث فخر ھوں گے ھمارے ھاں بعوض اس کے کہ ان کو صداقت اور آزادی رائے کی تعلیم ھو اُن کو جھوٹ بولنے کی عادت پڑتی ھے ۔ زبان کے کھلنے کے ساتھ ھی جب کہ اُن کی زبانیں لکنت کرتی ھیں گالیاں سکھائی جاتی ھیں ۔ اُن کی توتلی زبان کی گالیاں پیاری لگتی ھیں ۔ جب بڑے ھو جاتے ھیں تو دل کی سچائی ظاھر کرنے سے روکے جاتے ھیں ۔ کیا کوئی انصاف سے یہ بات کہے گا کہ یہ سچی تعلیم اور سچی تربیت ھے ۔ صداقت آزادی سے سچی بات کہنے کی عادت اس سے پیدا ھو سکتی ھے ۔ ھرگز نہیں ۔ البتہ آزادی اور بے ادبی میں تمیز کرنا چاھیے کہ یہ دو چیزیں ھیں اصلی ادب کے ساتھ آزادی کا کام میں لانا باعث فخر ھے ۔ آپ لوگ یاد رکھیں کہ جو خیالات چھوٹی عمر سے دل میں بیٹھتے ھیں ان کا نکلنا بہت مشکل ھے بلکہ نہیں نکلتے اور اسی سبب سے ھمارے ھاں کے لوگ جوان ھو کر بھی اکثر باتیں اپنے دلی خیال کے خلاف کہتے ھیں ۔ یہ اُسی خراب تربیت کا نتیجہ ھے ۔ میں یہاں کی میونسپل کمیٹی کے ذی رتبہ اور عالی درجہ ممبروں کا حال نہیں جانتا مگر اکثر جگہ یہی دیکھا ھے کہ بجز حضور کہنے اور ھاں میں ھاں ملانے کے ھم اور کچھ بھی نہیں

کہتے - پھر باہر جا کر یہ کہتے ہیں کہ یہ تجویز بہت خرابہ تھی مگر کیا کرتے کلکٹر صاحب کی بھی مرضی یہی تھی - یہ اُسی بری تربیت کا اثر ہے - اگر سچی آزادی کی تعلیم ہوتی تو کلکٹر کیا وائسرائے کے سامنے بھی یہ کہتے - مائی لارڈ آئی ایم ویری ساری آئی کانٹ ایگری ود یور اکسلینسز پروپوزل -

آزادی روکنے سے لوگ اولاد کے قویٰ کو مضمحل کر دیتے ہیں - خیر جو کچھ گزر گیا گزر گیا - اب آئندوں نسلوں کا خیال کرنا چاہیے - شاید سچی باتیں بری لگتی ہوں - مگر دل میں سوچیے کہ یہ باتیں آپ کی بھلائی اور آپ کی اولاد کی بھلائی کے لیے کہی جاتی ہیں یا اور کسی غرض سے -

یہاں تک جو کچھ میں نے بیان کیا وہ حقیقت میں تعلیم اور تربیت ھی کے متعلق تھا مگر مجھ کو ایک امر میں اور بھی کہنا ہے - آپ خیال کریں گے کہ دنیا میں جو امور ہوتے ہیں وہ ایسے پیچ در پیچ ہیں کہ بٹے ہوئے رسّوں کے پیچ کی طرح آپس میں لپٹتے ہیں اگر اُن کو کھولو گے تو تمام لڑیں ٹوٹ جائیں گی - تمام تربیت اور تعلیم کے ساتھ ایک اور بڑا مسئلہ ہے جس کے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکتے اور اُس کی ہندوستان میں سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ باھمی اتحاد ہے -

عقل مند شخص جو خدا پر یقین رکھتا ہے اس کی یہی خواهش ہوگی کہ اسی طریقہ پر چلیں جو خدا کی مرضی ہے اب ہندوستان میں دیکھنا چاہیے کہ خدا کی مرضی باهم کس طرح بسر کرنے کی ہے - صدیاں گزر گئیں کہ ہندو اور مسلمان یہاں آباد تھے - چند سال سے خدا کی مرضی یہ ہوئی کہ ایک تیسری قوم بھی یہاں آباد ہوئی - یہ تینوں قومیں اب یہاں آباد ہیں اور اب انہیں تینوں کا یہ ملک ہے ان سب کو آپس میں اتفاق اور

دوستی پیدا کرنا چاهیے ـ مذهبی خیالات کا جداگانه هونا خدا کی
مرضی کے خلاف نہیں هو سکتا ـ یه کسی کا کام نہیں که سب کو
ایک مذهب پر لے آوے ـ یه تو وه لوگ بھی نہیں کر سکتے
جو انبیاء علیه السلام کے نام سے گزرے هیں ـ مختلف مذاهب کے
لوگ هونے سے یه خیال نه کرنا چاهیے که باهمی اتفاق نہیں
هو سکتا ـ ایک باریک بات غور کرنے سے معلوم هوتی هے اور وه
یه هے که هر انسان کی خلقت میں دو حصے هیں ـ ایک عقیده
جو دل سے متعلق هے ـ اس میں دوسرے کی شرکت نہیں هے ـ
باپ کا عقیده بیٹے کے لیے اور بیٹے کا عقیده باپ کے لیے مفید یا
مضر نہیں هے ـ دوسرا حصه انسانیت کا جو تمدنی حالتوں سے
متعلق هے جس کے سبب سے آپس میں ملنے ـ هم جنس سے دوستی
کرنے ـ باهم یگانگت اور اخلاص کا برتاؤ کرنے کی ضرورت هے
ان دو حصوں میں خدا کا حصه خدا کے لیے مخصوص هے اس کے
حصه کو اسی کے واسطے چھوڑ دو مگر جو حصه انسانیت کا هے
اور جس کی وجه سے ایک کا دوسرے کے ساتھ دوستی اور اخلاص
کرنا ضروری هے ـ ایک کو دوسرے سے مانگنا چاهیے اگر تم اس باریک
مسئله کو نه سمجھو یا سمجھ سے زیاده سمجھو تو میں تم کو ایک
موٹی سی بات سے اس کو سمجھاؤں جو لوگ اس وقت اس مجلس
میں جمع هیں وه سب مل کر ایک کام کو کریں تو اچھی طرح سے
هوگا یا علیحده علیحده کرنے سے ـ تعلیم کا بھی یہی حال هے اور تجارت
کا بھی یہی حال هے ـ میں اپنے تمام هندو اور مسلمان بھائیوں سے
یه کہتا هوں که اس میں شک نہیں ـ یه امر ناممکن هے که
رایوں کا اختلاف دور کر دیا جاوے ـ آپس میں ایک دوسرے
سے رشک و حسد نه رکھے ـ باهم رنج و آزردگی نه هو یه بھی

خدا کا قانون ہے اُس کو کوئی نہیں توڑ سکتا ۔ مگر جس چیز میں
کہ سب کے اغراض متحد ہیں اُن میں سب کا ایک دل ہو جانا
یہ کوئی انوکھی بات نہیں ۔ اس کی مثالیں اور ملکوں میں موجود
ہیں اس ملک کے بھی کل باشندوں کو ملک کی بہتری کے لیے
ایک جان ہو کر کوشش کرنا چاہیے ۔ اگر یہ نہ کرو گے تو ہندو
بھی ڈوبیں گے اور مسلمان بھی ۔ ان دونوں کی حکومت کے وقت
گزر گئے جو کچھ اُن وقتوں میں ہوا ہو ۔ پنجاب میں ابھی سکھوں
کی عمل داری تھی وہ بڑے بہادر اور دلیر تھے ۔ تمام انسان
اُن کی تعریف کریں گے مگر کیا اُس حکومت میں ایسا امن تھا جیسا
انگریزی عمل داری میں ہے ؟ یہ ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریہ
ایمپرس آف انڈیا کے امن کا زمانہ ہے اس میں متفق ہو کر جس طرح
چاہو ترقی کر سکتے ہو ۔ جہاں تک ہم چاہیں اپنے تئیں پہنچا
سکتے ہیں ۔ اگر ایسے زمانے میں بھی ہم کوشش نہ کریں تو
بڑے افسوس کی بات ہے ۔ میں کئی جگہ بیان کر چکا ہوں کہ
ہندوستان کے لیے نا ممکن ہے کہ ہندو یا مسلمانوں میں سے کوئی
حاکم ہو اور امن قائم رکھ سکے ۔ پھر بھی یہی ہونا ہے کہ کوئی
دوسری قوم ہم پر حکم ران ہو ۔ جو قومیں اس وقت دنیا پر حکومت
کر رہی ہیں اُن میں یورپ کی سلطنتیں بہت قوی اور اعلیٰ درجہ
کی سمجھی جاتی ہیں ۔ ایشیا کی سلطنت کا حال مسلمان خوب جانتے
ہیں کہ اس عمل داری میں مسلمانوں کو کس قدر آزادی مل
سکے گی ۔ جرمن اور فرانس جو اُس سے اعلیٰ گنی جاتی ہیں کیا
وہ حکومتیں ہم کو اس سے زیادہ امن اور آزادی دے سکتی ہیں ۔
ہرگز نہیں ہرگز نہیں ۔ کیا ہندوستان کے لوگ رشیا سے کچھ
بھلائی کی توقع رکھ سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں ۔ پس ہم لوگوں کو

چاهیے کہ ایسے امن کے وقت کو هاتھ سے نہ جانے دیں اور جو کچھ
کرنا ھے کریں ۔ جب یہ امکان میں نہیں ھے کہ ان دو قوموں
میں سے کسی کی حکومت ھو اور کوئی ایسی حکومت ایسی نظر
نہیں آتی جس میں امن اور آزادی اس سے زیادہ ھم کو مل سکے
تو ھم کو اس زمانہ کو هاتھ سے نہ دینا چاهیے اور پیچھے نہ
رهنا چاهیے ۔

مدرسۃ العلوم علی گڈھ کے تاریخی حالات

(دسمبر ۱۸۸۹ء)

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ مدرسۃ العلوم علی گڈھ ایک بہت بڑا انسٹیٹیوشن ہے جو قوم کی تعلیم کے لیے قائم ہوا ہے پس نہایت مناسب ہے کہ میں اس انسٹیٹیوشن کے تاریخانہ حالات اور جدید واقعات سے اپنی قوم کے بزرگوں کو اطلاع دوں ۔

مگر ایک عبرت خیز واقعہ کو جس نے ایک شخص کے دل کو دین و دنیا دونوں سے مستغنی کر کے قوم کی محبت و ہم دردی میں محو کر دیا اور درحقیقت وہی واقعہ اس کالج کے فونڈیشن کا پہلا پتھر ہے میں اپنے دل سے بھلا نہیں سکتا ۔ گو میں اس کو کبھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا ۔

کم بخت زمانہ غدر ۱۸۵۷ء کا ابھی لوگوں کی یاد سے بھولا نہیں ہے ۔ اس زمانے میں میں بجنور میں تھا جو مصیبت کہ وہاں کے موجودہ حکام انگریزی اور عیسائیوں کے زن و مرد اور بچوں پر پڑی ۔ صرف اس خیال سے کہ انسانیت سے بعید ہے کہ ہم مصیبت کے وقت ان کا ساتھ نہ دیں میں نے ان کا ساتھ دیا ۔ غدر میں جو حال انگریزوں اور ان کے بچوں اور عورتوں پر گزرا اور جو حال ہماری قوم کا ہوا اور نامی نامی خاندان برباد و تباہ ہو گئے ان دونوں واقعات کا ذکر بھی دل کو شق کر دینے والا ہے ۔

غدر کے بعد مجھ کو نہ اپنا گھر لٹنے کا رنج تھا نہ مال و اسباب کے تلف ہونے کا ۔ جو کچھ رنج تھا اپنی قوم کی بربادی کا اور ہندوستانیوں کے ہاتھ سے جو کچھ انگریزوں پر گزرا اس کا رنج تھا ۔ جب ہمارے دوست مرحوم مسٹر شیکسپیئر نے جن کی مصیبتوں میں ہم اور ہماری مصیبتوں میں وہ شریک تھے ۔ بعوض اس وفاداری کے تعلقہ جہاں آباد جو سادات کے ایک نہایت نامی خاندان کی ملکیت تھا ۔ اور لاکھ روپیہ سے زیادہ کی ملکیت کا تھا مجھ کو دینا چاہا تو میرے دل کو نہایت صدمہ پہنچا ۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے زیادہ کوئی نالائق دنیا میں نہ ہوگا کہ قوم پر تو یہ بربادی ہو اور میں اُن کی جائداد لے کر تعلقہ دار بنوں ۔ میں نے اس کے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہندوستان میں رہنے کا نہیں ہے اور در حقیقت یہ بالکل سچ بات تھی ۔ میں اُس وقت ہرگز نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر پنپے گی اور کچھ عزت پائے گی ۔ اور جو حال اُس وقت قوم کا تھا وہ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا ۔

چند روز میں اسی خیال اور اسی غم میں رہا آپ یقین کیجیے کہ اس غم نے مجھے بڈھا کر دیا اور میرے بال سفید کر دیے ۔ جب میں مراد آباد میں آیا جو ایک بڑا غم کدۂ بربادی ہماری قوم کے رئیسوں کا تھا تو اُس غم کو کسی قدر ترقی ہوئی مگر اُس وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ نہایت نامردی اور بے مروتی کی بات ہے کہ اپنی قوم کو اس تباہی کی حالت میں چھوڑ کر خود کسی گوشۂ عافیت میں جا بیٹھوں ۔ نہیں اُس کے ساتھ مصیبت میں رہنا چاہیے اور جو مصیبت پڑی ہے اُس کے دور کرنے میں ہمت باندھنی قومی فرض ہے ۔ میں نے ارادۂ ہجرت موقوف اور قومی ہم دردی کو پسند کیا ۔ میں نے پسند نہیں کیا مگر میں نہیں جانتا کہ

کس نے پسند کیا ۔ اور کس نے آمادہ کیا ۔ ہنوز سیاست ھائے ایام غدر جاری تھیں کہ میں نے ایک رسالہ قوم کی بے گناھی کا لکھا جو کازز آف انڈین روولٹ کے نام سے موسوم ھے ۔ میں بیان کرنا نہیں چاھتا کہ وہ کیا وقت تھا اور میرے دوست کیا یقین کرتے تھے کہ اس جوش قومی ھم دردی سے جس کو میں خود دیوانہ پن کہہ سکتا ھوں مجھ پر کیا گزرنے والا تھا ۔ یہ میرا پہلا سبق قومی ھم دردی کا تھا میرے غم خوار مجھ کو اس سے مانع آتے تھے اور میرا دل اُن سے یہ کہتا تھا :

حریف کاوش مژگان خوں ریزم نہ ناصح
بدست آور رگِ جانی و نشتر را تماشا کن

اُسی زمانے میں مَیں نے چند رسالے لکھے اور مشتہر کیے جو لائل محمدنز آف انڈیا کے نام سے مشہور ھیں ۔ مگر میں نے غور کیا کہ یہ سب فروعی باتیں ھیں ۔ اصلی سبب سوچنا چاھیے کہ قوم پر یہ مصیبت کیوں پڑی اور کیوں کر دور ھو سکتی ھے ؟ اُس کا یہ جواب ملا کہ قوم میں تعلیم و تربیت نہیں تھی اور انگریزوں سے جن کو خدا نے ھم پر مسلط کیا ھے میل جول اور اتحاد تھا اور باھم اُن دونوں میں مذھبی اور رسمی منافرت بلکہ مثل آب زیرکاہ عداوت کا ھونا تھا ۔ میں نے یقین کیا کہ اگر یہ دونوں باتیں نہ ھوتیں تو یا تو غدر واقع نہ ھوتا اگر ھوتا تو جو سخت مصیبت گورنمنٹ پر ، ملک پر ، ھماری قوم پر واقع ھوئی اس قدر نہ ھوتی ۔

پھر میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ قوم کو اس زمانہ کی ضرورت کے موافق تعلیم دینا اور یورپ کے علوم کا اُن میں جاری کرنا آیا در حقیقت اسلام کے برخلاف ھے ؟ مجھے جواب ملا کہ نہیں پھر میں نے سوچا کہ انگریزوں سے جو ھمارے حاکم ھیں اور عموماً

عیسائیوں سے سچی دوستی اور بے ریا اتحاد اور دل کھول کر دوستانہ میل جول اور دوستانہ معاشرت اور آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی کیا اسلام کے برخلاف ہے ؟ جواب ملا کہ نہیں ۔ پس انہیں دونوں اصولوں کو میں نے اختیار کیا اور انہیں اصولوں پر جن کو میں کبھی نہیں چھوڑنے کا قومی بھلائی پر کمر باندھی ۔ جب کہ میں نے قومی بہتری کے وہ دو اصول مستحکم طور پر قائم کر لیے ایک تعلیم دوسرا انگریزوں سے اصلی اتحاد و دوستی تو اول ۱۸۵۸ء میں میں نے ایک اسکول مراد آباد میں قائم کیا جہاں اُس زمانے میں کسی قسم کے اسکول کا وجود نہ تھا - مگر سرجان اسٹریچی کی مہربانی سے وہاں ایک اردو انگریزی اسکول قائم ہوا اور دونوں کو ملا دیا گیا ۔

پھر میں غازی پور گیا جہاں میں نے ایک اسکول قائم کرنے کی بنیاد ڈالی جس میں اردو ، انگریزی ، عربی ، فارسی پڑھائی جاوے ۔ اُس کا فونڈیشن اسٹون میرے دوست راجا سر دیو نارائن سنگھ بہادر اور جناب مولانا محمد فصیح رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے رکھوایا گیا ۔ وہ اسکول نہایت کام یابی سے چلتا ہے اور وکٹوریہ اسکول کے نام سے موسوم ہے ۔

اُس زمانے میں میرے خیالات یہ تھے کہ بذریعہ ترجموں کے جو اردو زبان میں ہوں اپنی قوم کو اعلیٰ درجہ کے یورپین علوم و فنون سے بہرہ یاب کروں چناں چہ ۔ اس پر کوشش کی اور ۱۸۶۴ء میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی جس کی عالی شان عمارت اسی علی گڈھ میں آپ دیکھتے ہیں بہت سی کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہوا ۔ اور اُس کا ایک اخبار اب تک میرے اہتمام سے جاری ہے ۔ میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ اردو زبان میں کتابوں کا ترجمہ ہونا بے شک ملک کے لیے مفید ہے ۔

مگر مجھے یقین ہے کہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم و تربیت جس کی ضرورت قوم کو ہے اور سوشل حالت کی ترقی اور حاکم و محکوم کا میل جول جو میرے اصولوں کا منشا ہے بغیر انگریزی پڑھنے اور یورپین سینیٹرز لٹریچر میں اعلیٰ درجہ تک ترقی کیے ناممکن ہے ۔ میں ہر ایک بات سوچتا تھا اور نہیں سمجھتا تھا کہ کیا کروں ۔

اُسی زمانے میں گورنمنٹ نے اضلاع شمال و مغرب کے طالب علموں میں سے سید محمود کو لنڈن میں جا کر تعلیم پانے کو منتخب کیا جس کے لیے سب سے اول سر جان اسٹریچی کا اور اُس کے بعد سر ولیم میور اور لارڈ لارنس مرحوم کا ممنون ہوں ۔ مجھے موقع ملا کہ میں بھی لنڈن جاؤں اور تعلیم و تربیت کے اُن طریقوں سے واقف ہوں جن طریقوں سے انگلش قوم نے ایسی اعلیٰ درجہ کی ترقی کی ہے چناں چہ میں وہاں گیا اور وہاں رہا اور جو دیکھا سو دیکھا اور جو سوچا وہ سوچا ۔ مگر اپنی قوم کو دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے ایسے پست و تاریک گڑھے میں گرا ہوا پایا جس سے نکلنا محال معلوم ہوتا تھا ۔ مگر میں نے ہمت نہیں ہاری اور جب تک زندہ ہوں نہ ہاروں گا ۔

لنڈن ہی میں میں نے اس مدرسہ کے قائم کرنے کی اور تعلیم کی تمام تجویزوں کو پورا کیا ۔ یہاں تک کہ جس نقشہ پر آپ اس کالج کی عمارتوں کو بنتا ہوا دیکھتے ہیں یہ بھی لنڈن ہی میں قرار پا چکا تھا میں بد نصیبی سے انگریزی سے نا واقف تھا میں سید محمود کا نہایت شکر گزار ہوں کہ تمام واقفیت اور اطلاعیں جو مجھ کو حاصل ہوئیں اُس میں سید محمود نے میری بہت بڑی مدد کی ۔ مجھ کو اس بات کے اقرار کرنے سے نہایت خوشی ہے کہ اگر اُن کی مدد نہ ہوتی تو جس مقصد سے میں لنڈن گیا تھا میرا جانا فضول تھا ۔

مدرسے کے بورڈنگ ہاؤس کی اور تعلیم کے طریقے کی جس پر اس وقت مدرسہ چل رہا ہے اور جس پر آئندہ چلے گا اُن کی نسبت یہ کہنا کہ میں اُن کا تجویز کرنے والا اور قرار دینے والا تھا ایک نا انصافی ہوگی بلکہ صاف صاف کہنا چاہیے کہ اس کا بہت بڑا حصہ سید محمود کا تجویز کیا ہوا تھا جو اُنھوں نے اپنی واقفیت اور اپنے نہایت لائق دوستوں سے صلاح و گفت‌گو کرنے کے بعد قرار دیا تھا ۔ سید محمود کا خیال تھا کہ کالج ایسا اعلیٰ درجہ کا قائم ہو جس میں تمام یورپین علوم و فنون مع اُن ایشیائی علوم کے جو ہمارے بزرگوں کے لیے مایۂ فخر تھے اعلیٰ درجہ پر تعلیم ہو سکے اور وہ کالج محمڈن یونی ورسٹی کے نام سے موسوم ہو ۔ اُن کا خیال ہے کہ عربی فارسی لٹریچر مسلمانوں کا قومی تمغا ہے ۔ اُس کو ہرگز چھوڑنا نہیں چاہیے ۔ اورینٹیل ڈیپارٹمنٹ جو صرف انھیں کی تجویز سے مدرسہ میں قائم ہوا تھا اُس کے ٹوٹ جانے کا ان کو نہایت افسوس ہے ۔ ہمیشہ وہ اس کا الزام مجھ پر دیتے ہیں کہ میں نے اُن کی سرپرستی نہیں کی مگر اُن کا یہ خیال غلط ہے ۔ ملک کی حالت ایسی ہے کہ وہ چل نہیں سکا اُن کا مصمم ارادہ ہے کہ وہ خود کسی وقت اُس کو قائم کریں گے خدا کرے کہ اُس میں اُن کو کام یابی ہو ۔

غرض کہ ان چیزوں کو مکمل کر کے میں نے لنڈن ھی میں اس کام کے جو نہایت اہم تھا شروع کرنے کے تین طریقے قرار دیے ۔

اول : ایک ایسی تدبیر اختیار کی جاوے جس سے عموماً خیالات تعصب جو مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور یورپین سینیئرز لٹریچر کا پڑھنا کفر اور مذہب اسلام کے برخلاف سمجھتے ہیں دور ہوں ۔

دوم : خود مسلمانوں سے پوچھا جاوے کہ وہ یورپین سینیئرز لٹریچر کو کیوں نہیں پڑھتے ۔ اور اس میں ان کو کیا اندیشہ ہے ۔

سوم : کالج کے لیے چندہ شروع کیا جاوے ۔ اور جس وقت موقع ہو علی گڈھ میں کالج قائم کیا جاوے ۔ لنڈن ھی میں علی گڈھ کا مقام قرار پا چکا تھا ۔

ہندوستان میں پہنچ کر تجویز اول کے مطابق میں نے تہذیب الاخلاق جاری کیا ۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے سرے پر جو اس کا نام اور اس کے گرد جو خوب صورت بیل چھپتی تھی وہ ٹیپ لنڈن ھی میں بنوایا تھا اور اپنے ساتھ لایا تھا ۔ گو تہذیب الاخلاق کی بہت مخالفت ہوئی ۔ خاص اخبار اور پرچے اس کی مخالفت پر جاری ہوئے لیکن اس کو بڑی کام یابی ہوئی ۔ اگر لوگوں کا یہ خیال صحیح ہے کہ تہذیب الاخلاق نے تمام ہندوستان کو ہلا دیا اور لوگوں کو قومی ہم دردی پر مائل کر دیا تو شاید میری نجات کے لیے بھی کافی ہوگا ۔

دوسری تجویز کے مطابق ایک کمیٹی قائم ہوئی اور کمیٹی خواست گار ترقی تعلیم مسلمانان اس کا نام رکھا ۔ اور بذریعہ جواب مضمونوں کے عموماً مسلمانوں سے اس کی نسبت استفسار کیا ۔ آپ اس بات کے سننے سے کچھ متعجب نہ ہوں گے کہ اس کا اشتہار لنڈن ھی میں چھپوا لیا تھا اور وہ مضمون جس کا جواب پوچھا گیا تھا سب سید محمود کے لکھے ہوئے اور تجویز کیے ہوئے تھے اس کمیٹی کو نہایت کام یابی ہوئی اور بہت بڑی کام یابی کے ساتھ اس کا کام ختم ہوا اور کام ختم ہونے پر اس کالج کا قائم ہونا قرار پایا ۔

کالج کا قیام ہونا ھی مقصود تھا جو تجویز سوم میں قرار پایا

تھا ۱۸۷۲ء میں چندہ جمع کرنے کے لیے بمقام بنارس ایک کمیٹی قائم ہوئی جس کا نام محمڈن اینگلو اورینٹیل کالج فنڈ کمیٹی رکھا گیا ۔ اور کام یابی سے اُس کا کام چلنا شروع ہوا ۔ اس کمیٹی نے ۳۰ جون ۱۸۷۲ء کے اجلاس میں مختلف مقامات میں سب کمیٹیاں واسطے وصول چندہ کے مقرر کیں منجملہ آن سب کمیٹیوں کے ایک سب کمیٹی علی گڈھ میں مقرر کی اور مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب ، راجا سید باقر علی خاں صاحب ، محمد عنایت اللہ خاں مرحوم ، کنور محمد لطف علی خاں صاحب ، منشی محمد مشتاق حسین صاحب کو سب کمیٹی کا ممبر مقرر کیا ۔

آسی سال بنارس کی کمیٹی میں تجویز پیش ہوئی کہ مدرسہ کہاں بنایا جاوے اور بعد تحقیقات اور طلب آرا کے ۸ نومبر ۱۸۷۲ء کے اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا کہ مدرسہ بمقام علی گڈھ بنایا جاوے ۔

دسویں فروری ۱۸۷۳ء کے اجلاس میں سید محمود نے ایک نہایت کامل تجویز تعلیم علوم کی جو آنھوں نے لنڈن ہی میں بہ صلاح وہاں کے لائق پروفیسروں اور عالموں کے مرتب کی تھی پیش کی ۔ اگر اُس درجہ تعلیم تک مدرسہ پہنچ جاوے تو قوم کے نصیب کھل جاویں گے مگر ابھی اس درجہ تک پہنچنے میں بہت دیر ہے ۔

چودھویں اپریل ۱۸۷۳ء کے اجلاس میں چھوٹے چھوٹے مدرسوں کے مختلف مقامات پر قائم ہونے پر بحث ہوئی جو آخرکار مدرسۃ العلوم کے ماتحت اور اُس کی ایک شاخ قرار پاویں ۔ اس مضمون پر ممبروں سے رائے طلب کرنے اور مباحثہ ہونے کے بعد ۳ مئی ۱۸۷۳ء کے اجلاس میں مدرسہ ہائے ماتحت کے لیے جو سوائے علی گڈھ کے دوسرے مقاموں میں قائم ہوں متعدد قواعد اور شرائط قرار دی گئیں ۔ علی گڈھ کے مدرسہ کے لیے

مولوی محمد سمیع اللہ خان بہادر سی - ایم - جی سے التماس کیا گیا کہ ابتدائی مدرسہ کھولنے کی تدبیر کریں اور وہاں کے رئیسوں سے اس کے لیے چندہ جمع کرنے کی کوشش فرماویں - چناں چہ انھوں نے کوشش کی جس کے لیے ہم سب کو اُن کا شکر گزار ہونا چاہیے -

دسویں جنوری ۱۸۷۴ء کے اجلاس میں کمیٹی نے متعدد تجویزیں منظور کیں (۱) علی گڈھ میں جو زمین پرانی چھاؤنی فوج کی بے کار پڑی ہے تعمیر مدرسہ کے لیے گورنمنٹ سے لی جاوے (۲) سیکرٹری کو اجازت دی گئی کہ اگر زمین مل جاوے تو اُس میں تعمیر مدرسہ کا کام شروع کرے مگر تعمیر میں روپیہ اور سرمایہ مدرسہ کا خرچ نہ ہو بلکہ اُس کی آمدنی یا چندہ خاص تعمیر کا صرف کیا جاوے -

۱۹ مارچ ۱۸۷۴ء کے اجلاس میں سیکرٹری نے اطلاع دی کہ گورنمنٹ نے اُس زمین کے دینے کا وعدہ کر لیا ہے جہاں مدرسۃ العلوم کا تعمیر ہونا تجویز کیا گیا ہے -

اُس زمین کے متصل جس کا گورنمنٹ نے دینا قبول کیا تھا چار بنگلے لوگوں کی ملکیت تھے جن کا خریدنا لازمی تھا - اُن میں سے تین بنگلوں کو خریدنے کا معاملہ مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب نے بعوض پندرہ ہزار روپے کے قرار دیا اور یہ درخواست کی کہ اگر آٹھ ہزار روپیہ کمیٹی دے تو سات ہزار کا میں اُس چندہ سے جو میں نے کھولا ہے بندوبست کر لوں گا اور یہ بھی چاہا کہ راجا سید باقر علی خاں نے جو صدر کمیٹی بنارس میں دو ہزار روپیہ چندہ لکھا ہے اُس کو بھی وہ اسی چندہ میں جو اُنھوں نے علی گڈھ میں کھولا تھا شامل کر لیں چناں چہ صدر کمیٹی نے اپنی فہرست میں سے راجا صاحب کا نام خارج

کر دیا ۔

چوتھی اکتوبر ۱۸۷۴ء کو وہ تینوں بنگلے خرید لیے گئے ۔ مگر مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب نے دو ہزار روپیہ منجملہ قیمت بنگلہ ہا اور طلب کیے وہ بنارس سے بھیجے گئے اور ۱۷ اکتوبر ۱۸۷۴ء کے اجلاس میں مذکورہ بالا دو ہزار روپیہ جو دیا گیا تھا کمیٹی سے اس کی منظوری ہو گئی ۔ چوتھا بنگلہ جس میں اب یونین کلب ھے خود کمیٹی نے اس کے مالک سے جو لکھنؤ میں تھا خرید کیا ۔

۲۵ فروری ۱۸۷۵ء کے اجلاس میں بنارس کی کمیٹی نے علی گڈھ میں ابتدائی تعلیم کے لیے مدرسہ کھولنا تجویز کیا اور مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس ہوا ۔

ریزولیوشن نمبر ۳ ۔ سوائے سیکرٹری کے باقی ممبروں نے اتفاق کیا کہ تعلیم ابتدائی یعنی تعلیم صیغہ مدرسہ جاری کی جاوے اور مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب سے درخواست کی جاوے کہ وہ اس بات کی تجویز پیش کریں کہ اس تعلیم کے لیے کس قدر مدرس اور کس کس علم و زبان کے درکار ھوں گے اور کیا کیا تنخواھیں اُن کی مقرر کرنی ضرور ھوں گی اور بہتر ھے کہ وہ اس باب میں اپنی سب کمیٹی سے اور نیز اپنے دوستوں سے صلاح و مشورہ کر کے اس کی رپورٹ کمیٹی میں ارسال فرماویں ۔ اخراجات میں کرایۂ مکانات بھی جس میں مدرسہ جاری ھوگا شامل کیا جاوے ۔

میں اس تجویز کا بالکل موید تھا ۔ اور ممبروں سے اپنے نام کا علیحدہ رکھنا بوجہ اختلاف نہ تھا ۔ کیوں کہ ھر شخص یقین کر سکتا ھے کہ اگر میری رائے و مرضی ابتدائی تعلیم جاری کرنے کی نہ ھوتی تو ایک ممبر بھی کمیٹی کا اس کی رائے نہ دیتا ۔

مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب نے رپورٹ بھیجی اور ۸۵۷ روپیہ ماھواری کا خرچ تنخواہ مدرسان اور ۱۳۲ روپیہ ماھواری واسطے تقرر اسکالرشپوں کے کل ۸۸۹ روپیہ ماھواری کا اور زیادہ سے زیادہ ۹۸۹ روپیہ ماھواری خرچ تجویز کیا ۔ کمیٹی بنارس نے ۱۸ اپریل ۱۸۷۵ء کے اجلاس میں یہ خرچ دینا منظور کیا اور مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب کو لکھا کہ یکم جون ۱۸۷۵ء سے مدرسہ جاری کریں اور اس کا اشتہار اخباروں میں دے دیں ۔

بعد اس کے ۲۰ مئی ۱۸۷۵ء کے اجلاس میں اُس کمیٹی نے جو بنارس میں تھی تاریخ افتتاح مدرسہ تبدیل کی اور بعوض اُس کے ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء روز سالگرہ ملکہ معظمہ تاریخ افتتاح مدرسہ قرار دی اور مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب کو لکھا کہ رسمیات افتتاح تاریخ مذکور کو عمل میں آویں ۔ چناں چہ میں خود اور بعض ممبر اُس تاریخ پر علی گڈھ میں آئے اور مدرسہ کھولا گیا ۔

جس وقت علی گڈھ میں مدرسہ کھولنے کا ارادہ ھوا اُسی وقت میں نے پنشن لینے کا قصد کیا اور بذریعہ صاحب جج ۔ ھائی کورٹ کو اطلاع دی کہ میرا ارادہ پنشن لینے کا ھے اور اکاؤنٹنٹ جنرل سے نقشہ طلب کیا اور درخواست کی کہ میری مدت ملازمت اور استحقاق پنشن کی تصدیق فرما دیں ۔ جس قدر زمانہ اُس کی تکمیل میں لگا وہ لگا اور اوسط ۱۸۷۶ء میں علی گڈھ میں آ گیا جو کہ سید محمود کا بھی ارادہ ھے کہ وہ کالج کی سرپرستی کے لیے علی گڈھ میں سکونت اختیار کریں گے ۔ جس کا زمانہ کچھ بہت دور نہیں ھے ۔ انھوں نے مجھ کو صلاح دی کہ آپ اپنی کوٹھی کو جو علی گڈھ میں ھے اور بہ سبب اخراجات سفر لنڈن رھن ھو گئی وہ چھوٹی ھے اُس کو فروخت کر کے زر رھن ادا کر دیجیے

اور ایک دوسری کوٹھی میں جس میں میرے اور آپ کے دونوں کے رہنے کی گنجائش ہو میں خرید لیتا ہوں ۔ چناں چہ سید محمود نے یہ کوٹھی جس میں میں اب رہتا ہوں خرید لی ۔ میں نے اپنی کوٹھی مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب کے ہاتھ فروخت کر دی جس میں خدا کرے وہ آ کر رہیں ۔ اور ترقی اور تکمیل مدرسہ میں کوشش کریں ۔

بعد اس کے مدرسہ ابتدائی کھولا گیا ۔ تمام اخراجات مدرسہ جزو کل کے کالج فنڈ کمیٹی ادا کرتی رہی ۱۸۷۵ء کے چند مہینوں کی بابت ۹-۷-۵۸۸۶ اس کمیٹی نے بنارس سے بھیجے اور اسی طرح اس وقت تک کہ ہیڈ کوارٹر کالج فنڈ کمیٹی کا علی گڈھ میں آیا تمام اخراجات مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب بہادر کے پاس بھیجتے رہے ۔

اس وقت طالب علموں کی تعداد قلیل تھی ۔ اور کوئی بورڈنگ ہاؤس نہ تھا ۔ طالب علم جس قدر تھے چھوٹے چھوٹے کمروں میں بھر دیے جاتے تھے مگر رفتہ رفتہ ہر ایک چیز میں ترقی ہوتی گئی ۔ تعمیر کا کام جو میں نے شروع کر دیا تھا اس میں بھی ترقی ہوتی گئی اور ارادہ ہوا کہ وائسرائے ارل نارتھ بروک کے ہاتھ سے رسم فونڈیشن ادا ہو مگر اُن کے دفعتاً تشریف لے جانے سے وہ ارادہ پورا نہ ہوا اور لارڈ لٹن کے زمانے میں بعد دربار قیصری فونڈیشن کی رسم کا اُن کے ہاتھ سے عمل میں آنا قرار پایا آٹھویں جنوری ۱۸۷۷ء کو حضور ممدوح علی گڈھ میں تشریف لائے اور ایک نہایت پُر تکلف جلسہ میں رسم فونڈیشن ادا ہوئی ۔

ہمارے ملک کے رئیس اعظم والی ملک حاجی حرمین الشریفین نواب محمد کلب علی خاں بہادر خلد آشیاں والی رام پور نے جو

مربی مدرسہ تھے فرمایا کہ اخراجات رسم فونڈیشن اور دعوت لارڈ لٹن سب اُن کی طرف سے کی جاوے - مگر ہمارے ضلع کے فیاض رئیس کنور محمد لطف علی خاں صاحب نے جو پریذیڈنٹ کمیٹی تھے چاہا کہ ان کی طرف سے اور ان کے نام سے وہ دعوت و رسم ادا ہو اور ہمارے عالی ہمت راجا سید باقر علی خاں صاحب وائس پریذیڈنٹ نے چاہا کہ اُن کی طرف سے اور اُن کے نام سے ہو - مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب نے یہ مصلحت سمجھی کہ دونوں رئیسوں کی طرف سے ہو - چناں چہ میں نے هزایکسیلینسی ارل لٹن سے بذریعہ پرائیویٹ سیکرٹری خط و کتابت کی اور سرجان اسٹریچی کی سعی و سفارش سے هز ایکسیلینسی ارل لٹن نے اُس کو منظور کیا - میں نے هز هائنس نواب صاحب رام پور کا اس فیاضی کے لیے شکریہ ادا کیا اور اُن دونوں فیاض رئیسوں کی طرف سے رسم فونڈیشن ادا ہوئی جس کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان کے احسانوں کے ہم ممنون ہیں - جب هز ایکسیلینسی لارڈ لٹن بعد ادائے رسم فونڈیشن کلکتہ ہو کر شملہ میں پہنچے تو حضور ممدوح نے پریذیڈنٹ کمیٹی کنور محمد لطف علی خاں کو تمغۂ قیصری عطا فرمایا - ہم نے بھی اُن کے اس احسان کو نقش کالحجر کیا اور کالج کے دو کمروں میں اُن کے آنر میں نہایت خوش خط حرفوں اور خوب صورت پتھروں میں دو کتبے کھود کر لگا دیے اور ایک کمرے میں جناب مولوی محمد سمیع اللہ خاں کے آنر میں ایک کتبہ لگایا -

اسکول جو ۱۸۷۵ء میں انٹرنس تک کی پڑھائی کے لیے کھولا گیا تھا - ۱۸۷۸ء میں ایف - اے کی پڑھائی تک اور ۱۸۸۱ء میں بی - اے اور ایم -اے کی پڑھائی تک ترقی کر گیا - اور ہر نواح کے بزرگوں اور قومی بھلائی چاہنے والوں بلکہ

انسان کے ساتھ نیکی کرنے والوں اور علی الخصوص پنجاب کے زندہ دل بزرگوں اور والیانِ ریاست اور وہاں کے دیگر امراء و رئیسان نے اور بالتخصیص اسلامی سلطنت حیدر آباد نے نہایت فیاضی سے امداد کی اُن بزرگوں کا خاص کر مجھ کو اپنی ذات سے بے انتہا شکر ادا کرنا لازم ہے کہ انھوں نے مجھ ناچیز پر اس قدر بھروسہ کیا کہ لاکھوں روپیہ کا چندہ مجھ کو دے دیا نہ کسی کمیٹی کو پوچھا نہ کسی ممبر کو اور نہ یہ جانا کہ روپیہ جو دیتے ہیں کہاں جاتا ہے اور کیا ہوتا ہے۔

میں اپنی تمام زندگی میں کسی امر پر اس قدر فخر نہیں کر سکتا جس قدر کہ اُس اعتماد اور طمانیت پر فخر کرتا ہوں جو میری قوم اور غیر قوم کے بزرگوں نے مجھ پر کیا۔

ابتداءً جب کالج فنڈ کمیٹی قائم ہوئی جو دراصل کالج قائم کرنے والی ہے تو اس نے ایک نہایت مختصر بائے لا۔ جو اس وقت کی ضرورتوں کے مناسب تھا بنایا۔ پھر بہ‌لحاظ اُن ضرورتوں کے جو ترقی کالج سے پیش آئیں اس بائے لا کو ترمیم و تبدیل کیا۔ اور ۱۸۸۳ء میں جدید بائے لا مرتب کیا جو اس وقت کے مناسب تھا۔ کالج کے انتظام کے لیے اور تعلیم کی درستی کے لیے کالج فنڈ کمیٹی نے اپنے ماتحت اور اپنے اختیار اور تجویز سے چار کمیٹیاں اور قائم کیں جن میں اکثر کالج فنڈ کمیٹی کے ممبر شریک تھے۔

ایک کمیٹی مدبران تعلیم السنہ مختلفہ و علوم دنیویہ۔ اس کمیٹی میں یورپین دوستوں کو بھی جن سے تعلیمی امور میں مشورہ و صلاح لینی ضرور تھی شامل کیا۔

ایک کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہلِ سنت و جماعت اور اسی طرح کی ایک کمیٹی مدبران تعلیم مذہب شیعہ اثناء عشریۃ ،

ایک کمیٹی منتظم مدرسہ و بورڈنگ ھاؤس ۔

ان کمیٹیوں نے مختلف اوقات میں اور حسب ضرورت اُن امور کے لیے متعدد قواعد اور دستور العمل بنائے تھے جن پر کارروائی ہوتی تھی ۔

مگر کالج کی اور اس کی جائداد کی ایسی ترقی ھو گئی تھی اور لوگوں کا اعتبار اُس پر ایسا بڑھ گیا تھا کہ ھزاروں روپیہ لوگوں نے بعوض تعلیم اپنے اطفال کے کمیٹی میں امانت کر دیا تھا جو اب تک امانت ھے اور علاوہ اس کے بہت سی وجوھات ایسی درپیش ھوئیں کہ کالج کا ایک عام طور پر معمولی کمیٹی کے سپرد رھنا مناسب نہ رھا تھا اور ضرور ھوا کہ اُس کے لیے سرکاری قانون مروجہ وقت کے مطابق ٹرسٹی مقرر ھوں ۔ اور اُس کی کارروائی کے لیے ایسے لا اور ریگولیشن بنائے جاویں جو تمام ضرویات و جزئیات کالج کے لیے حاوی ھوں ۔ اور جو عمل درآمد اب ھو رھا ھے اُس کو بھی ریگولیشن میں شامل کر دیا جاوے تاکہ کوئی کارروائی لا اور ریگولیشن سے خارج نہ رھے اور جہاں تک ممکن ھو کالج کی آئندہ بقا اور استحکام اور اسی اسکیل و مقاصد پر قائم رھنے کا جس پر میں نے قائم کیا ھے انتظام کیا جاوے ۔

ھمارے یورپین دوست جو دل سے ھمارے کالج کی ترقی و بھلائی کا خیال رکھتے تھے اور خصوصاً مسٹر ویٹ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن ھم کو دوستانہ نصیحت کرتے تھے اور صلاح دیتے تھے کہ اب کالج کی حالت ایسی ھو گئی ھے کہ اُس کے لیے باضابطہ ٹرسٹی مقرر کرنا اور تمام کارروائی کے لیے ایک مکمل کوڈ بنانا نہایت ضرور ھے ۔ ان تمام حالات کے لحاظ سے میں نے ممبروں کے اجلاس منعقدہ گیارہ مارچ ۱۸۸۸ء میں اس امر کو پیش کیا اور ٹرسٹیوں کے مقرر کرنے اور اُن کے لیے ایک کوڈ لا

اور ریگولیشن بنانے کی اجازت لی اور پھر یہ بھی اجازت لی کہ مسٹر اسٹریچی بوسٹرایٹ لا اُس کے مرتب کرنے کو مقرر ہوں ۔ یہ تحریک کمیٹی نے منظور کی اور میں نے وہ مجموعہ لا اور ریگولیشن کا جو زیر بحث ہے ۔ بشرکت سید محمود و مسٹر اسٹریچی تیار کیا ۔ اور جو کہ اُس میں بہت سے احکام نسبت یوروپین اسٹاف کے داخل کرنے تھے اس لیے اُس حصۂ کی ترتیب میں پرنسپل صاحب کو بھی شامل کیا تاکہ بعد اُس کے یوروپین اسٹاف کو کسی قسم کے عذر کی گنجائش نہ رہے ۔

اگرچہ ہماری کالج فنڈ کمیٹی میں بیاسی ممبر تھے مگر موجودہ قواعد کی رو سے کسی ممبر سے کسی معاملہ میں رائے پوچھنی یا اُن کو تجویزوں اور انتظاموں سے اطلاع دینی ضرور نہیں تھی ۔ صرف پانچ آدمی مل کر جو چاہتے تھے کر ڈالتے تھے ۔ درحقیقت یہ بڑا نقص اور نا مناسب طریقہ تھا میں خیال کرتا ہوں کہ تمام بزرگوں نے اس وجہ سے کہ اُن کو مجھ پر پورا بھروسہ تھا اس نامناسب کارروائی پر کچھ التفات نہیں کیا لیکن اس جدید قانون ٹرسٹیان میں یہ نقص رفع کیا گیا ہے ۔

اس کی دفعہ ۲۲ و ۲۳ میں ایک قاعدہ بنایا گیا ہے کہ ہر ایک جلسہ کی تاریخ مقررہ سے تیس دن پہلے اُس کی اطلاع بذریعہ تحریر رجسٹری شدہ ہر ایک ٹرسٹی کو دی جاوے اور جو امر اس جلسہ میں پیش ہونے والا ہو اُس کی کیفیت بھی ہر ایک ٹرسٹی کے پاس مرسل ہو ۔ پھر دفعہ ۳۰ میں یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ جو ٹرسٹی خود نہ آ سکیں وہ اپنا ووٹ بذریعہ تحریر سیکرٹری کے پاس بھیج دیں اس ذریعہ سے آئندہ کارروائی میں کل ٹرسٹی شریک رہیں گے ۔ اور ان کو کالج کی جملہ کارروائی سے دل چسپی اور واقفیت زیادہ ہوگی اور اب نہ سیکرٹری کو اور نہ کسی ممبر

کو اختیار رہے گا کہ پانچ آدمی مل کر جو چاہیں سو کر ڈالیں ۔

ٹرسٹیوں کے انتخاب کا ایسا قاعدہ بنایا گیا ہے کہ جس سے ہر صوبہ کے بزرگ ٹرسٹیوں میں شامل ہوسکتے ہیں ٹرسٹیوں کی تعداد کو ہر صوبہ پر تقسیم کیا ہے ۔ مثلاً پنجاب سے اس قدر ۔ اور اودھ شمال مغرب سے اس قدر ۔ ہندوستانی ریاستوں سے اس قدر ۔ حیدرآباد سے اس قدر وغیرہ وغیرہ ۔ اور اس تقسیم میں اضافہ کرنے یا تغیر و تبدل کرنے کا ٹرسٹیوں کو اختیار دیا ہے ۔ اس تدبیر سے ہر صوبہ کے لوگ کالج کے کاروبار میں رائے دے سکیں گے ۔ اور دل چسپی رکھیں گے ۔

کارروائی شروع ہونے کے لیے ایک گروہ اشخاص کا جیسا کہ یونی ورسٹیوں کے قانون کا دستور ہے اسی قانون میں ٹرسٹی نامزد کرنا ضرور تھا ۔ میں نے کالج فنڈ کمیٹی کے ممبروں میں سے ہر ایک صوبہ کے چند بزرگوں کو منتخب کر کے ٹرسٹیوں میں نامزد کیا اور جن ممبروں کو بہ طور ٹرسٹی منتخب نہیں کیا تھا اُن کی فہرست بھی شامل کی تاکہ اُن میں سے جس کو چاہیں ٹرسٹیان نامزد شدہ منتخب کر سکیں ۔ ضلع علی گڈھ اور بلند شہر کے معزز خاندانوں میں سے بلا لحاظ اس کے وہ مخالف ہیں یا موافق ایک ایک رئیس خاندان کو ٹرسٹیوں میں منتخب کیا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ کارروائی نہایت صاف دلی اور نیک نیتی سے کی ہے ۔ مگر بد بختی سے میری یہ کارروائی بد نیتی پر محمول ہوئی اور اُن لوگوں کو جو ٹرسٹیوں میں نامزد نہیں ہوئے تھے مخالفت پر برانگیختہ کرنے کی اشتعالک دی گئی اور اُس میں اُن کو کسی قدر کام یابی بھی ہوئی ۔ یہاں تک کہ ایک بزرگ نے جو ٹرسٹیوں میں منتخب نہیں ہوئے تھے لکھا کہ اگر جملہ بیاسی ممبران ٹرسٹی مقرر کیے جاتے تو اختلافات کا دریا

طوفان پیدا نہ کرتا ۔ اور اعتراضات کی آندھی نہ چلتی ۔ علاوہ اس کے یہ بھی اعتراض ہوا ہے کہ باقی ماندہ ممبروں کو ٹرسٹیوں کے ساتھ ووٹ دینے کا حق نہیں دیا ۔

مسودۂ قانون ٹرسٹیان میں کل تعداد ٹرسٹیوں کی سٹّر قرار دی گئی ہے اُن میں سے صرف آننچاس نامزد کیے ہیں اس وقت مجھ کو ضرور نہ تھا کہ پوری تعدادِ ٹرسٹیوں کی نامزد کرتا بلکہ ایسی گنجائش رکھنی ضرور تھی کہ اگر ٹرسٹیان نامزد شدہ کسی کو منتخب کرنا چاہیں تو منتخب کر سکیں ۔

یہ بیان کہ کالج فنڈ کمیٹی کے تمام ممبر لیف ممبر تھے اور اُن سب کو بلا استثناء ٹرسٹیوں میں داخل ہونے کا حق تھا صحیح نہیں ہے ۔ ٹرسٹیان مقرر ہونے سے کالج فنڈ کمیٹی ابالش یعنی برخاست ہو جاتی ہے اُس کے ممبروں کو جب تک وہ کمیٹی تھی اپنی زندگانی تک اُس میں ممبر رہنے کا حق تھا جب وہ کمیٹی آبالش ہو گئی تو نہ کوئی ممبر رہا نہ آئندہ اس کا کوئی ممبر ہوگا ۔ یہ کون سی منطق ہے کہ اُن ممبروں کی زندگی تک وہ کمیٹی کبھی برخاست نہ ہونے پاوے اور نہ کوئی جدید انتظام عمل میں آوے ۔

میں نے جہاں تک ممکن ہوا ہے مسودہ قانون میں انؐ کا ادب قائم رکھا ہے مگر ٹرسٹیوں کے ساتھ ووٹ دینے میں وہ کیوں کر شریک ہو سکتے تھے ۔ موجودہ قواعد کی رو سے کالج فنڈ کمیٹی کے ممبروں کو صرف اخراجات کی منظوری یا نا منظوری کے ووٹ کا اختیار تھا یہ اختیار بھی ہر ایک ممبر کے لیے لازمی نہ تھا ۔ اب ٹرسٹیوں کو وسیع اختیارات اور تمام امورات متعلق کالج کا اخیر فیصلہ سپرد ہوا ہے ۔ پس اُن کا کوئی حق نہیں ہے کہ اُن تمام امور میں ٹرسٹیوں کے ساتھ ووٹ دیں ۔

موجودہ قواعد کی رو سے ممبروں کا اجلاس ہونا صرف سیکرٹری کی رائے و خواہش پر منحصر تھا ۔ ممبروں کو مطلق اختیار نہیں تھا کہ کسی قاعدے کی بنا پر کسی امر کے لیے اجلاس منعقد ہونے کی تاکید کریں ۔ حال کے مسودۂ قانون میں چار طریقے اجلاسوں کے قرار پائے ہیں ۔ ایک جب کہ سیکرٹری کسی کام کے انجام کے لیے اجلاس ہونا ضروری سمجھتے ہیں ۔ دوسرے جب کہ ایک ثلث ٹرسٹی اجلاس کا منعقد ہونا ضرور سمجھیں ۔ تیسرا سالانہ اجلاس ہر سال تقویمی کے اختتام پر جس میں قواعد و قوانین مروجہ کی اصلاح اور دیگر انتظامات و ضروریات کالج پر بحث و غور ہو ۔ چوتھا سال حسابی کے ختم ہونے پر جس میں عام حسابات متعلق کالج پر غور ہو اور آمدنی اور اخراجات پر لحاظ کر کے آئندہ سال کے لیے بجٹ منظور کیا جاوے ۔

یہ طریقہ کارروائی نہایت عمدہ اور مستحکم اور تمام ٹرسٹیوں کو غالباً طمانیت بخش ہے مگر اس میں ایک بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ اگر تمام جزئیات کو اسی کارروائی پر منحصر کر دیا جاوے خصوصاً اُن اُمور کو جن کا فی الفور انجام دینا یا انتظام کرنا بہ نظر کالج کی بہتری کے جلد تر ضرور ہے تو اجرائے کار اور انتظام کالج اور بہت سی صورتوں میں تعلیم و آسائش طلباء میں دقت پیش آوے گی اس لیے اس مشکل کے رفع کرنے کو چند قواعد مسودۂ قانون میں داخل کیے گئے ۔

منجملہ اُن کے ایک امر متعلق بجٹ کے ہے کالج کی آمدنی و خرچ کا جو بجٹ بنایا جاتا ہے اُس میں بمد آمدنی دو قسم کی آمدنیاں مندرج ہوتی ہیں ۔ ایک وہ جو گورنمنٹ یا میونسپل گرانٹ یا جاگیرات و روزینہ ہائے معینہ والیان ملک و منافع سرمایہ و کرایہ مکانات و فیس تعلیم وغیرہ سے ہوتی ہیں ۔ یہ آمدنیاں خرچ

هوتی هیں ۔ کالج کے افسروں اور ملازموں کی تنخواهوں اور دیگر تمام اخراجات کالج متعلق تعلیم میں اور انهیں آمدنیوں میں سے ایک رقم جس قدر که ممکن هو طالب علموں کی اسکالرشپوں یا وظیفوں کے لیے نامزد کر دی جاتی هے ۔

دوسری قسم آمدنی کی وہ هے جو خیر خواهان قوم هر سال طالب علموں کی اسکالرشپوں یا وظیفوں کے لیے دیتے هیں یا اور کسی طرح پر اس کام کے لیے روپیه حاصل کیا جاتا هے اس قسم کی آمدنیاں به جز اسکالرشپوں یا وظیفوں کے خرچ نہیں هوتیں ۔ فرض کرو که اگر اس قسم کی آمدنیوں میں سے کسی سال بعد خرچ کچھ روپیه بچا تو وہ اور کسی کام میں خرچ نہیں کیا جاتا بلکه اسی کام کے لیے آئنده سال کے لیے خرچ کو محفوظ رکھا جاتا هے ۔

بجٹ کے مرتب هونے کا یه حال هے که اس میں آمدنیاں و خرچ سب به طور تخمینه کے لکھی جاتی هیں جس کا نتیجه یه هوتا هے که کسی سال آمدنی تخمینه کے برابر هوئی ۔ کسی سال کم ، کسی سال زیاده ، یہی حال اخراجات کا هے که به طور تخمینه کے لکھے جاتے هیں ۔ کسی سال اسی قدر خرچ هوتا هے کسی سال کم اور کسی سال زیاده اور کسی سال ایسا ضروری خرچ آپڑتا هے که اس تخمینه سے یا جس کے لیے روپیه تخمینه کیا گیا هے ۔ اس مد میں خرچ زیاده پڑ جاتا هے ۔

یه روپیه کالج هی کے اخراجات کے لیے هے پس اگر کسی مد میں توفیر هوئی اور دوسری میں ضرورت پیش آئی اور توفیر کا روپیه دوسری مد میں خرچ هونا ٹرسٹیوں کی اس قسم کی کارروائی پر منحصر رکھا جاوے جس کا اوپر بیان هوا هے تو اس کی تکمیل میں اس قدر تاخیر هو که کام نه چل سکے اور تمام مقاصد فوت هو جاویں

اسی لیے سیکرٹری کو اجازت دی گئی ہے کہ بہ حالت ضرورت ایک مد کی توفیر کا روپیہ دوسری مد میں خرچ کرے اور درحقیقت وہ دو مد کا روپیہ ہے ہی نہیں کیوں کہ کل روپیہ کالج کے اخراجات کے لیے ہے اور یہ بھی اجازت دی کہ بہ حالت ضرورت سال بھر میں پانسو (۵۰۰) روپیہ تک اخراجات مندرجہ بجٹ سے زیادہ صرف کر سکے ۔

مگر دفعہ ۱۳۱ میں نہایت تاکید ہے کہ جب سیکرٹری نے اس اختیار پر عمل کر لیا ہو تو اُس کو لازم ہوگا کہ اُس کی کیفیت واسطے منظوری کے ٹرسٹیوں کی اجلاس میں پیش کرے ۔

ہماری یہ محنت صرف قوم کی بھلائی کے لیے ہے یہ بات اب تمام ہندوستان میں تسلیم ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کی ایسی حالت ہے کہ جو لوگ درحقیقت پڑھنے والے ہیں اور اُن سے قومی عزت قائم ہونے کی توقع ہے وہ بغیر امداد کے اپنی تعلیم اعلیٰ درجہ تک جاری نہیں رکھ سکتے ۔ کبھی بلکہ اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ بجٹ میں جس قدر روپیہ اسکالرشپوں یا وظیفوں کے لیے تخمینہ ہوا تھا اُس مقدار کے وظیفے اور اسکالرشپیں دے دی گئیں مگر دو ایک طالب علم اشراف خاندان کے لائق اور ذہین قابل تربیت ایسے آئے جو بغیر امداد کے اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے میرے نزدیک فی الفور اُن کی امداد کرنا اگر ہو سکے ۔ ہمارے کالج کا فرض عین ہونا چاہیے ۔ اس لیے دفعہ ۱۳۰ میں سیکرٹری کو اجازت دی گئی ہے کہ اگر گنجائش ہو تو علاوہ ترق مندرجہ بجٹ کے بھی جو اسکالرشپ کے لیے معین ہوئی ہے اسکالرشپ دے سکے ۔

کبھی ایسا اتفاق پیش آتا ہے کہ ایک جماعت میں لڑکے زیادہ ہو گئے اُس کی دو جماعتیں بنانی پڑتی ہیں کبھی ایسا ہوتا

ہے کہ ایک جماعت کے کم استعداد لڑکے علیحدہ اور اچھی استعداد کے لڑکے علیحدہ دو ڈویژن بنانی پڑتی ہیں اور کم استعداد لڑکوں کی استعداد بڑھانے کے لیے جداگانہ انتظام کرنا پڑتا ہے اور اسی قسم کے اور اسباب بھی پیش آتے ہیں اور یہ انتظام ایسے ہیں جن کو فی الفور کرنا چاہیے اس لیے سکریٹری کو اجازت دی گئی ہے کہ اگر کسی اڈیشنل ٹیچر کی ضرورت پیش آوے تو بہ صلاح پرنسپل صاحب کے اڈیشنل ٹیچر بڑھادے ۔

یہ سب کچھ امور نئے نہیں ہیں پندرہ برس سے میں اس پر عمل کرتا چلا آیا ہوں ۔ اب جو مسودۂ قانون میں بتایا گیا اُس میں اسی عمل درآمد کو قانون کی وضاحت میں منتظم کر دیا ہے ۔ لیکن اب سکریٹری کے ان اختیارات سے اختلافات کیا جاتا ہے اور رائے دی جاتی ہے کہ سکریٹری کو یہ اختیار نہ دیے جاویں میں خوش ہوں کہ نہ دیے جاویں ۔ مگر بتاؤ کہ کام کیوں کر چلے ۔

اسی طرح ایک معاملہ تعمیر عمارت کا ہے ۔ میں نے آپ کے سامنے بیان کیا کہ کالج فنڈ کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۹ مارچ ۱۸۷۴ء میں بلا کسی شرط و قید کے مجھ کو تعمیر عمارت کی اجازت دی ۔ اُس وقت سے آج تک میں اپنی رائے اور اپنے مجوزہ نقشہ جات کے مطابق تعمیر کا کام کرتا ہوں ۔ پرانے مکان جو کالج کے احاطہ میں آ گئے اور جن کا قائم رکھنا نامناسب تھا یا جو خارج تعمیر تھے اُن کو منہدم کیا جو قابل ترمیم تھے اُن کو ترمیم کیا نہ کبھی کمیٹی نے اُس میں دخل دیا نہ کسی ممبر نے ۔ اور نہ ممبروں میں کوئی ایسا ہے جو تعمیر کے فن سے واقف ہو ۔ اور نہ تعمیر کا کام ایسا ہے جو مختلف رایوں اور فنِ تعمیر سے ناواقف لوگوں کی رایوں کا زیر مشق کیا جاوے

اب که ایک مکمل مسودۂ قانون تیار کیا گیا تو میں نے اس عمل درآمد کو قانون کی ایک دفعه میں منظم کیا تو اب اُس پر اعتراض کیے جاتے که سکریٹری کو ایسا بڑا اختیار کیوں دیا جاتا ھے ۔ حالاں که یه اختیار صرف میری ذات پر موقوف ھے اور اُس سکریٹری کو جو میرے بعد ھوگا یه اختیار نه ھوگا ۔ اُسی کے ساتھ یه الزام مجھ پر لگایا جاتا ھے کہ میں ایک فنڈ کا روپیه دوسرے فنڈ میں یا ایک خاص عمارت کا روپیه دوسری عمارت میں لگا دیتا ھوں ۔ بس ضرور ھے که میں آپ کے سامنے کالج میں جو فنڈ ھیں اُن کا بیان کروں کالج میں تین فنڈ جداگانه قرار دیے گئے ھیں ۔

ایک کیپیٹل فنڈ ، یعنی سرمایه دوامی کالج ۔ اس فنڈ کا سرمایه کسی طرح خرچ نہیں ھو سکتا ۔ صرف اُس کی آمدنی خرچ ھو سکتی ھے ۔

دوسرا کالج اکسپینسز فنڈ ، یعنی فنڈ اخراجات کالج ۔ اس فنڈ کا روپیه اخراجات ماھواری کالج میں اور اسکالرشپوں یا وظیفوں میں اور اگر گنجائش ھو تو تعمیر کالج میں بھی خرچ ھو سکتا ھے اور یه بھی ھو سکتا ھے که اگر اس فنڈ میں روپیه کی ضرورت ھو تو اس فنڈ سے جس قدر روپیه تعمیر میں خرچ ھوا ھے تعمیر کے فنڈ سے واپس لے لیا جاوے مگر جو روپیه که خاص اسکالرشپوں کے لیے ھے وہ به جز اسکالرشپوں یا وظیفوں کے اور کسی کام میں خرچ نہیں ھو سکتا ۔

سوم بلڈنگ فنڈ ، یعنی فنڈ تعمیر عمارت ۔ اس فنڈ کا روپیه به جز تعمیر عمارت کے اور کسی کام میں صرف نہیں ھو سکتا اور جس قدر روپیه کسی وجه سے اور کسی نام سے تعمیر عمارت کے لیے آوے وہ بلڈنگ فنڈ میں شامل رھتا ھے ۔ یه کہنا که ایک

خاص عمارت کا جو روپیہ آتا ہے وہ دوسری عمارت میں لگا دیا جاتا ہے تعمیر کے کام سے نا واقف ہونے کا سبب یہ ہے ۔ تعمیر عمارت کا سامان متفرق طور پر ہر ایک کمرہ یا دیوار کے لیے جدا جدا مہیا نہیں کیا جاتا لاکھوں اینٹیں تعمیر کے لیے ایک ساتھ مہیا کی جاتی ہیں ۔ یا خریدی جاتی ہیں ۔ ہزاروں من کنکر چونہ کے واسطے ایک دم سے خرید لیا جاتا ہے ۔ سینکڑوں من لکڑی وکوئلہ چونہ پھونکنے کو یک مشت خریدا جاتا ہے ۔ لوہے کے شہتیر ہر ایک کمرہ کے لیے ولایت سے جدا جدا نہیں طلب ہو سکتے بلکہ پچاس پچاس سو سو ایک شامل منگائے جاتے ہیں ٹیک کی لکڑی کلکتہ سے پتھر روپ باس یا دھولپور کی کان سے اکھٹا منگایا جاتا ہے اور اس کا روپیہ بلڈنگ فنڈ سے جس میں ہر ایک عمارت کا روپیہ شامل ہے دیا جاتا ہےاور یہ بالکل واجب و درست ہے ۔ کیوں کہ یہ سامان تمام عمارتوں کے لیے خواہ وہ خاص ہوں یا عام جمع ہوتا ہے اور سب میں خرچ ہوگا اس طرح پر سامان جمع کر کے رفتہ رفتہ مکان تعمیر ہوتے جاتے ہیں جن مکانوں کا پہلے تعمیر ہونا ضرور معلوم ہوتا ہے وہ پہلے تیار ہوتے ہیں جن مکانوں کا بعد بنانا مناسب معلوم ہوتا ہے بعد کو تیار ہوتے ہیں ۔ اس وقت تک جس قدر تعمیر ہو چکی ہے کوئی مکان جس کی خاص تعمیر کے لیے چندہ شروع ہوا ہو اور اس کا چندہ بھی پورا ہو گیا ہو ایسا نہیں ہے جس کی پوری تعمیر نہ ہو چکی ہو بہ جز محمد عنایت اللہ خاں صاحب مرحوم کی بورڈنگ ہاؤس کے کہ انھوں نے اس کی تعمیر کے لیے خاص جگہ مقرر کر دی ہے اور جب تک تعمیر عمارت کا سلسلہ وہاں تک نہ پہنچے اس کی تعمیر غیر ممکن ہے اگر اس طرح پر تعمیر کا کام نہ ہو تو ایک اینٹ بھی دوسری اینٹ پر نہیں رکھی جا سکتی ۔

مجھے اس بات کے کہنے سے شرم آتی ہے کہ یہ میری

محنت اور جان فشانی اور تدبیر تھی جو آپ آج کالج اور بورڈنگ ھاؤس کی اس قدر عالی شان عمارتیں بنی ھوئی دیکھتے ھیں جن کو دیکھ کر نہ صرف ھندوستان کے لوگ بلکہ یورپ اور امریکہ کے سیاح بھی حیران رہ جاتے ھیں جو محنت و مشقت میں نے کی ھے اور جاڑے گرمی برسات میں محنت اٹھائی ھے ۔ قلی کا کام میں نے کیا اور سٹیر کا کام میں نے کیا ھے انجنیر کا کام میں نے کیا ھے اپنا ذاتی روپیہ خرچ کرنے میں دریغ نہیں کیا اس کا صلہ ھمارے دوستوں نے اس پمفلٹ میں جو خاص علی گڈھ میں چھاپ کر مشتہر کر دیا ھے کہ تعمیر کا کام سیکرٹری اس لیے اپنے اختیار میں رکھتے ھیں کہ ان کو بھی نفع کثیر ھوا کرے ۔ جزاہ اللہ ثم جزاہ اللہ ۔ مگر اے دوستو! میں ان باتوں سے رنجیدہ نہیں ھوتا میری قوم نے مجھ کو اس سے بھی زیادہ سخت و سست کہا ھے ۔ اگر قوم کی ایسی بدتر حالت نہ ھوتی تو ھم سب کو قومی بھلائی کی اس قدر فکر کیوں ھوتی ۔ کبھی کبھی میں یہ کہہ اٹھتا ھوں کہ ان اجری الا علی اللہ مگر در حقیقت میں نے اپنی قوم کے لیے جو کچھ کیا ھے اگر فی الواقع کیا ھو تو نہ بہ توقع صلہ قوم کیا ھے اور نہ بہ امید اجر من اللہ ۔

"فاش میگویم و از گفتہ خود دل شادم"
"بندۂ عشقم و از ھر دو جہاں آزادم"

آپ اس بات کو ضرور تسلیم کریں گے کہ ھر ایک کام جو کیا جاتا ھے اس کی دو حالتیں ھوتی ھیں : ایک حالت یہ ھے کہ وہ کام مکمل اور پورا ھو گیا ھے ۔ تمام سامان مہیا ھے اور کوئی چیز جو اس کے لیے ضرور ھے باقی نہیں ۔ دوسری حالت اس کی یہ ھے کہ وہ تکمیل کو نہیں پہنچا اور اس کی ھر ایک چیز تکمیل کو پہونچنی باقی ھے اور سب سے بڑی محتاجی اس کو ایک ایسے شخص یا اشخاص کے وجود کی ھے جو اس کو تکمیل تک پہونچائے ان دونوں حالتوں

میں طریقہ کارروائی بالکل مختلف ہے پہلی حالت میں تم کو اختیار ہے کہ جو قواعد و قوانین چاہو بناؤ ۔ جس کے اختیارات چاہو سلب کرو اور جس کو چاہو عطا کرو ۔ تم کو کچھ بنانا نہیں ہے بلکہ بنی بنائی چیز تمہارے ہاتھ میں ہے بجز اس کے کہ تم اُس کو حفاظت سے رکھو اور کچھ تمہارا کام نہیں ہے ۔

مگر دوسری حالت اس سے بالکل مختلف ہے پہلے اُس چیز کا پیدا کرنا ہے اور پھر اُس کے بعد اُس کی حفاظت کی فکر کرنی ہے ۔ ہمارے کالج کی حالت ابتدائی حالت سے کچھ ہی آگے بڑھی ہے ابھی اس کے لیے بہت کچھ کرنا باقی ہے ۔ پس اگر تم ایسی باتیں کرنی چاہو جو اُس کے مکمل ہو جانے کے بعد کرنی زیبا ہیں تو اس کے ساتھ سلوک نہیں کرتے بلکہ دشمنی کرتے ہو ۔

لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے کہ کالج نے بہت سا روپیہ جمع کر لیا ہے اور اس کے پاس بہت کچھ سرمایہ ہے جس سے کالج بغیر کسی تکلیف اٹھائے چل سکتا ہے ۔ اس وقت تک کالج کی آمدنیاں بجز معدود کے ایسی ہی بے بھروسہ ہیں جیسی کہ اُن اسکولوں کی آمدنیاں ہیں جن پر ہم طعنہ کرتے ہیں اور وہ آمدنیاں بھی اخراجات کے لیے کافی نہیں ۔ ہر مہینے کی پہلی تاریخ ایک آفت کی گھڑی ہوتی ہے اور گھنٹوں تک اس رنج و فکر میں پڑا رہنا پڑتا ہے کہ لوگوں کی تنخواہیں کس طرح اور کہاں سے تقسیم کی جاویں ۔ اس سال بجٹ میں دو ہزار روپیہ کا خرچ آمدنی سے زیادہ تخمینہ ہوا ہے اُس پر یہ آفت مزید پیش آئی ہے کہ متوقع ہے ۔ اس سال آمدنی متوقع سے جو یقینی قابل وصول تھی چار ہزار روپیہ کم وصول ہوگا ہم تو ان فکروں میں پڑے ہیں کہ کیا ہوگا اور کیوں کر کام چلے گا ہمارے داؤں خدا پر بھروسہ کرتے ہیں اور ہمارے دوست بے فکر بیٹھے رائے دے رہے ہیں کہ یورپین اسٹاف

سے یہ معاهدے کرنے چاهئیں اور اس طرح ایک کمیٹی لنڈن میں قائم کرکے اس کی معرفت یورپین سٹاف کو نوکر رکھنا چاهیے ۔ کس بوتے پر یہ رائیں بتائی جاتی هیں ۔ همارے پاس کیا هے جو هم ایسا کر سکیں هم ایسی رایوں سے گو وہ عمدہ هی کیوں نه هوں باز آئے هم کو تو وہ طریقه بتاؤ جس سے موجودہ حالت میں کام چلے ۔

اسی برسات میں همارے دوست ڈاکٹر موریائی سول سرجن نے جن کی سپردگی میں بورڈروں کا علاج هے حکم دیا که بورڈروں کی صحت کے لیے پانی کا نکاس بورڈنگ هاؤس اور اس کے اطراف سے فی الفور بنایا جاوے ۔ ایک آرڈر واسطے مهیا کرنے دواؤں کے جو ولایت سے منگائی تهیں بهیجا تاکه بورڈنگ هاؤس میں دوائیں موجود رهیں ۔ نه کمیٹی میں روپیه موجود هے که هزار بارہ سو روپیه خرچ کرکے پانی کا نکاس بنائے نه شفاخانه کے فنڈ میں گنجائش هے که دواؤں کی قیمت ادا کرے پس یا تو ان سب کاموں کو جس طرح جانو انجام دو یا بورڈروں کو جن کے ماں باپ نے اپنے پیارے لخت جگروں کو همارے بهروسه پر اپنی آغوش محبت سے جدا کرکے اس قدر دور و دراز فاصله پر بهیج دیا هے معرض هلاکت میں ڈالو ۔ همارے دوست بیٹهے هوئے نکته چینیاں کرتے هیں که کم بخت سکریٹری کو فلاں اختیار کیوں دیا جاتا هے ۔ کیوں بلا اجازت کمیٹی وہ کام کر بیٹهتا هے ۔ ارے صاحب جو حالت موجودہ کالج کی هے بغیر اس کے کام چل هی نهیں سکتا ۔ تم کالج کو پهلے مستقل اور مستغنی هونے دو پهر جو تمهارا دل چاهے اس کے لیے قواعد بناؤ ۔

کالج کی تعمیر کے فنڈ میں ایک پیسه موجود نهیں هے اور بعض مکانوں کا تعمیر کرنا اور هر سال مرمت طلب مکانات کا مرمت کرنا

ایسا ضرور ہے جس کے انجام کے بغیر چارہ ہی نہیں کم بخت سکریٹری بھیک مانگ مانگ کر روپیہ جمع کرتا ہے اپنا ذاتی روپیہ خرچ کرتا ہے اور اپنی ذاتی ذمہ داری پر دستاویز لکھ کر روپیہ قرض لیتا ہے اور اُن ضروری کاموں کو پورا کرتا ہے ۔ کالج کے خزانہ میں ایک پیسہ تعمیر فنڈ کا تو موجود نہیں ہے اور ہمارے دوست قواعد تجویز کرتے ہیں کہ تعمیر میں خرچ کرنے کا سکریٹری کو اختیار نہ ہو ۔ ارے صاحب تم پہلے خزانہ میں روپیہ تو جمع کرو پھر قواعد بھی بتانا سکریٹری کو نکال دینا اور جو چاہو سو کرنا ۔

سب سے بڑی ضرورت اس وقت قوم کی بھلائی کے لیے طالب علموں کو اخراجات تعلیم میں وظیفوں یا اسکالرشپوں سے امداد کرنا ہے۔امیروں کے لڑکوں سے بہت کم توقع ہے کہ وہ باعتبار علم و فضل کے قوم کے فخر کے باعث ہوں گے ۔ اگر کچھ توقع ہے تو اشراف خاندانوں کے لڑکوں سے ہے مگر افسوس سے یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ بغیر امداد کے وہ اپنی تعلیم پوری نہیں کر سکتے ۔ کالج کے پاس بجز قلیل بلکہ نہایت قلیل سرمایہ کے کوئی فنڈ اسکالرشپوں یا وظیفوں کے لیے نہیں ہے ۔ ہر سال سکریٹری کو بھیک مانگنی پڑتی ہے دوستوں سے سوال کرنا پڑتا ہے کہ دوست بھی ہر روز کے سوال سے تنگ ہو جاتے ہیں ۔ کتابیں بیچ کر کتابوں کے بیچنے کی دوکان کرکے ۔ تھیٹر میں ناچ گا کر سوانگ بھر کر کچھ روپیہ اسکالرشپوں کے لیے جمع کرنا پڑتا ہے اور پھر آئندہ سال کے لیے فکر لگی رہتی ہے ۔ یہاں ہمارے دوست کہتے ہیں کہ کہیں دنیا میں ایسا بھی ہوا ہے کہ سکریٹری اُس سے زیادہ جس کی اجازت کمیٹی نے دی ہے ۔ کوئی اسکالرشپ یا وظیفہ کیسی ہی ضرورت ہو دے سکے ۔

ارے صاحب ! تم پہلے اپنے خزانہ میں اسکالرشپوں اور وظیفوں کے لیے روپیہ تو جمع کر لو پھر کسی کو خرچ کرنے مت دو ۔

ہمارے دوست بعوض اس کے کہ ان مشکلات کو حل کرنے اور اس کا سامان مہیا کرنے پر کوشش کریں ان سب مشکلات کا الزام بھی مجھ پر رکھتے ہیں ۔ کوئی تو کہتا ہے کہ کالج میں یورپین اسٹاف کا خرچ بہت بڑھا دیا ہے ۔ تعلیم یافتہ بنگالی تھوڑی تنخواہ پر آ سکتے ہیں اور بخوبی پڑھا سکتے ہیں اور طالب علموں کو یونی ورسٹی کی ڈگریاں پاس کرا دیں گے اور کیا چاہیے دیکھو فلاں کالج میں صرف بنگالی ہیں ایک انگریز نہیں ہے اور کس قدر طالب علم ہر سال ایف ۔ اے ۔ اور بی ۔ اے ۔ میں پاس ہوتے ہیں ۔

بعض دوست کہتے ہیں کہ نہیں یورپین اسٹاف کا ہونا ضرور ہے ۔ ہم اُس کے مخالف نہیں مگر نالائق سکریٹری نے یورپین سٹاف کی تنخواہیں زیادہ کر دی ہیں اس سے کم تنخواہ پر یورپین پروفیسر بآسانی مل سکتے ہیں ۔ کیا تم اس پر یقین کر سکتے ہو اور کیا بغیر ایسے یورپین سٹاف کے جو پورا جنٹلمین ہو آپ اپنی قوم کی کچھ بھلائی اور بہتری کر سکتے ہو ۔ میں کہتا ہوں کہ جس اسکیل پر اور جس نتیجہ کی اُمید پر ہم نے کالج قائم کیا ہے اگر اُس نتیجہ کے حاصل ہونے کی ہم کو امید نہ ہو یا اُس نتیجہ کے مخالف آثار قائم ہوں تو کالج کا قائم رکھنا اور ہم کو اس قدر محنت و جانکاہی کا برداشت کرنا محض فضول ہے ۔ ممکن نہیں ہے کہ بغیر عمدہ اور معزز جنٹلمین اسٹاف کے ہم اپنی قوم کو جنٹلمین بنا سکیں ۔

ایک اور امر ہے جس کا حل کرنا کچھ آسان نہیں ہے اور وہ کالج میں اسٹاف کا مقرر کرنا ہے ۔ تعلیم کی ذمہ داری بتمامہ پرنسپل پر ہے ۔ فرض کرو کہ ایک ٹیچر یا ماسٹر کو ٹرسٹیوں نے کالج یا اسکول میں مقرر کیا مگر پرنسپل اُس کو لائق نہیں سمجھتا اور اُس کے کام کو پسند نہیں کرتا ۔ یہ بھی فرض کر لو پرنسپل کی رائے

غلط ہے اور وہ شخص نہایت لائق ہے مگر جب پرنسپل کو اُس پر طمانیت نہیں ہے تو یا تو اُس ماسٹر یا ٹیچر کی جگہ دوسرے شخص کو مقرر کرو اور اگر دوسرے کی نسبت بھی یہی امر پیش آوے تو تیسرے شخص کو مقرر کر دو ۔ علیٰ ھذالقیاس یا پرنسپل پر جو تعلیم کی ذمہ داری ہے اُس ذمہ داری سے اُس کو بری کرو ۔

یہ امور کچھ ہمارے ھی کالج میں پیش نہیں آتے بلکہ گورنمنٹ کالجوں میں بھی بعض اوقات پیش آتے ھیں مگر گورنمنٹ کے پاس بہت بڑا کارخانہ تعلیم کا ہے ۔ وہ بآسانی ایک کی جگہ خواہ وہ یورپین ھو یا ھندوستانی دوسرے کو تبدیل کر دیتی ہے ایسی حالت میں ھم کیا کریں ہمارے پاس تو وھی ڈھاک کے تین پات ھیں ۔

اس مشکل کے رفع کرنے کو ایک قاعدہ بنایا گیا ہے کہ اگر کسی ھندوستانی پروفیسر یا ٹیچر کی ضرورت پیش آوے تو سکریٹری اور پرنسپل دونوں متفق ھو کر کسی شخص کو نامزد کریں اور ٹرسٹیوں کے اجلاس میں اُس کی منظوری ھو اور اگر یورپین پروفیسر کی ضرورت ھو تو پرنسپل اور سید محمود جن کے ذریعہ اور تجویز سے تمام یورپین پروفیسر بلائے جاتے ھیں اور موجودہ سکریٹری تین شخص متفق ھو کر اُس کو نامزد کریں اور ٹرسٹیوں کی منظوری سے وہ مقرر ھو ۔

مگر یورپین پروفیسروں کی نسبت جب وہ ولایت سے بلائے جاتے ھیں ایک یہ مشکل پیش آ جاتی ہے کہ کالج میں تو ضرورت ہے کہ وہ پروفیسر جو منتخب کیا گیا ہے تار برق بھیج کر بلایا جاوے تاکہ نہایت جلد کالج میں پہونچے اور وہ پورا اطمینان چاھتا ہے کہ وہ بلا کسی شبہ و شک کے اُس عہدہ پر مقرر ھو گیا ہے پس اُس کا بلانا اور اس کو اُس عہدہ پر مقرر ھونے سے مطمئن کرنا ٹرسٹیوں کے اجلاس اور اُن کی منظوری پر منحصر کیا جاوے تو یہاں تعلیم کا

کام ابتر ہوا جاتا ہے اور طالب علم بغیر موجود ہونے پروفیسر کے مارے مارے پڑے پھرتے ہیں اور اُن کا پڑھنا بند ہے اور یونی ورسٹی کے امتحانوں کے لیے تیار نہیں ہو سکتے اور ہم اُس وقت تک کہ ٹرسٹیوں کا با ضابطہ اجلاس ہو اور ایک مہینہ پیشتر تاریخ اجلاس سے اور جو امر اجلاس میں پیش ہوگا اُس سے ٹرسٹیوں کو اطلاع دیں کچھ نہیں کر سکتے ۔ اس مشکل کے رفع کرنے کو ایک قاعدہ بنایا گیا ہے اگر کوئی یورپین جو ولایت میں ہو اور اس کا جلد تر بلانا کالج کی اغراض کے لیے ضرور ہو تو اُن تین شخصوں یعنی پرنسپل اور سید محمود اور موجودہ سکریٹری کا انتخاب ایسا ہی تصور ہوگا کہ گویا ٹرسٹیوں نے اُس کا تقرر منظور کر لیا ہے آج تک اسی طرح پر برابر ہوتا رہا ہے اب میں نے اسی عمل درآمد کو مسودۂ قانون میں داخل کیا ہے ۔ اُس پر اعتراض ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ سب اختیار ٹرسٹیوں کو ہونے چاہئیں ۔ اچھا صاحب ٹرسٹیوں ہی کو ہونے چاہئیں ۔ مگر بتاؤ تو سہی کہ ٹرسٹی کس طرح سے ٹیچروں اور ماسٹروں اور پروفیسروں کو منتخب کریں گے اور یہ تمام مشکلات جو تعلیم میں پڑتی ہیں کیوں کر رفع ہوں گی اور کالج کا کام کس طرح چلے گا ۔

سب سے زیادہ مشکل کام جو بالفعل کالج میں ہے وہ یورپین اسٹاف کا ولایت سے بلانا اور کالج میں رکھنا ہے اب اُن مشکلات پر غور کرنا چاہیے جو ہم کو ولایت سے معزز و قابل یورپین پروفیسروں کے میسر آنے میں پڑتی ہیں ۔

کالج اُن کو اس قدر تنخواہ نہیں دے سکتا جس قدر کہ اُسی حیثیت کے یورپین افسروں کو گورنمنٹ سے یا موجودہ ایڈ ڈ کالجوں سے اُسی حیثیت کے پرنسپل یا پروفیسر کو ملتی ہے ۔

ہمارے کالج کی ملازمت میں نہ اُن کو ترقی کی امید ہے نہ پنشن کی ۔

ہمارا کالج ایک ہندوستانیوں کی کمیٹی کے ماتحت ہے جو ایک ڈسپاٹک اختیار تمام ملازموں پر رکھتی ہے اور اگرچہ یہ کہنا ایک افسوس کی بات ہے مگر جب کہ واقعی ہے تو کہنے میں کچھ شرم نہیں ہے کہ ایک یورپین جنٹلمین ایک ہندوستانی کمیٹی پر کس قدر اعتماد و طمانیت رکھ سکتا ہے ۔

ہمارے کالج کو اس قدر مقدور نہیں ہے کہ ہم یورپین افسروں سے کسی مدت کے لیے کوئی معاہدہ کریں ۔ معاہدہ میں اُس کے ایفاء کے لیے کسی بنک کی ضمانت درکار ہوگی اور کوئی بنک ضمانت نہیں کر سکتی جب تک کہ اُس قدر روپیہ جو تخلف معاہدہ کی صورت میں لینا پڑے نقد اُس کے پاس امانت نہ کر دیا جاوے یا اُس قدر مالیت کے پرامیسری نوٹ اُس کے نام انڈارس منٹ ہو کر اُس کے سپرد نہ کر دیے جاویں ۔ ہمارے کالج کو اس قدر استطاعت نہیں ہے کہ اس طرح پر کوئی معاہدہ کرکے ضمانت دے سکے۔

معہذا ۔ ہمارے کالج کے لیے ایسے پروفیسروں کا ہونا جو اس قسم کا معاہدہ کرکے آویں محض بےسود ہے ۔ ہمارے کالج میں تو ایسے یورپین جنٹلمین افسروں کی ضرورت ہے جو تعلیم سے خود شوق رکھتے ہوں اور اُن کے دل میں اس بات کا خود شوق ہو کہ ایک درماندہ قوم کو جو کسی زمانہ میں علم و فضل میں بھی بلند نام تھی ۔ پستی کی حالت سے نکال کر علم کی ترقی کے درجے تک پہونچائے۔ بلاشبہ ایسے لوگ ملنے نہایت مشکل ہیں ۔ مگر میں نہایت خوشی اور فخر سے کہتا ہوں کہ کل موجودہ یورپین اسٹاف یہی فیلنگ رکھتا ہے بشرطیکہ ہم اس کے ساتھ ایسی ہی دوستانہ فیلنگ برتیں جیسی کہ وہ ہمارے ساتھ برتتے ہیں اور اس سے زیادہ اُن کا اعزاز و ادب کریں جتنا کہ وہ ہم سے چاہیں ۔

ایسے کام کے لیے جیسا کہ ہمارا کام ہے اگریمنٹ سے بد تر کوئی چیز نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ اپنا فرض صرف اس قدر سمجھے گا کہ شرائط معاہدہ کو پورا کرے ۔ ہم ہر وقت اس تاک میں رہیں گے کہ شرائط معاہدہ پوری ہوئیں یا نہیں اس طرح کی تاک جھانک سے تعلیم نہیں ہو سکتی ہم کو تو ایسا دل چاہیے جو ہماری قوم کو تعلیم دے ایسا دل ہاتھ آتا ہے محبت اور دوستی سے نہ کسی اگریمنٹ اور معاہدہ سے ۔

جب اسکول جاری ہوا ہم کو یورپین مگر ایک جنٹلمین ہیڈ ماسٹر کا ملنا مشکل تھا حالاں کہ یورپ سے بلانا نہ تھا بلکہ ہندوستان ہی میں سے تلاش کرنا تھا مگر ہرگز ہم کامیاب نہ ہوتے اگر ہمارے اور ہمارے کالج کے دوست مسٹر کے ڈیئن توجہ نہ کرتے ۔ اُنھوں نے مسٹر سڈنس کو اور اس کے بعد مسٹر نسبٹ کو جو اتفاقیہ ہندوستان میں موجود تھے بلایا ۔ اُن لوگوں کو مسٹر ڈیئن پر بھروسہ تھا جو ہمارے کالج کی کمیٹیوں کے سلسلے میں پریسیڈنٹ کمیٹی ڈریکٹر آف سکولرلرننگ اینڈ ویریس لینگوجز تھے ۔ اور مسٹر ڈیئن کو جو میرے بہت پرانے دوست ہیں میری ذات پر طمانیت اور پورا بھروسہ تھا ۔ مسٹر ہوسٹ ہماری خوش قسمتی سے اور بعض تقدیری واقعات سے ہمارے ہاتھ آ گئے ہیں ورنہ اُن کا ہمارے کالج میں آنا ممکن نہ تھا ۔

اس کے بعد کالج کو ایسی ترقی ہو گئی تھی کہ اس کے لیے پرنسپل یا پروفیسر کا ہندوستان میں تلاش کرنا عبث تھا اور بغیر اس کے کہ ولایت سے اور ولایت کی یونی ورسٹیوں کے گریجویٹ کو بلائیں کام ہی نہیں چل سکتا تھا ۔ ہمارا مقصد پورا ہونے کو صرف گریجویٹ ہی ہونا کافی نہ تھا بلکہ ایک معزز خاندان کا اور ایک ایسے جنٹلمین مزاج کا ہونا بھی ضرور تھا جو ہم سے دوستانہ یا

برادرانہ برتاؤ اور ہماری قوم کے بچوں پر پدرانہ شفقت رکھنے کے
لائق ہو ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر سید محمود اس کام
کو اپنے ذمہ نہ لیتے اور اُس کا انتظام نہ کرتے ایک شخص بھی ہم
کو ولایت سے میسر نہ آتا ۔ جو لوگ ولایت سے آئے صرف
سید محمود کی دوستی پر طمانیت کرکے اور سید محمود کے سبب سے
مجھ پر طمانیت کرکے اور اس یقین پر کہ اُن کو صرف انھیں دو
شخصوں سے سرو کار رہے گا بلا کسی اگریمنٹ کے ہمارے کالج میں
آئے ۔ ایک یورپین جنٹلمین نے جس نے ہمارے کالج میں آنے کا
ارادہ کیا تھا ولایت میں سر جاف اسٹریچی سے پوچھا کہ مجھ کو
کن شرطوں پر جانا مناسب ہوگا ۔ سر جان نے جواب دیا کہ کالج
سید احمد کے ہاتھ میں ہے اُس پر پوری طمانیت رکھنا سب سے
عمدہ شرط ہے ۔ ہر شخص ہر ایک کام کے انجام دینے کا دعویٰ
کر سکتا ہے مگر مجھ کو بھی کالج سے کچھ تعلق ہے اور کالج کے
ساتھ تھوڑی یا بہت ہم دردی ہے ۔ مجھ کو بھی تو سمجھنا چاہیے
کہ جس کام کے انجام کرنے کا وہ دعویٰ کرتا ہے کیوں کر وہ اُس کو
انجام دے سکتا ہے ۔ میرا یہ دلی یقین ہے کہ اگر آئندہ ہم کو کسی
یورپین پروفیسر کا ولایت سے بلانا ہو اور سید محمود واسطہ نہ ہوں
اور نیز موجودہ یورپین افسر اس شخص کو ہمارے برتاؤ سے جو ہم
کالج کے یورپین افسروں کے ساتھ رکھتے ہیں مطمئن نہ کریں
تو محالات سے ہے کہ کوئی شخص بھی ولایت سے آئے ہر شخص کو
اختیار ہے کہ کہہ دے کہ میرے یہ خیالات غلط ہیں اور توہمات ہیں
سینکڑوں گریجویٹ ولایت کی یونیورسٹیوں کے مارے مارے پھرتے
ہیں اور ایک تار برق پر آ سکتے ہیں مگر میں اُس پر یقین نہیں
کر سکتا اور نہ میں اپنی ایمان داری سے کالج کو ایسی حالت میں
چھوڑ سکتا ہوں جس سے مجھ کو یقین اُس کی آئندہ کی خرابی اور
ابتری کا ہو ۔

یورپین افسر جب ہمارے کالج میں آئے تو اُنھوں نے دیکھا کہ ایک کمیٹی کالج پر حکومت کرتی ہے جس میں مختلف مزاج ، مختلف طبیعت اور مختلف سویلزیشن کے لوگ شامل ہیں اور پانچ آدمی جو نہ انگریزی جانتے ہیں اور نہ انگریزوں کی ضروریات و حالات سے واقف ہیں ہر ایک امر کا فیصلہ کر دیتے ہیں بلاشبہ اُن کو تردد ہوا کہ موجودہ سکریٹری کے بعد کون سکریٹری ہوگا اور اس کے ساتھ ہم مل کر کالج کا کام بہ طمانیت کر سکیں گے یا نہیں ۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ان کا یہ خیال کچھ ناواجب نہ تھا اسی کے ساتھ بدبختی سے ایسے امور پیش آئے جس سے اُن کو عدم طمانیت کا خیال زیادہ پختہ ہو گیا بلکہ درجۂ یقین کو پہونچ گیا ۔ کسی کے یہ کہہ دینے سے کہ اُن کے یہ خیالات صرف توہمات ہیں اُن کے دل کو طمانیت نہیں ہو سکتی ۔ اُن کی یہ خواہش نہ تھی نہ وہ اُس میں مداخلت کرنا چاہتے تھے کہ موجودہ سکریٹری کے بعد کون سکریٹری ہو ۔ مگر بلاشبہ اُن کی خواہش یہ تھی کہ یہ بات معلوم ہو جائے اور ابھی اُس کا تصفیہ ہو جاوے کہ موجودہ سکریٹری کے بعد کون سکریٹری ہوگا اُس کے بعد وہ اپنے حال کا خود تصفیہ کریں گے اگر وہ سمجھیں گے کہ اُس کے ساتھ وہ مل کر کالج کا کام بہ طمانیت کر سکتے ہیں کریں گے ورنہ خدا حافظ کہہ کر اپنے لیے کوئی راستہ اور اختیار کریں گے بے شک اُن کا یہ خیال ہے کہ اگر سید محمود آئندہ سکریٹری ہوں تو وہ یہ طمانیت جب تک خدا چاہے کالج کا کام کر سکیں گے ۔

اُنھوں نے اپنے اس خیال کو پوشیدہ نہیں رکھا اس ضلع کے یورپین دوستوں اور اُن یورپین دوستوں سے جو ہمارے کالج کے بے انتہا دوست اور ہمارے کالج کے ہر گونہ ترقی کے خواہاں ہیں سب پر ظاہر کیا ۔

میرے کل یورپین دوستوں نے صلاح دی کہ کالج کی بہتری کے لیے نہایت ضرور ہے کہ یورپین اسٹاف کو کافی طاقت سے رکھا جاوے اور تم کو بہ نظر بہتری کالج کے ضرور ہے کہ بہت جلد اس بات کا تصفیہ کر دو کہ تمہارے بعد سید محمود کالج کے لائف سکریٹری ہوں گے ۔

اس خاص معاملہ میں یورپین دوستوں کی رائے و مصلحت کو بہ نسبت کسی ہندوستانی دوست کے زیادہ وقعت کی سمجھتا ہوں اور بے شک اُن کی مصلحت کو کالج کی آئندہ حالت کے لیے زیادہ مفید سمجھتا تھا لیکن اس سبب سے کہ سید محمود میرے فرزند ہیں اُس میں مجھ کو تامل ہو جاتا تھا ۔

علاوہ اُس کے میرا بھی یہ فرض تھا کہ میں اس بات کی بھی فکر کروں کہ میرے بعد کالج کا کیا حال ہوگا یہ کہہ دینا کہ خدا پر چھوڑ دو بڑے بڑے دین داروں کا کام ہے میں تو دنیا کا ایک آدمی ہوں اور دنیا کے انتظام کی پابندی سے آئندہ کے انتظام کا خیال ایک قدرتی امر ہے جو ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے ۔ کالج اب ایک اسکول نہیں رہا ہے جس کا کام ہماں شماں چلا لیں اب خدا کے فضل سے وہ اعلیٰ درجہ تک ترقی کر گیا ہے ۔ ایم ۔ اے ۔ کلاس تک اُس میں پڑھائی ہوتی ہے ، یونی ورسٹی الہ آباد نے اس کو اعلیٰ درجہ کا کالج تسلیم کرکے اُس کے پرنسپل کو جو کوئی ہو بذریعہ عہدۂ پرنسپلی سنڈیکیٹ کا ممبر تسلیم کیا ہے ۔ ایسے کالج کا کام چلانے کے لیے ایک ایسے شخص کا سکریٹری ہونا لازم ہے جو خود انگریزی علوم اور یورپین سینز و لٹریچر سے کما حقہ واقف ہو اور انگریزی تعلیم کو سمجھتا ہو تعلیم کے کے معاملہ میں پرنسپل کے ساتھ صلاح و مشورہ میں شریک

هو سکتا هو خود اس بات کو جان سکے که کالج میں تعلیم کی کیا حالت ہے ۔ اگر کچھ نقص هوں تو اُن کے سمجھنے اور اصلاح کرنے پر قدرت رکھتا هو ۔ پرنسپل کا جو همارے کالج کی طرف سے یونی ورسٹی میں بطور کالج کے ریپریزنٹیٹو کے قرار دیا گیا ہے ۔ یونی ورسٹی میں تجویزیں پیش کرنے میں جو مسلمانوں کی تعلیم سے بالخصوص علاقه رکھتی هوں مشیر هونے کی لیاقت رکھتا هو ۔ کالج کے معاملات میں تمام خط و کتابت جو ڈریکٹر پبلک انسٹرکشن سے ، گورنمنٹ سے ، گورنمنٹ انڈیا سے ، تعلیم کی نسبت اور بالتخصیص مسلمانوں کی تعلیم کی نسبت هوتی هیں اُن کو انجام دے سکے ۔

میں خود اقرار کرتا هوں که مجھ میں ان تمام کاموں کے انجام دینے کی لیاقت نہیں ہے صرف سید محمود کی امداد سے وہ انجام پاتے هیں امداد کا لفظ بھی صحیح نہیں ہے بلکه یه کہنا چاهیے که اُن سب کو سید محمود انجام دیتے هیں پرنسپل صاحب کالج کے تعلیمی معاملات میں سید محمود سے مشورہ کرتے هیں یونی ورسٹی کے معاملات میں سید محمود سے مشورہ کرتے هیں ۔ همارے دفتر کو دیکھو تو معلوم هوگا که تمام امپارٹنٹ چھٹیاں متعلق کالج اُن کی لکھی یا لکھوائی هوئی موجود هیں ۔

ایک اور امر ہے جس کو میں بہت بڑا عظیم الشان سمجھتا هوں گو اور لوگ اس کو حقیر سمجھیں که یه کالج جس مقصد اور جس پالیسی سے میں نے قائم کیا ہے اور جس نتیجه قومی ترقی پر میں نے اُس پر محنت کی ہے میرے بعد بھی اُسی طرح اور اُسی نتیجه پر یه کالج چلے ۔ سید محمود ابتداء سے آج تک ان تمام اصلاحوں میں شریک غالب رہے هیں اور مجھ کو اس بات کا یقین کامل ہے که سوائے سید محمود کے اور کوئی شخص کالج کو اُس

طریقہ پر نہیں چلا سکتا ۔ کہہ دو کہ یہ تمہارا خیال غلط ھے مگر میں اُسی بات کے کرنے پر مجبور ہوں جس پر مجھ کو یقین ھے مگر ہاں ایک مدت بعد جب بخوبی مستحکم ہو جاوے گا تو ہر کوئی چلا سکے گا ۔

ان تمام واقعاتِ واقعی اور اموراتِ حالی اور حالاتِ وجدانی نے مجھ کو آمادہ کیا کہ میں مسودہ مجوزہ میں سید محمود کو اپنی زندگی تک جائنٹ سکریٹری، جس کا در حقیقت ابتداء سے وہ کام کرتے ھیں اور اپنے بعد لائف آنریری سکریٹری مقرر کروں ۔ میں سمجھتا تھا کہ ایسا کرنے میں لوگ مجھ کو ہر طرح کے طعنے دیں گے ۔ اور کوئی بدگمانی اور کوئی اتہام ایسا نہ ہوگا جو مجھ پر نہ کریں گے، میں نے کہا کہ اگر میں قوم کی اور کالج کی بہتری اس میں سمجھتا ہوں اور اُس پر یقین کرتا ہوں اور صرف اپنی طعنہ زنی کے خوف سے اس کو نہ کروں تو مجھ سے زیادہ کوئی بد دیانت اور دغا باز اور قوم کا دشمن نہ ہوگا ۔ پس میں نے کیا جو میں نے کیا اور لومۃِ لائم کا خوف نہیں کیا ۔ میری نیت کا فیصلہ کرنے والے میرے دوست نہیں ھیں جو بے ہودہ باتیں بناتے ھیں بلکہ اس کا فیصلہ کرنے والا ایک دوسرا حاکم ھے جو میری نیت یاء بد نیتی اور اُن کے ظن یا بد ظنی کا فیصلہ کرے گا ۔ و ھو احکم الحاکمین ۔

اسی زمانہ میں ہمارے دوست مسٹر ڈیئن نے جو ہماری کالج کمیٹی ڈائریکٹران کے ممبر ھیں اور جب وہ ھندوستان میں تھے تو پریذیڈنٹ تھے، اسی معاملہ میں ولایت سے مجھ کو ایک چٹھی لکھی ھے جس کا انتخاب میں آپ کو سناتا ہوں اور وہ چٹھی یہ ھے :

مائی ڈیئر سید احمد

میں افسوس سے، مگر تعجب سے نہیں ، سنتا ہوں کہ مولوی سمیع اللہ خاں آپ کی کوششیں ،جو کالج کو مضبوط کانسٹیٹیوشن بنانے کے لیے ہیں،روکنا چاہتے ہیں اور میں بآسانی سمجھ سکتا ہوں کہ آپ کی خواہش محمود کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے لیے ہے اور آپ اُس پر زور دینے سے اس لیے ڈرتے ہیں کہ خود غرضی نہ پائی جاوے ۔ لیکن تمام لوگ جن کے دل میں کالج کی بہتری کا خیال ہے اور حالت کے سمجھنے کے قابل ہیں اس اہم کام میں اتفاق کریں گے کہ آپ کا جانشین محمود کو کیا جاوے،گو میں جانتا ہوں کہ اس بات کو کئی سال چاہئیں جب کہ وہ اپنے فرائض کا چارج لیں ۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھے معاف کریں گے اگر میں یہ کہوں کہ آپ کا فرض ہے کہ کل تعلقات رشتہ داری کو جو مابین آپ کے اور سید محمود کے ہیں، ایک طرف کر کے نہایت مستعدی سے اس بات پر زور دیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ وقت کالج کے لیے نہایت خطرناک ہے اور اُس کی آئندہ حالت آپ کی کارروائی پر منحصر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں آپ کو تاکید سے کہتا ہوں کہ آپ مضبوط ہو کر کانسٹیٹیوشن کے جاری ہونے پر پورا زور دیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور مجھ کو نہایت رنج ہوگا اگر آپ اُس طریقے سے جو آپ نے شروع کیا ہے، باز رہیں گے ۔

مقام ڈیپٹ فورڈ لنڈن ۔ میں ہوں آپ کا قدیم سچا دوست

۸۔ اگست ۱۸۸۹ء   کے ڈیٹن

جس طرف سے اس تجویز کی مخالفت کی ھوا چلی مجھ کو ھرگز یقین نہ تھا کہ اس طرف سے یہ ھوا چلے گی ۔ تمام لوگ جو کالج کی محنتوں میں میرے سکریٹری ھونے کی حالت میں شریک تھے ۔ وہ اُس وقت بھی شریک رہ سکتے تھے اور مدد کر سکتے تھے جب کہ سید محمود سکریٹری ھوتے مگر افسوس ھے کہ مخالفت ھوئی اور ایسی بری طرح پر جس نے نہ اشخاص کو بلکہ قوم کو بدنام کیا ۔ مخالفت رائے سے نہ رھی بلکہ عداوت اور ذاتیات تک نوبت پہنچ گئی ۔ رسالے چھپے ، اخباروں میں آرٹیکل چھپے ، انگریزی میں پمفلٹ چھاپ چھاپ کر ھندوستان میں تقسیم ھوئے ۔ اور کوئی درجہ مخالفت کا باقی نہیں چھوڑا اور بقول پایونیر کے ثابت ھو گیا کہ مسلمانوں میں یہ قابلیت نہیں ھے کہ کوئی بڑا کام اتفاق سے کر سکیں ۔

انھیں تحریرات پر قناعت نہیں کی بلکہ ایک گروہ مخالفین کا قائم کیا اور میٹنگ کی اور جائز و نا جائز طریقے سے اُس میں لوگوں کو شریک کیا ۔ اُس نا جائز کمیٹی کی روئدادیں چھاپ کر مشتھر کیں ۔ اور چند رزولیوشن پاس کیے جس میں لکھا ھے کہ بالاتفاق پاس ھوئے ھیں ۔

آپ کو اس بات کے سننے سے تعجب ھوگا کہ ان لوگوں میں جن کی اتفاق رائے سے اُن رزولیوشنوں کا پاس ھونا لکھا ھے محمد عبدالشکور خاں صاحب رئیس بھیکم پور بھی ھیں جو شریک تھے ۔ محمد عبدالشکور خاں صاحب نہایت متین اور قابل ادب بزرگ ھیں اُن کی ذات سے اس ضلع کے شیروانی افغانوں کو فخر ھے ۔ اُنھوں نے مجھ کو لکھا ھے ”کہ غرض انعقاد اس جلسہ کی صرف غور اور مشورہ کرنا قواعد مسودہ ٹرسٹیان پر تھا نہ کسی قواعد مسودہ مذکور کا پاس پانا ، منظور کرنا ۔ مگر اُس روئداد میں متعدد

رزولیوشنوں کا پاس ہونا لکھا ہے جن میں بہت سی دفعات کو نامنظور کیا ہے ۔

نسبت سید محمود کے جائنٹ سکریٹری اور بعد کو لائف سکریٹری مقرر ہونے کے وہ لکھتے ہیں کہ میں نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ جن دفعات میں اس کا ذکر ہے وہ اس طرح پر ترمیم ہوں کہ ”حسب خواہش سکریٹری ایک اسسٹنٹ یا جائنٹ سکریٹری منجملہ ٹرسٹیان کالج بلا معاوضہ مقرر ہونا مناسب ہے جس کو آنریری سکریٹری پسند کرے ۔ کوئی وجہ اس کی نہیں ہے کہ آنریری سکریٹری بضرورت اپنی معاونت کے اپنا اسسٹنٹ یا جائنٹ منجملہ ٹرسٹیان مقرر کرنا چاہئیں تو اس سے انکار کیا جاوے ۔ اور معتبر ذرائع سے مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ چند سال سے تمام تحریرات انگریزی خط و کتابت با ضابطہ اور رپورٹ وغیرہ متعلق مدرسة العلوم آنریبل جسٹس سید محمود کی رائے سے اور قلم سے تحریر ہوتی ہیں ۔ و نیز انتخاب و تقرر یورپین اسٹاف کا آنریبل سید محمود کی تجویز و اہتمام سے ہوتا ہے ۔ لہٰذا اول جائنٹ سکریٹری آنریبل سید محمود کا حسب خواہش آنریری سکریٹری ہونا چاہیے ۔ لیکن لائف جائنٹ سکریٹری ہونے کا استحقاق و ضرورت نہیں ہے ۔ اور بعد خالی ہونے عہدہ آنریری سکریٹری کے اول مرتبہ عہدہ آنریری سکریٹری پر مقرر ہونا جائنٹ سکریٹری کا بوجہ اپنے استحقاق کارگزاری و اعتماد قرین انصاف ہے ۔ واسطے اُس میعاد کے جو ہر ایک سکریٹری کے لیے سہ سالہ مندرج قانون ہے ۔ لیکن لائف آنریری سکریٹری نہ ہونا چاہیے نہ لائف سکریٹری ہونے کا کوئی حق ظاہر کیا گیا ہے ۔ پس بہ حالت آنریبل سید محمود کے اول مرتبہ عہدہ جائنٹ سکریٹری اور آنریری سکریٹری پر واسطے معیاد معین کے جو نکتہ چینیاں نسبت لیاقت انتظامی

آنریبل موصوف کے کی گئی ہیں یا جو اعلیٰ درجہ ہر قسم کی لیاقتوں کا ثبوت اُن کے واسطے کر کے مستحق لائف آنریری سکریٹری کا قرار دیا ہے ۔ ان دونوں رایوں کا فیصلہ عملی طور پر اس میعاد میں ہو جائے گا اور کیا عجب ہے کہ آنریبل مسٹر سید محمود وقت دوسرے انتخاب عہدہ آنریری سکریٹری کے لائق لائف آنریری سکریٹری ہونے کے مستحق ثابت ہوویں اور جو حضرات اس وقت اس رائے کے مخالف ہیں بہ نظر انصاف اس سے اتفاق کریں اس صورت میں یہ بھی ضرور ہے کہ بغرض اطمینان آئندہ یوروپین اسٹاف کے شرائط خاص مابین اسٹاف مذکور اور کمیٹی ٹرسٹیان منعقد کر لی جاویں تاکہ کسی وقت میں شبہ ابتری کالج بوجہ بددلی یوروپین اسٹاف باقی نہ رہے اور یہ طریقہ اطمینان یا ضابطہ کا بہ نسبت اطمینان ذات شخص واحد کے مستحکم بناء پر قائم ہوگا ۔

پابندی دفعہ ۴۶ سکریٹری کو اختیار تقرر رجسٹرار کا ہونا چاہیے ۔ لیکن منجملہ ٹرسٹیان واسطے میعاد معین کے جو زاید تین ماہ سے نہ ہو ۔ اس سے اگر میعاد زائد کی ضرورت ہو یا کسی غیر شخص کا ٹرسٹیان سے رجسٹرار مقرر کرنا ضروری مقصود ہو تو اول منظوری ٹرسٹیان حاصل کی جاوے ۔

نسبت دفعہ ۵ و ۱۱ متعلق تعداد ٹرسٹیان جلسہ منعقدہ ۲۷ اگست ۱۸۸۹ء میں مَیں نے اپنی رائے یہ ظاہر کی تھی کہ کل ممبران کا ٹرسٹی مقرر ہونا ضروری نہیں ہے ۔ اس وجہ سے کہ وقت قائم ہونے کالج کے بہ لحاظ کثرت مخالفت اور قلت بہم رسی معاونین کالج اس امر کا محتاج تھا کہ جس طرح ممکن ہو تعداد ممبران میں ترقی کی جاوے اور زیادہ تر خوض ممبروں کی لیاقت و حیثیت پر نہ کیا جاوے ۔ اب کہ کالج حالت موجودہ تک

مرتبۂ ترقی کو پہنچ گیا اور تمام مخالفتیں جو نسبت تعلیم انگریزی و قائم ہونے کالج کے تھیں کالعدم ہو گئیں تو اب ضرور ہے کہ انتخاب ٹرسٹیان میں۔ احتیاط کی جاوے اور جہاں تک ممکن ہو معتمد و ذی وجاہت ٹرسٹی انتخاب کیے جاویں مگر وقت تحریر اس رائے کے جو میں نے فہرست موجودہ ممبران پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ حقیقتاً بعض لائق اور نہایت معتمد ممبر ٹرسٹیوں میں منتخب ہونے سے باقی رہ گئے ہیں - مثلاً مولوی محمد اسماعیل صاحب رئیس شہر کول ، سید اکبر حسین صاحب رئیس الہ آباد سابق مصنف حوالی شہر کول وغیرہ وغیرہ۔'' انتہی -

مگر افسوس ہے کہ اُن کی رائے کا مطلق تذکرہ روئداد میں نہیں ہے اور جن رزولیوشنوں کو اُس میں بالاتفاق پاس ہونا لکھا ہے محمد عبدالشکور خاں صاحب کی رائے اُن میں سے اکثر رزولیوشن کے برخلاف ہے مگر خدا کے نزدیک اس مخالفت ہونے ہی میں کچھ بہتری ہوگی - عسیٰ ان تکرھوا شیئاً و ھو خیر لکم و عسیٰ ان تحبوا شیئاً و ھو شر لکم اب صرف ایک رات بیچ میں ہے اور کل سب کو معلوم ہو جاوے گا کہ ممبروں کی مجورٹی کیا فیصلہ کرتی ہے -

اس امر کی نسبت کہ یوروپین اسٹاف کے متعلق جو معاملات کمیٹی میں پیش ہوں اُن کا تصفیہ کس طرح پر عمل میں آوے گا - کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۲ مارچ ۱۸۸۵ء میں ہو چکا ہے اور اُس کے قواعد قرار پا چکے ہیں - وہی قواعد بعینہ مسودۂ قانون ٹرسٹیان میں مندرج کیے گئے ہیں - مگر یوروپین اسٹاف کی رخصت کے بابت کوئی قاعدہ مقرر نہ تھا - اُس کی نسبت قواعد جدید بنانے پڑے ہیں جو اس مسودہ میں مندرج ہیں -

ہمارے کالج کی ایک خاص حالت ہے - گورنمنٹ میں جو

قواعد رخصت ملازمان سرشتۂ تعلیم کے لیے معین ہیں وہ ہمارے کالج میں بکار آمد نہیں ہیں ۔ گورنمنٹ جس افسر کو رخصت دیتی ہے اُس کے زمانۂ رخصت میں فی الفور دوسرے کو اس کا قائم مقام کر کے بھیج دیتی ہے اور تعلیم کا کچھ ہرج نہیں ہوتا ۔ ہمارے کالج میں جب کسی یورپین افسر کو رخصت دی جاتی ہے تو زمانہ رخصت میں ہم کو اس کا قائم مقام پیدا کرنا محالات سے ہوتا ہے ۔ اس لیے قواعد رخصت ایسے انداز پر بنائے گئے ہیں جس میں تعلیم میں ہرج نہ پڑے ۔

ان قواعد کا بنانا اگر ان کو یورپین اسٹاف اپنی ضروریات کے مناسب نہ سمجھے تو محض بے فائدہ تھا اس لیے پرنسپل کالج کو اس کے بنانے میں شریک کرنا اور دریافت کرنا کہ کس قاعدہ میں کیا ہرج پڑے گا اور کس طرح پر آسانی ہوگی ضرور تھا اُس پر نکتہ چینی کرنا بہت آسان کام ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ قواعد نہایت عمدہ طور پر بنائے گئے ہیں جن سے نہ تعلیم میں ہرج ہوتا ہے نہ ہم کو زمانہ رخصت میں کسی قائم مقام کے تلاش کی ضرورت پڑتی ہے اور یورپین اسٹاف بھی اُن سے راضی ہے ۔ یہ کہہ دینا کہ یورپین اسٹاف کی رضا مندی کی کچھ ضرورت نہیں ہے کمیٹی جو چاہے قاعدے بنائے ہمارے کالج میں تو یہ بات چل نہیں سکتی ۔

ان تمام ضرورتوں پر کامل غور کرنے کے بعد میں نے مسودہ قانون بنایا بلاشبہ سید محمود جو کالج فنڈ کمیٹی کے ممبر بھی ہیں اور خود کمیٹی کے لیے قواعد بنانے اور کل ممبروں کے سامنے پیش کرنے کا حق رکھتے ہیں ۔ مسودہ کے بنانے میں شریک غالب تھے ۔ اور مسٹر اسٹریچی بہ طور لیگل ایڈوائزر کے شامل تھے ۔ جب یہ مسودہ تیار ہو گیا تو ہر ایک ممبر کے

پاس به طلب رائے بھیجا گیا ۔ اب میری نسبت کہا جاتا ہے کہ میں نے ترتیب اور تقسیم مسودۂ قانون ٹرسٹیان میں بے ضابطگی کی ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ میں نے ضرورت سے زیادہ احتیاط کی ہے ۔

دفعہ ۵۰ قواعد موجودہ میں کالج فنڈ کمیٹی کو اختیار ترمیم موجودہ قواعد کا دیا گیا ہے مگر اس میں یہ حکم نہیں ہے کہ کوئی ممبر جو کسی قاعدہ کی ترمیم و تبدیل چاہے وہ اول کمیٹی سے اجازت لے اور پھر اس کو کمیٹی میں پیش کرے اور جب کمیٹی اجازت دے تو وہ تقسیم ہو ۔ بلکہ ہر وقت کالج فنڈ کمپٹی کے ہر ایک ممبر کو اختیار تھا کہ بلا اطلاع اور بلا منظوری اور اجازت کمیٹی جس قاعدہ کی ترمیم یا تبدیل کرنا چاہے اس کی یادداشت پیش کرے ۔ اس یادداشت کا کل ممبران کو تقسیم ہونا اور رائے طلب کرنا واجب تھا ۔ اور کثرت رائے ممبران کمیٹی سے اس کا منظور یا نامنظور ہونا منحصر تھا ۔ اس دفعہ میں جو لفظ کمیٹی کا ہے اس سے کالج فنڈ کمیٹی کے وہ تین چار ممبر جو عام کارروائی کے لیے جلسہ کرتے ہیں مراد نہیں ہیں ۔ بلکہ کل ممبران کمیٹی مراد ہیں ۔ پس بموجب اس اختیار کے مجھ کو به حیثیت ایک ممبر ہونے کے بلا اجازت کمیٹی کے مسودۂ قانون تجویز کرنے کا اور به حیثیت سکریٹری اس کو به طلب رائے تقسیم کرنے کا اختیار کلی حاصل تھا ۔ ہاں بلا شبہ وہ مسودہ کثرت رائے سے منظور یا نامنظور ہو سکتا تھا ۔

مگر میں نے احتیاط کی اور ایک جلسہ کمیٹی میں جس میں گیارہ ممبر شریک تھے کالج کی حالت اور اس کے لیے ٹرسٹیز مقرر ہونے کی ضرورت کو بیان کیا اور سب نے ٹرسٹیوں کا مقرر ہونا اور اس کے لیے قانون بنانے کی ضرورت کو تسلیم کیا ۔ اس جلسہ میں امر مذکورہ کے پیش کرنے کی ضرورت یہ تھی کہ

میری رائے میں مسودۂ قانون بنانے میں ایک لیگل ایڈوائزر یعنی مشیر قانونی کی ضرورت تھی جس کو اُس کی خدمات کا معاوضہ دیا جاوے معاوضہ کا دیا جانا بلا منظوری ممبران کالج فنڈ کمیٹی کے کورم کے نہیں ہو سکتا - اور اُس کی منظوری لینی ضرور تھی - ورنہ مجھ کو بہ حیثیت ممبری ایک قانون بنانے اور بہ حیثیت سکریٹری رائے طلب کرنے کے لیے تقسیم کرنے میں کسی کی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی -

میں یا کوئی ممبر جو کوئی تجریز نسبت ترمیم قواعد پیش کرے اس پر کسی سلیکٹ کمیٹی کے مقرر کرنے کا اُس دفعہ میں حکم نہیں ھے اور نہ اُس پر کوئی سلیکٹ کمیٹی مقرر ہو سکتی ھے - اس لیے اگر سلیکٹ کمیٹی مقرر ہو تو اُس میں معدودے چند ممبر مقرر ہوں گے اور اُن معدود ممبروں کو اُس تحریر یا مسودۂ مرتبہ میں مطلق اختیار تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا - کیوں کہ بموجب اُس دفعہ کے اُس میں تغیر و تبدل یا اُس کی منظوری و نا منظوری کل ممبران کالج فنڈ کمیٹی کی رائے کی مجورٹی پر منحصر ھے - نہ معدودے چند ممبروں کی - مع ھذا کمیٹی کے معزز ممبروں نے قانون پر غور کرنے کے لیے بہ طور خود ایک بہت بڑا جلسہ کیا - جس میں پندرہ ممبر شامل تھے - اور سب نے مل کر مسودہ پر بحث و غور کی اور متفقہ رائے سے جو تجویز کی وہ صرف چند دفعات کے تغیر و تبدل سے زیادہ نہیں ھے - پس اگر سلیکٹ کمیٹی مقرر نہ کرنے کا میرا گناہ ہو تو اُس کا کفارہ بہ خوبی ہو چکا ھے -

اس کام کے لیے لیگل ایڈوائزر مسٹر اسٹریچی بیرسٹر ایٹ لا سے بہتر کوئی ہو نہیں سکتا تھا - مسٹر اسٹریچی میرے اور سید محمود کے نہایت دلی اور بے تکلف دوست ھیں - ھمارے

کالج کے جو در حقیقت اُن کے نامور باپ سر جان اسٹریچی کی مہربانی سے قائم ہوا ہے نہایت دوست و خیر خواہ ہیں ہمارے کالج کے یورپین اسٹاف میں سے مسٹر بک پرنسپل کی جو کل اسٹاف کی جانب سے ریپریزینٹیٹو ہیں نہایت دوست ہیں ۔ اُن کی قانونی لیاقت ایسی اعلٰی درجہ پر مشہور ہے کہ میرے بیان کی محتاج نہیں ہے ۔

مسودۂ قانون جو بنانا منظور تھا اُس میں بہت سے قواعد متعلق یورپین اسٹاف کے مثل اُن کی موقوفی ۔ معطلی ۔ وضع تنخواہ رخصت وغیرہ حقوق کے مندرج کرنے لازم تھے اور بڑی مشکل یہ تھی کہ جو حقوق گورنمنٹ کے یورپین ملازمان ایجوکیشنل ڈیپارٹمنٹ کو حاصل ہیں نہ وہ حقوق ہم اپنے کالج کے اسٹاف کو دے سکتے تھے کیوں کہ کمیٹی کو اس قدر مقدرت نہیں ہے اور نہ وہ حقوق و قواعد ہمارے کالج کے مناسب ہیں ۔ پس نہایت مناسب تھا کہ لیگل ایڈوائزر دونوں فریق کا نہایت دوست ہو ادھر وہ کالج کی حالت کا خیال رکھے اور ادھر یورپین اسٹاف کے حقوق و ضرورتوں کو سمجھے اور نیز دونوں کو ایک معتدل امر پر متفق کرنے میں بلکہ دوستانہ طور سے زور دے کر راضی کرنے پر قادر ہو ۔ پس اگر میں نے آپ کے نزدیک بھی اس کام کے لیے مسٹر اسٹریچی کے منتخب کرنے میں اپنی شامت اعمال سے جو میری نسبت منسوب کی جاتی ہے خطا کی ہے تو مجھ کو اپنی خطا سے اقرار کرنے اور معافی چاھنے میں کچھ عذر نہیں ۔

مگر میں اس بات کے بیان کرنے سے نہایت خوش ہوں کہ اس تدبیر سے ہم کو بڑی کام یابی ہوئی ہے باوجودیکہ مجوزہ مسودہ میں یورپین اسٹاف کے حقوق بہ نسبت اُن حقوق کے جو ایجوکیشنل ڈیپارٹمنٹ کے یورپین اسٹاف کو حاصل ہیں ۔ اکثر حالات میں سوائے بعض کے جہاں ہم نے بوجوہ قوی کسی قدر زیادہ حق،

دیا ہے بہت کم کر دیے ہیں ۔ لیکن یورپین اسٹاف کو بالکل
طمانیت ہے اور یورپین اسٹاف یقین کرتا ہے کہ گو ہمارے حقوق
میں کمی ہوئی مگر کمیٹی کو اپنی موجودہ حالت پر امکان نہ تھا
کہ اس سے زیادہ کر سکتی ۔ ہم نے ان کی ضرورتوں پر خیال
کیا ۔ انھوں نے کمیٹی کی حالت پر اور مجبوری پر خیال کیا ۔
مسٹر اسٹریچی پر دونوں کو طمانیت تھی نہایت رضامندی اور
طمانیت سے ایسی مشکلات حل ہوئیں کہ اگر کوئی دوسرا
طریقہ اختیار کیا جاتا تو ان کا حل ہونا غیر ممکن تھا ۔

میں اس گناہ کا بھی گنہگار بنایا جاتا ہوں کہ میں نے
بلا منظوری کمیٹی مسودہ کی نسبت رایوں کے آنے کی تاریخ اپنی
تجویز سے مقرر کی مگر آپ کو معلوم ہو کہ جب سے یہ کمیٹی
قائم ہوئی اُس وقت سے آج تک ہر اجلاس کے اور ہر کام کے لیے
تاریخوں کا معین کرنا سکریٹری کا خاص کام رہا ہے ۔ اس
کمیٹی پر موقوف نہیں ہے ۔ تمام دنیا میں جو انسٹیٹیوشن اور
یونی ورسٹیاں اس وقت موجود ہیں اُن میں اجلاسوں کے اور ہر
ایک کام کے لیے تاریخ معین کرنا سکریٹری کا کام ہے ۔ اگر سکریٹری
کا یہ کام نہ ہو تو کوئی کام انجام ہی نہیں پا سکتا ۔ کیوں کہ
کسی کام کے انجام کے واسطے تاریخ معین کرنے کے لیے اگر
کمیٹی جمع کرنے کی ضرورت ہو تو اُس کے لیے اور ممبروں کے
جمع ہونے کے لیے کون تاریخ مقرر کرے ۔ بہر حال میں نے
بہ حیثیت سکریٹری اُسی قاعدہ مستمرہ کے موافق ایک تاریخ مقرر کی ۔
جن ممبروں نے جواب نہیں بھیجا تھا اور زیادہ مہلت چاہی تھی ۔
مجھے بہ حیثیت سکریٹری مہلت کو منظور کرنے اور دوسری
تاریخ معین کرنے کا خود اختیار حاصل تھا مگر میں نے احتیاط
کی اور کمیٹی میں پیش کیا اور کمیٹی سے ایک مہلت طویل

بلکہ اطول دی گئی ۔ پس بایں جا اگر میں گنہگار ہوں تو بجز
اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا : مصرع
"کانچنیں رفت است در روزِ ازل تقدیر ما"

تعجب اس الزام پر ہے کہ سکریٹری نے کوئی یادداشت مراتب ترمیم طلب نہیں بھیجی حالاں کہ وہ مسودہ قانون ہے جس سے تغیر و تبدل قواعد سابق میں ہوتی ہے یادداشت مراتب ترمیم طلب ہے ۔ میں نہیں سمجھتا کہ اور دوسری کون سی یادداشت مطلوب تھی ۔ مع ھذا میں نے اُس کے ساتھ ایک خط بھی بھیجا جس میں ٹرسٹیوں کے قانون بنانے کی ضرورت بقدر حاجت بیان کی ہے ۔ اور سب ممبروں سے مدد چاہی ہے کہ کالج کے آئندہ استحکام میں اور جو کام اُس میں باقی ہیں اُس میں تائید فرماویں ۔ علاوہ اس کے جن ممبروں نے زیادہ حالات دریافت کیے اُن کو اُن کے حالات سے اطلاع دی جن ممبروں نے دیگر کاغذات یا پرانے قواعد طلب کیے اُن کے پاس بھیجے گئے رائے دینے کی اس قدر مہلت طویل دی گئی تھی کہ کسی ممبر کو اس بات کی شکایت نہیں ہو سکتی کہ ہم کو کافی حالات دریافت کرنے کا موقع نہیں ملا ۔

ایک امر متعلق بورڈنگ ہاؤس کے بھی زیادہ غور کے لائق ہے ۔ مسودۂ قانون میں بورڈنگ ہاؤس کے لیے ایک کمیٹی بنام مینیجنگ کمیٹی قائم رکھی گئی ہے جو کہ ہندو بھی بورڈر ہیں ۔ اس لیے اُس کمیٹی میں ہندو بھی بہ طور ممبر شامل ہیں اس مسودہ میں منجملہ ممبران کے پرنسپل اور سول سرجن ضلع کو جس کے ذمہ بورڈروں کا معالجہ اور بورڈنگ ہاؤس کو بہ لحاظ صفائی صحت بخش حالت میں رکھنے کا تعلق ہے فہرست ممبران میں داخل کیا گیا ہے ۔

جب کہ متعدد ممبر بورڈنگ ہاؤس میں مداخلت کرتے ہیں

تو بے انتہا ابتری بورڈنگ ھاؤس میں واقع ھوتی ھے ۔ ایک ممبر حکم دے جاتا ھے کہ فلاں کام اس طرح پر ھو ۔ دوسرا ممبر آ کر حکم دیتا ھے کہ نہیں اس طرح پر ھو اگر ایک ممبر کسی طالب علم کو بہ لحاظ اس قصورات کے کوئی سزا دیتا ھے یا بورڈنگ ھاؤس سے خارج کرتا ھے ۔ دوسرا ممبر آ کر اس کا قصور معاف کرتا ھے اور بورڈنگ ھاؤس میں داخل کر لیتا ھے طالب علم اس کارروائی سے نہایت خیرہ و سرکش ھوتے جاتے ھیں اور کسی کا ڈر یا ادب اُن میں باقی نہیں رھتا وہ سمجھتے ھیں کہ گو فلاں ممبر نے ھم کو بورڈنگ ھاؤس سے خارج کیا ھے مگر ھم فلاں ممبر سے کہہ کر پھر داخل ھو جاویں گے اور متعدد دفعہ ایسا ھی ھوا ھے اور جو بغاوت فروری ۱۸۸۷ء میں بورڈنگ ھاؤس میں ھوئی اُس کی اصلی وجہ یہی تھی ۔

ان ابتریوں کے رفع کرنے کو یہ تجویز کی گئی ھے کہ ٹرسٹیوں کو اختیار ھوگا کہ منجملہ ممبران مینیجنگ کمیٹی کے کسی ایک ممبر کو عام نگرانی بورڈنگ ھاؤس کا اختیار دیں اور اگر ایسا اختیار نہ دیا ھو تو عام نگرانی سکریٹری کے سپرد رھے ۔ سکریٹری سے مولوی سمیع اللہ خاں صاحب جو لائف آنریری سکریٹری مینیجنگ کمیٹی کے ھیں یا سید احمد جو لائف آنریری سکریٹری کالج کا ھے مراد ھے ۔

مینیجنگ کمیٹی کے ممبروں کو اختیار دیا گیا ھے کہ اگر عام حالت بورڈنگ ھاؤس میں کچھ نقصان دیکھیں اُس کی نسبت ممبروں کا اجلاس کریں اور جو اصلاح مناسب سمجھیں اُس کی اطلاع ٹرسٹیوں کو دیں ۔

پرنسپل کو بہ حیثیت پرنسپلی بورڈنگ ھاؤس میں ڈسپلن قائم رکھنے اور قصورات کی نسبت جو سزائیں مقرر ھوں اُن کے دینے

کا اختیار دیا گیا ہے ۔

جن لوگوں نے ہر ایک امر میں اختلاف کرنے کا ارادہ کر لیا ہے وہ ان صاف صاف باتوں سے بھی اختلاف کرتے ہیں اور رائے دیتے ہیں کہ بورڈنگ ہاؤس کی نگرانی بجز مسلمان ممبر کے اور کسی کو نہ دی جاوے ۔ اس زمانے میں جو عام نگرانی بورڈنگ ہاؤس کی پرنسپل صاحب نے براہ مہربانی اپنے ذمہ لی ہے جس کے لیے میں اُن کا نہایت شکر گزار ہوں اُس کو نا پسند کرتے ہیں ۔ پرنسپل کا بورڈنگ ہاؤس کی نگرانی لینا اُس کے لیے لازمی نہیں ہے ۔ اُنھوں نے صرف اپنی مہربانی سے یہ تکلیف گوارا کی ۔ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب لکھتے ہیں کہ ''پرنسپل کو بورڈنگ ہاؤس میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہونی چاہیے ۔''

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یورپ میں ، ایشیا میں ، ہندوستان میں ، امریکہ میں کہیں کوئی کالج ایسا ہے کہ اُس کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس ہو اور پرنسپل کی بورڈروں پر ویسی ہی حکومت نہ ہو جیسی کہ کالج میں ہو ۔ کالج اور بورڈنگ ہاؤس کو جدا سمجھنا ایسا ہے جیسا کہ انسان کو اور اس کی روح کو جدا سمجھنا ۔

علاوہ اس کے بورڈنگ ہاؤس کے ساتھ ایک یونین کلب ہے جس میں طالب علموں کو اسپیچیں کرنی اور مباحثہ کرنا سکھایا جاتا ہے اُن کو انگریزی لٹریچر میں مختلف طریقہ سے تعلیم دی جاتی ہے ۔ اور لٹریچر کی ترقی میں کوشش کرنی ہوتی ہے ۔ اگر پرنسپل اس کی نگرانی نہ کرے تو کون کرے ۔

کرکٹ کلب بورڈنگ ہاؤس میں ہے ۔ طالب عام کرکٹ کی مشق کرتے ہیں ۔ یورپین افسر کالج کے اُن کے ساتھ ہوتے ہیں ۔ وہ یورپین پارٹی سویلین و ملیٹری سے میچ کھیلتے ہیں اور

جب کسی دوسرے شہر میں یورپین پارٹی سے میچ کھیلنے جاتے ہیں تو ایسے موقع پر یورپین افسر کالج کا اُن کے ساتھ جاتا ہے۔ اگر اِن کو بورڈنگ میں مداخلت نہ ہو تو یہ کام کیوں کر انجام پاویں ۔

بورڈنگ ہاؤس میں طالب علموں کو امپوزیشن یعنی میعاد معین تک ایک جگہ بیٹھ کر پڑھنے یا لکھنے کی سزا دی جاتی ہے اس کے لیے اور نیز مارننگ اسکول کے لیے بورڈنگ ہاؤس میں ایک جگہ بنائی گئی ہے جس کی نگرانی پرنسپل کے ذمہ ہے پس اگر اُس کوبورڑنگ ہاؤس میں مداخلت نہ ہو تو یہ کام کون کرے اور اگر پرنسپل کو بورڈنگ ہاؤس میں ڈسپلن قائم رکھنے اور قصورات کی سزا دینے کا اختیار نہ ہو تو انتظام کیوں کر رہے اور کام کیوں کر چلے ۔

جس قدر بورڈر بورڈنگ ہاؤس میں ہیں اُن کے چال چلن کی جو بورڈنگ ہاؤس میں ہو صاحبان کلکٹر پرنسپل سے کیفیت طلب کرتے ہیں اور ضابطہ کے موافق بھی پرنسپل ہی کو اُس کی کیفیت لکھنی چاہیے ۔ اگر پرنسپل کو بورڈنگ ہاؤس میں مداخلت نہ ہو تو اُن کیفیات مطلوبہ کو کون لکھے ۔

مدت سے میرا ارادہ ہے کہ بورڈروں سے قواعد سکھانے میں محنت لی جاوے کہ اُن کی صحت اور اُن کی طاقت کو نہایت مفید ہوگی سستی و کاہلی دور ہوگی اور بہ طور ایک مستعد آدمی کے اُن میں خصلت پیدا ہوگی ۔ ہمارے پرنسپل صاحب نے کسی قدر اُس کا آغاز کیا ہے ۔ اور بہت سی وجوہات سے مناسب ہے کہ اُس کا اہتمام یورپین افسروں کے ہاتھ میں رہے اور وہ خود اُس میں شریک رہیں ۔

علاوہ اُس کے میرا سب سے بڑا مقصد کالج کے قائم کرنے

سے یہ ہے کہ مسلمانوں میں اور انگریزوں میں دوستانہ راہ و رسم پیدا ہو اور آپس کا تعصب و نفرت دور ہو ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بہت بڑی کام یابی ہوئی ہے اور اس کام یابی کا اصلی سبب ہمارے کالج کے یورپین افسر ہیں جو بورڈوں سے پدرانہ شفقت اور دوستانہ محبت رکھتے ہیں کسی دوسرے ضلع کا کوئی افسر جب علی گڈھ میں آ جاتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ ہمارے ضلع کی تمام لیڈیاں اور یورپین حکام ہمارے کالج کے طالب علموں کے ساتھ اور ہمارے کالج کے طالب علم اُن کے ساتھ کیسا سچا اور دوستانہ برتاؤ رکھتے ہیں ۔ کھیلوں میں شریک ہوتے ہیں ، ڈنروں میں شریک ہوتے ہیں ، بورڈنگ ہاؤس کے ڈنروں میں آتے ہیں ، میچ کے دنوں میں ہمارے ضلع کی لیڈیاں طالب علموں کو لنچ دیتی ہیں اور سب لیڈیاں اور یورپین جینٹل مین اور ہمارے طالب علم ایک میز پر بیٹھ کر کھاتے ہیں ۔ اور بے تکلف دوستانہ مگر با ادب میل جول رکھتے ہیں تو وہ حیران ہو جاتے ہے اور علی گڈ کو ایک نئی دنیا سمجھتے ہیں ۔

کچھ عرصہ دور کا نہیں گزرا کہ سر جان ایچ چیف جسٹس الہ آباد علی گڈھ میں آئے اور بورڈروں کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس میں بیٹھ کر ڈنر کھایا ۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ ارل ڈفرن وائسرائے گورنر جنرل ہندوستان ہمارے کالج میں آئے اور اسی بورڈنگ ہاؤس کے کھانے کے کمرے میں بورڈروں کے ساتھ بیٹھے اور چاء وغیرہ نوش فرمائی ۔ ہمارے کالج میں جو یہ رول ہے کہ شراب میز پر نہ ہوگی تمام لیڈیوں اور یورپین جینٹل مینوں نے کس خوشی سے اس رول کو پسند کیا اور ہر موقع پر خواہ ڈنر ہو یا لنچ کس خوشی سے باطاعت اس رول کے شریک ہوتے ہیں ۔ یہ نتیجہ اس کا ہے کہ ہمارے کالج کے یورپین افسر اور بورڈر آپس میں

دوستانہ ملتے ہیں اور صرف ان یوروپین افسران کالج کے سبب سے یہ خوبی ہمارے طالب علموں میں اور یہ عزت ہمارے بورڈنگ ہاؤس کو ہوئی ہے اور میرا وہ مقصد جس پر میں نے کالج کی بنیاد ڈالی ہے کسی قدر حاصل ہوا ہے ۔ پس اس باب میں جو مخالفین مخالفت کرتے ہیں اُس کی ذرہ برابر بھی وقعت نہیں کر سکتا ۔ اور نہ میں بورڈنگ ہاؤس کو اُس حالت میں رکھنا چاہتا ہوں جو وہ پسند کرتے ہیں اگر میرا یہ مقصد اس کالج سے حاصل نہ ہو تو کالج کو آج غارت کر دینا اُس کے قائم رکھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے ہم اس کالج اور بورڈنگ ہاؤس کے ذریعے سے آپس میں مسلمانوں اور انگریزوں کی دوستی و محبت پیدا کرنی چاہتے ہیں نہ کہ نفرت و عداوت ۔

پس میری رائے یہ ہے کہ ہمارے کالج کے یوروپین افسر خواہ وہ پرنسپل ہو یا پروفیسر یا ہیڈ ماسٹر اپنی مہربانی سے جس قدر بورڈنگ ہاؤس میں مداخلت کرنی چاہیں اور جس قدر بورڈنگ ہاؤس کی نگرانی اور انتظام اپنے ذمہ اُٹھاتے جاویں ہم نہایت احسان مندی اور شکر گزاری سے اُن کے ہاتھ میں چھوڑتے جاویں ۔ میرا پورا ارادہ ہے کہ اگر کالج میں اس قدر طاقت ہوئی تو ایک یوروپین افسر کو مستقل بورڈنگ ہاؤس کا گورنر مقرر کروں گا ۔ اُس وقت سمجھوں گا کہ اب پورا انتظام بورڈنگ ہاؤس کا ہوا ۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب سے میرے دوست بلکہ مسلمانوں کی قوم کے دوست مسٹر بک پرنسپل نے اپنی مہربانی سے بورڈنگ ہاؤس کی نگرانی اپنے ذمہ لی ہے ۔ بورڈنگ ہاؤس کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ کسی وقت میں نہ تھا ۔ ہر ایک کام میں ڈسپلن قائم ہو گیا ہے اور اُس کے سبب سے طالب علموں

میں نماز کی پابندی بہت ہو گئی ہے جو کسی زمانہ میں نہ تھی ۔ پس تمام کوششیں پرنسپل صاحب کی جو بورڈنگ ہاؤس کی نسبت ہیں وہ نہایت شکر گزاری کے لائق ہیں ۔

میں اس موقع پر مسٹر بک کو مبارک باد دیتا ہوں کہ گو بعض ممبروں نے بورڈنگ ہاؤس میں اختیارات پرنسپل کے نسبت اختلاف کیا ہے لیکن بعض بڑے دین دار ممبروں نے ان کی خدمات کی نہایت قدر کی ہے ۔ نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین صاحب لکھتے ہیں کہ مسٹر تھیوڈرر بک ہمارے کالج کے پرنسپل ہیں مجھ کو بورڈنگ ہاؤس کے ان کے سپرد ہونے سے ایسا اطمینان ہے جیسا کہ اسی قابلیت اور اسی تہذیب اور اسی فیلنگ کے کسی مسلمان افسر کے ہاتھوں میں رہنے سے ہوتا ۔ علاوہ دوسرے نہایت قابل قدر خدمات کے وہ جس دل سوزی سے مسلمان بورڈروں کی نماز روزہ اور قرآن شریف کی تلاوت کی نگرانی کرتے ہیں اور بہ لحاظ اپنی اعلیٰ درجہ تہذیب کے جو ادب وہ ہماری ان چیزوں کا ملحوظ رکھتے ہیں اور جو محبت ان کو اپنے طالب علموں سے ہے اس کے لحاظ سے اس کا جس قدر شکریہ ادا کیا جاوے وہ کم ہے ۔ اور اگر وہ صرف اپنے شوق سے بورڈنگ ہاؤس کے اہتمام کی تکلیف بھی اپنے اوپر خوشی سے گوارا کرتے ہیں تو ان کا مسلمانوں پر یہ بھی ایک احسان ہے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی یادگار دوسری قوموں کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں چھوڑ جاتے ہیں اور جن کو قومیں اور ملکہ مدتوں تک یاد کرتی رہتی ہیں ۔

یہ خیال صرف نواب انتصار جنگ کا نہیں ہے بلکہ ہمارے مخدوم خان بہادر منشی قادر بخش خان صاحب نے نہایت دلی جوش سے ہمارے کالج کے پرنسپل مسٹر بک کے ہاتھ میں بورڈنگ ہاؤس

کا ہونا پسند کیا ہے ۔ مولوی محمد یوسف صاحب ، سید ظہور حسین صاحب امروہوی بھی اس کو پسند کرتے ہیں ۔ سب سے زیادہ اس بات سے خوشی ہے کہ ہماری زندہ دل پنجاب کی تمام انجمن ہائے اسلامیہ نے یعنی انجمن اسلامیہ لاہور ، انجمن اسلامیہ گورداس پور ، انجمن اسلامیہ جالندھر ، انجمن اسلامیہ ملتان ، انجمن اسلامیہ وزیر آباد ، انجمن اسلامیہ امرت سر و دیگر بزرگان و ترقی خواہان قوم نے اپنے بچوں کا اور بورڈنگ ہاؤس کا زیر نگرانی مسٹر بک کے رہنا پسند کیا ۔ پس ہمارے کالج کو اس سے زیادہ کیا فخر ہو سکتا ہے کہ اس کے پرنسپل مسٹر بک پر اس قدر گروہ کثیر مسلمانوں کا پوری طمانیت رکھتا ہے ۔

اب مجھ کو صرف ایک بات اور کہنی باقی رہ گئی ہے کہ آپ کسی قدر گزشتہ زمانے کی تاریخ پر توجہ فرماویں اور ملاحظہ کریں کہ بہت سے فیاض بزرگ ایسے گزرے ہیں جنھوں نے قومی یا مذہبی کاموں میں بہت کچھ فیاضی کی ہے ۔ روپیہ چھوڑا ہے ، مکانات و دکانیں ، دیہات و جاگیریں ، مسجدیں اور خانقاہیں چھوڑی ہیں مگر اب وہ ایسی خراب حالت میں ہیں اور اس کی جائدادیں اس طرح پر تلف ہوئی ہیں کہ ان خیرات کرنے والوں کی روحیں بھی افسوس کرتی ہوں گی ہم لوگوں میں ابھی اس قدر قوت پیدا نہیں ہوئی ہے کہ ہم بغیر گورنمنٹ کی سرپرستی کے کوئی بڑا کام انجام دے لیں یا اس کام کو اسلوبی سے قائم رکھ سکیں خصوصاً تعلیمی انسٹیٹیوشن اور وہ بھی یورپین سینز اور لٹریچر کا جس میں ہم کو کیا مالی وجہ سے اور کیا دیگر امور کے لحاظ سے ہر وقت گورنمنٹ کی امداد کی ضرورت ہے اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اس مسودۂ قانون میں کالج کی عام نگرانی اور جب کچھ ابتری واقع ہو تو گورنمنٹ کو اس کی درستی کا اختیار

دیا جاوے ۔ اس نظر سے میں نے مندرجہ ذیل امور اس مسودہ میں داخل کیے :

اول : ڈائریکٹرز پبلک انسٹرکشن موجودہ وقت کا وزیٹر ہونا تجویز کیا اُس کو کالج کے تعلیمی حالات دریافت کرنے کا اور جب وہ چاہے تمام حسابات مداخل و مخارج کے جانچنے کا اختیار دیا تاکہ جو کچھ اُس کی رائے ہو وہ گورنمنٹ میں رپورٹ کرے اور گورنمنٹ اُس معاملہ میں ٹرسٹیوں سے خط و کتابت کرے ۔

دوم : گورنمنٹ کو اختیار دیا کہ جس وقت اور جس طرح وہ چاہے کالج کے حساب و کتاب کو جانچے ۔

سوم : گورنمنٹ کو اختیار دیا کہ اگر اُس کو معلوم ہو کہ ٹرسٹی اپنا کام درستی سے نہیں کرتے تو ٹرسٹیوں کو درستی سے کام کرنے پر مجبور کرے ۔

چہارم : یہ بات چاہیے کہ اگر ٹرسٹی گورنمنٹ پرامیسری نوٹوں کا جو کالج کے سرمایہ سے علاقہ رکھتے ہیں گورنمنٹ کے کسی محکمہ میں امانت رکھنا چاہیں تو گورنمنٹ اُن کا امانت رکھنا منظور کرے ۔

پنجم : کالج ڈسپنسری کا چارج سول سرجن ضلع کے سپرد رہے جس کا معاوضہ کالج دے گا ۔ ان پانچوں امور کو جو مسودۂ قانون میں مندرج ہیں گورنمنٹ نے منظور کر لیا جس سے ہمارے کالج کو بڑی تقویت متصور ہے ۔

علاوہ اس کے تین امر اور تھے جن میں گورنمنٹ کی مداخلت میں نے مناسب بلکہ ضرور سمجھی تھی ۔

اول : یہ کہ دفعہ ۱۸ ، مسودۂ قانون میں یہ تجویز کی تھی کہ اگر کسی خاص وجہ سے ٹرسٹیوں میں سے کسی ٹرسٹی کا

عہدہ سے علیحدہ کرنا ضرور ہو تو دو شرطیں اُس کے لیے ہیں - ایک یہ کہ دو ثلث ٹرسٹی اُس کو عہدہ سے علیحدہ کرنے پر متفق ہوں - دوسرے یہ کہ گورنمنٹ بھی اُس کو عہدہ ٹرسٹی سے علیحدہ کرنا منظور کر لے - گورنمنٹ نے اس امر میں دست انداز ہونا مناسب نہیں جانا -

دوم : یہ کہ دفعہ ۱۱۷ میں تجویز کی تھی کہ ٹرسٹی جب قواعد کو تغیر و تبدل کرنا چاہیں تو گورنمنٹ سے منظوری حاصل کریں گورنمنٹ نے اس امر میں بھی مداخلت مناسب نہیں سمجھی در حقیقت اس دفعہ میں بھی دو شرطیں ہونی لازم تھیں جیسے کہ دفعہ ۱۸ میں ہے یعنی دو ثلث ٹرسٹی اُس ترمیم پر متفق ہوں - دوسری یہ کہ گورنمنٹ اُس کو منظور کرے - دو ثلث ٹرسٹیوں کا لفظ میرے اصلی مسودہ میں ہے مگر اتفاق سے چھپنے سے رہ گیا -

یہ غلطی ایسی ہے کہ جس کی اصلاح اس وقت نہیں ہو سکتی - اگر مسودۂ مرتبہ اور نیز یہ دفعہ بھی مجبوری سے پاس ہو جاوے تو ٹرسٹیوں کے کسی اجلاس سے اور بعد طلب رائے کے جملہ ٹرسٹیان کے اس دفعہ کی صحت ہو جاوے گی اور اُس میں بڑھا دیا جاوے گا کہ جب دو ثلث ٹرسٹی متفق ہوں تو قواعد کی ترمیم و تنسیخ عمل میں آوے -

لیکن اس وقت آپ کے سامنے جو مربی قوم ہیں اور قوم کی صلاح و فلاح پر دل سے متوجہ ہیں اُس کے بیان کرنے سے غرض یہ ہے کہ اگر دفعات مذکور بالا مجبوری سے جس کا حال کل معلوم ہوگا پاس ہو گئے ہوں تو گو گورنمنٹ نے اُس میں دست اندازی کرنے سے انکار کر دیا ہو ،مگر اب سب حامیانِ قوم ان شرطوں کو بدستور قائم رکھیں گے اور کوشش فرماویں گے

کہ گورنمنٹ اُن شرطوں کو منظور کرے کیوں کہ جو شرط منظوری گورنمنٹ کی بہ سبب تبدیل و تنسیخ قواعد کے دفعہ ۱۱۷ میں قائم ہوئی ہے وہی شرط کالج کے قیام اور آئندہ بہ خوبی قائم رہنے کی جان ہے۔ اگر وہ خارج ہو جاوے تو کالج کا اسلوبی سے قائم رہنا نہایت معرض خطر میں پڑ جاوے گا۔

ہز آنر لیفٹیننٹ گورنر نے ان دفعات کو بے جا اور نا واجب نہیں خیال کیا بلکہ یہ لکھا ہے کہ یہ امور نہایت ذمہ داری کے ہیں جب تک وہ لیفٹیننٹ گورنر ہیں اس میں مدد دیں گے لیکن اس قدر ذمہ داری کا کام وہ اپنے جانشین پر جو آئندہ ہو ڈال نہیں سکتے۔ پس ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ایک اسپیشل قانون کی جو خاص ہمارے کالج سے تعلق رکھتا ہو۔ گورنمنٹ کی کونسل سے پاس ہونے کی کوشش کریں تاکہ ہر ایک لیفٹیننٹ گورنر کو اس کے مطابق کارروائی کا منصب حاصل ہو۔ اور کالج کے قیام و دوام اور ہرگونہ استقلال پر کُلی طمانیت ہو۔

جب کہ ٹرسٹی اس غلطی کو رفع کر دیں گے جو دفعہ ۱۱۷ میں ہو گئی ہے یعنی دو ثلث ٹرسٹیوں کے اتفاق سے ترمیم و تنسیخ قواعد کا اختیار ٹرسٹیوں کے ہاتھ میں دیں گے تو کارروائی میں کچھ ہرج واقع نہ ہوگا کیوں کہ شرائط منظوری گورنمنٹ اس بات پر مشروط ہیں کہ گورنمنٹ اُن کو منظور کرے پس جب تک کہ وہ گورنمنٹ سے منظور نہ ہوں کالعدم متصور رہیں گے اور ٹرسٹیوں کو بلا پابندی اُن شرائط کے کاروائی کا اختیار حاصل رہے گا۔ اور مجھے ہر طرح پر امید ہے کہ خیر خواہان قوم جو کالج کے قیام اور استقلال کے خواہاں ہیں ہر طرح کی مجھ کو اس باب میں مدد دیں گے کہ کالج کے لیے کونسل قانونی سے خاص قانون متعلق کالج پاس ہونے میں کام یابی ہو۔

تیسرا امر جو متعلق تصفیہ حساب یورپین اسٹاف کے ٹریولنگ الاؤنس وغیرہ سے متعلق تھا اور جن میں سے ٹریولنگ الاؤنس کا تصفیہ اکاؤنٹینٹ جنرل نے منظور کیا ہے اور باقی کے تصفیہ سے اپنی معذوری ظاہر کی ہے وہ کوئی ایسا بڑا امر نہیں ہے جس کی تشریح سے آپ کو زیادہ تکلیف دوں ۔

ان پوست کندہ حالات کے بیان کرنے سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ یہ کالج ابھی آپ صاحبوں کی دلی امداد کا بہت کچھ محتاج ہے ۔ مگر اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ آج تک کوئی نظیر نہیں ہے کہ ایک ایسا بڑا انسٹیٹیوشن قوم کی اعانت سے قوم کی بھلائی کے لیے قائم ہوا ہو ۔ اس لیے امید ہے کہ تمام قوم اور تمام ملک اس کی تکمیل پر دل سے متوجہ ہوگا اگر خدا نخواستہ یہ کوشش کام یاب نہ ہو تو آپ یقین کر لیں کہ آئندہ ہمتیں قومی بھلائی کی کوشش کرنے میں نہایت پست ہو جاوین گی اور سینکڑوں برس تک بھی کسی ایسی کوشش ہونے کی توقع نہ رہے گی ۔

ایسے وقت میں جو کالج کی تکمیل کے لیے ہر ایک فرد قوم کو متفق ہو کر کوشش کرنی تھی صرف ایک امر کے سبب سے فرض کرو کہ وہ میرا ہی قصور اور میری ہی بدیانتی اور میری ہی خود غرضی ہو اس قدر اختلاف کرنا اور اس کو اس قدر طول دینا نہایت افسوس کے قابل ہے مگر اس میں خدا کی ایک حکمت بھی ہے قوم نے مجھ پر بھروسہ کیا تھا اور لاکھوں روپیہ اس قومی کام کے لیے مجھ کو دیا اور پھر نہ پوچھا کہ وہ روپیہ کیا ہوا ۔ مجھ کو خیال تھا کہ معلوم نہیں کہ میں کس قدر قومی گناہوں کا گنہگار ہوں گا ۔ پس میں نہایت

خوش ہوں کہ دوستوں نے جو اپنے تئیں ہر امر کا بھیدی کہتے ہیں اور درحقیقت وہ ہیں بھی ایسی مخالفت کی ۔ اور میرے تمام گناہوں کو تلاش کر کے ظاہر کر دیا اور پبلک کے سامنے رکھ دیا اگرچہ مجھ کو تعجب ہے کہ وہ بہت تھوڑے نکلے مگر جو اُن دوستوں سے نکل سکے وہ یہ ہیں جو پبلک کے سامنے ہیں پس اب قوم کو اختیار ہے چاہے اُن کو معاف کرے چاہے نہ کرے ۔

کالج سے کوئی میری ذاتی غرض بجز اس کے کہ میں نے قومی بھلائی ، قومی بہتری ، قومی ترقی کے لیے کیا ہے متعلق نہیں ہے اگر فرض کرو کہ اُس میں کامیابی نہ ہو تو کیا ۔ ہزاروں انبیاء اور رفارمر زمین کے تلے دبے پڑے ہیں جن کی بے انتہا کوششیں اپنی قوم کے لیے برباد ہو گئی ہیں پھر میری ادنیٰ کوشش کی اگر برباد ہو جاوے کیا حقیقت ہے ۔ نوحؑ نے نو سو برس کوشش کی گو وہ غصہ میں کہہ اٹھے ۔ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا ۔ مگر آخر کشتی میں جو طوفان کی موجوں میں ہمالیہ پہاڑ سے بھی اونچی لہرا رہی تھی قوم کو ڈوبتے ہوئے دیکھتا تھا اور کہتا تھا خدا تیری مرضی ۔ سقراط قومی خدمات کے بدلے زہر کا پیالہ پی رہا تھا اور قوم کو نصیحت کرتا جاتا تھا پس اگر یہ واقعات میری کوششوں پر بھی گزریں تو کوئی نئی بات نہیں ہے مگر سمجھ لو کہ وہ قومی بھلائی چاہنے والے تو مر جاتے ہیں اور اُن کی کوششیں ضائع ہو جاتی ہیں مگر خدا کی لعنت قوم پر باقی رہ جاتی ہے ۔ اے خدا ! او خدا تو میری قوم کے ساتھ ایسا مت کیجیو ۔ مجھ کو معاف کرو ۔ انہ کان شقشقۃ کشقشقۃ البعیر اورثنی جدی علیؓ ابن ابی طالب ۔

مجھے اُمید ہے کہ جس امر میں اختلاف ہوا ہے جب وہ
یک سو ہو جاوے گا تو پھر سب آپس میں متفق ہو جاویں گے ۔
اور سب مل کر کالج کی بہتری کی کوشش کریں گے اور ایک
دوسرے سے کہیں گے لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ
لنا و لکم و ھو ارحم الراحمین ۔

موجودہ تعلیم

(۲۷ دسمبر ۱۸۹۴ء)

قوم کی تعلیمی ترقی کے متعلق اب تک مختلف جلسوں میں بہت سے ریزولیوشن پاس ہوئے اور بہت سے لکچر دیے گئے جو ہنسانے والے بھی تھے اور رولانے والے بھی تھے، فصاحت و بلاغت میں بھی بے نظیر تھے اور اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی بے مثل تھے، وہ لکچر ہمارے دل پر مختلف قسم کے اثر پیدا کرتے تھے۔ جب اُن لکچروں یا نظموں میں ہمارے بزرگوں کی شان و شوکت، ان کی اولوالعزمی، اُن کی جاہ و حشم، اُن کی قابل قدر سویلزیشن اُن کی علمی لیاقتیں اور مختلف علوم و فنون میں ان کا کمال بیان ہوتا تھا تو ہمارا دل پھولتا تھا اور ہم اپنے جاموں میں پھولے نہیں سماتے تھے اور ایک قسم کا غرور و فخر ہم میں پیدا ہوتا تھا کہ ہم ایسے آدمیوں کی اولاد ہیں مگر جب ہمارے موجودہ احل کا بیان ہوتا تھا تو ہمارے دل پژمردہ اور غم گین ہو جاتے تھے۔ اور افسوس کرتے تھے کہ ہم ایسے اسلاف کے ایسے نا خلف فرزند ہیں مگر افسوس ہے کہ یہ پچھلا اثر بہت ہی تھوڑی دیر ہم میں رہتا تھا، ہاں ہمارے آنسو بھی نکلتے تھے، مگر وہ اپنے ساتھ ہمارے اُس رنج کو بہا لے جاتے تھے۔ مجھ میں نہ ایسی فصاحت ہے اور نہ طاقت کہ میں اپنے اُن مخدوم لکچراروں کی پیروی کروں۔ میرا تو اُس رنگریز کا سا حال ہے جس کو صرف اموا رنگ آتا تھا اور وہ سب رنگوانے والوں سے گو کہ وہ کوئی رنگ رنگوانا چاہیں

یہی کہتا تھا کہ تم پر تو اسوا رنگ ہی کھلتا ہے ، پس میں اپنی قوم کے موجودہ حالِ پر نظر کروں گا اور آپ سے پوچھوں گا کہ اُس کی ترقی اور فلاح دارین کیوں کر ہو سکتی ہے ۔

گزشتہ زمانے میں ہمارے بزرگوں کی حالت نہایت عمدہ اور بے نظیر تھی ۔ گزشتہ زمانے کی سویلزیشن جسے یاد کر کے ہم کو رونا چاہیے ہمارے بزرگوں کو نصیب تھی ۔ اخلاق ، محبت ، مروت ، دوستی ، دوستی کا برتاؤ ، دوستی کا پاس ، دلی نیکی ، فیاضی ، متانت ، چھوٹوں کے ساتھ اُلفت ، بڑوں کا ادب ، غریبوں کے ساتھ ہمدردی ، قومی یگانگت ، سب ان میں جمع تھی ۔ قومی تعلیم دینی یا دنیوی کا ایسا مستحکم اور قابل ادب سلسلہ تھا ۔ جس کی نظیر تمام دنیا کی کسی قوم میں پائی نہیں جاتی ۔ ایک بزرگ مقدس عالم دن رات بلا خیال دنیوی فائدہ کے خدا کی رضا مندی اور اپنی قوم اور اپنے مذہب کے لوگوں کی تعلیم کے لیے ایک مسجد کے کونے یا خانقاہ کے حجرہ یا اپنے مکان کی کوٹھڑی میں بیٹھا پڑھاتا تھا پھر غریب سے غریب آدمی پڑھنے کو آوے یا بادشاہ شہنشاہ کا بیٹا سب کی تعلیم میں مساوی برتاؤ کرتا تھا ۔ اخیر زمانہ میں بھی مگر اس زمانہ سے پہلے کثرت سے ایسے بزرگ ہر قصبہ و شہر میں پائے جاتے تھے جس نے اس کو دیکھا ہے آدمی نہیں اُن کو فرشتہ پایا ہے ۔ اُس کی صحبت کی برکت سے طالب علموں کے اخلاق درست ہوتے تھے ۔ نیکی ان کے دل میں پیدا ہوتی تھی ، شاید اب بھی دو ایک بزرگ ایسے ہوں مگر وہ ایسے شاذ و نادر ہیں جو تمام قوم کو فائدہ پہنچانے کے لیے نا کافی ہیں ۔

سب سے بڑا مقصد تعلیم و تربیت سے انسان میں نیکی اور اخلاق اور السانیت اور آدمیت پیدا کرنا ہے وہ ہم کو اپنے بزرگوں

کی صحبت سے حاصل ہوتا تھا ۔ پشت در پشت بطور ورثہ کے ہمارے بزرگوں کو پہنچتا تھا اور ان سے ہم کو ، ہمارا ملک جو خاص ہندوستان یا متوسط ہندوستان کہلاتا ھے ۔ ہر ایک امر میں کیا علم کیا معاشرت و تہذیب میں کیا زبان میں دوسرے ملک کے لیے نظیر تھا ۔ انقلابات زمانہ سے نہ اب وہ زمانہ ھے اور نہ اب وہ لوگ جن کی صحبت سے ہم تربیت پاتے تھے ۔ غدر ۱۸۵۷ء نے جس کا الزام بدقسمتی سے مسلمانوں پر لگایا گیا رہا سہا جو کچھ تھا سب برباد کر دیا ۔ ہمارا ملک ہی برباد نہیں ہوا بلکہ جیسا اُس کا اثر تمام ہندوستان پر پہنچتا تھا اُسی طرح اُس کی بربادی کا اثر بھی تمام ہندوستان میں پہنچا ۔

اس وقت تم ملک کے مختلف حصوں اور متعدد خاندانوں اور متعدد قبیلوں کے یہاں تشریف فرما ہو ۔ آپ مجھ کو معاف کریں گے اگر میں یہ کہوں کہ ہم سب سوچیں اور اپنے اپنے کنبہ اور خاندان میں خیال کریں اور دیکھیں کہ اب ایسے بزرگ کس مقام اور کس خاندان میں باقی ہیں جن کی نیک صحبت کے اثر سے ہمارے نوجوان اور بچے تعلیم و تربیت پاویں ۔

ہماری مثال ان تیلیوں کی ھے جو بہ ترتیب ایک بندش میں بندھی ہوں اور وہ بندش ٹوٹ جاوے اور تمام تیلیاں متفرق و پریشان ہو جاویں ۔ اور اُن کا کچھ انتظام نہ رہے اگر اب ہم پھر اپنی قوم کو قوم بنانا چاہتے ہیں تو پھر ان متفرق تیلیوں کو جمع کر کے ایک بندش سے باندھنا ہم کو ضرور ھے ۔ افسوس کہ پرانا ڈورا جس سے وہ بندھی ہوئی تھیں وہ ٹوٹ گیا اور ایسا پرانا اور بودا ہو گیا جس سے اب وہ متفرق تیلیاں بندھ نہیں سکتیں اور اس لیے ہم کو ضرورت ایک نیا ڈورا پیدا کرنے کی اور اُن متفرق تیلیوں کو جمع کرنے کی اور بہ ترتیب دوبارہ باندھنے کی ھے

اے دوستو ! اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو نہ قوم کو قوم بنا سکیں گے اور نہ اُن میں انسانیت ، آدمیت اور قومیت پیدا کر سکیں گے ۔

یہ حال ہماری قوم کا ہے اور یہ کچھ ہم کو ان کے لیے کرنا ہے ۔ اب جو نہایت نازک اور قابل غور سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ کیوں کر ہو ۔ اور یہی ایک مسئلہ ہے جو قوم کو اس پر غور کرنی لازم ہے اور اے دوستو آپ جو دور و دراز فاصلوں سے اس مقام پر جمع ہوئے ہو اس سے مقصد اس مسئلہ پر غور کرنا اور اس کے لیے کسی تدبیر کا سوچنا ہے ۔

انسان کے قواء جب ضعیف ہو جاتے ہیں اور اعتدال مزاج درہم برہم ہو جاتا ہے ، تو وہ متعدد بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے ، یہی حال قوم کا ہوتا ہے جب اس کو تنزل ہوتا ہے تو کسی ایک چیز میں تنزل نہیں ہوتا بلکہ مذہب ، اخلاق ، تعلیم ، راست بازی ، دیانت داری ، سویلزیشن ، دولت ، تمکنت ، متانت سب چیز میں تنزل ہوتا ہے اور جو لوگ اس کی اصلاح کے درپے ہوتے ہیں وہ حیران ہو جاتے ہیں کہ کس کس چیز کا علاج کریں ۔ ع

"دل همه داغ داغ شد پنبه کجا کجا نهم"

مگر جب غور کی جاتی ہے تو بجز تعلیم و تربیت کے اور کوئی اس کا علاج نظر نہیں آتا ۔

تعلیم میں جو مشکلات ہیں وہ آپ پر پوشیدہ نہیں ہیں ۔ ہم کو بہ حیثیت مسلمان ہونے کے قوم کو قوم بنانے کے لحاظ سے مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے کیوں کہ مسلمانوں میں مذہب اسلام کی رو سے قوم کا لفظ نسل کے متحد ہونے پر نہیں بولا جاتا ہے بلکہ جس نے کلمہ پڑھا اور اسلام لایا گو کہ وہ باعتبار نسل کے کوئی ہو وہ سب ہمارے بھائی اور ہماری قوم میں داخل ہیں اسلام کی رو سے اخوت اور اتحاد قومی صرف اسلام پر منحصر ہے ۔ قال اللہ

تعالیٰ انما المومنون اخوة فاصلحوابین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون ۔ پس جب کہ مدار قومیت اسلام پر ہے تو ہم کو اپنی قوم کو مذہبی تعلیم دینا اوّل درجہ جہاں تک کہ عقائد و فرائض سے متعلق ہے ضرور ہے ۔

دنیوی علوم سے ہم اپنی قوم کو محروم نہیں رکھ سکتے کیوں کہ اگر اس سے محروم رکھیں تو وہ دنیا میں رہنے کے قابل نہیں ہوتی ۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ دنیا و ما فیہا فانی ہے اور زندگی چند روزہ ہے مگر کم بخت وہ چند روز ہی ایسے کٹھن ہیں جن میں جب تک کہ ہم ان میں رہنے کے قابل نہ ہوں رہ نہیں سکتے ۔

یاں فکرِ معیشت ہے وہاں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست یہاں ہے نہ وہاں ہے

یہ کہنا تو بہت خوش آیند معلوم ہوتا ہے کہ علوم ایشیا میں سے یورپ گئے ہیں اور ہمارے ہی بزرگوں نے یورپ کو علوم میں تعلیم دی ہے مگر جب ہم غور کرتے ہیں تو تمام علوم کو کیا منطق و فلسفہ ، کیا ہیئت و ہندسہ ، کیا طب و حکمت ، کیا سیاست و انتظام مدن ، کیا ریاضی علمی و نظری ان سب کو ایسے اعلیٰ درجہ پر ترقی یافتہ پاتے ہیں کہ پہچان نہیں سکتے کہ یہ وہی علوم ہیں جو ایشیا سے یورپ میں گئے تھے جس طرح کہ ایک دانہ زمین میں پڑا ہوا ایک عالی شان درخت ہو جاتا ہے اسی طرح ان علوم نے ترقی کی ہے جو ان پر مزید ہوا ہے وہ اس کے علاوہ ہے ۔

ہمارے دنیوی علوم عقلی و نظری علمی و عملی کی کتابیں تقویم پارینہ کی مانند ہوگئی ہیں جو کسی کام آنے کے لائق نہیں ہیں اور اس لیے ہم کو بمجبوری ان علوم کو موجودہ یورپ کی کتابوں سے حاصل کرنا پڑا ہے جن کو ہم بو علی و فارابی ، ابن رشد رازی اور

اوسطو اور ساہ زی بیوس اور مالا ناؤس اور دیگر علماء یونانی کی تھینیفات سے جو عربی میں ترجمہ ہو گئی ہیں حاصل کرتے تھے -

لٹریچر ایک ایسا علم ہے جو ہر ایک زبان کے ساتھ مخصوص ہے مگر اس زمانہ میں اس میں بھی طریق بیان اور طرز ادائے مضمون نے ایسی ترقی کی ہے ، کہ ہم اپنی قدیم طرز تحریر اور طریق ادائے مضمون کے چھوڑنے اور اس جدید طرز کے اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں ۔ لفاظی اور ہجر و وصل کی شاعری مبالغہ اور ان نیچرل مدح سرائی صنائع و بدائع جو ایک زمانہ میں حسن تحریر سمجھے جاتے تھے اب حد سے زیادہ معیوب ہیں ۔

تجارت جس میں جاہل عرب ایک زمانہ میں مشہور تھے اور خدا نے بھی ہم کو اس میں مصروف رہنے کی ہدایت کی ہے جہاں فرمایا ہے : یا ایہا الذین امنوا اذانودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذر البیع ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون فاذا قضیت الصلواۃ فانتشروا فی الارض وابتغو امن فضل اللہ وا ذکر وا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون ۔ وہ ہماری قوم سے بالکل چھوٹ گئی ہے مگر سمجھو کہ کیوں چھوٹ گئی ہے اس لیے چھوٹ گئی ہے کہ ہم اس کے لائق یا وہ ہمارے لائق نہیں رہی ہے ۔

اس زمانہ میں تجارت جاہل بدوؤں کا کام نہیں رہا وہ ایک نہایت اعلی درجہ کا فن ہو گیا ہے جس میں تعلیم و تربیت ، عمل و علم دونوں کی ضرورت ہے ۔ غیر ملک کے لوگوں سے واقفیت ان لوگوں اور ان ملکوں کے حالات سے آگاہی ، بحر و بر کے سفر کی عادت ، دلیری اور جرأت اس کے لیے درکار ہے مگر ہماری قوم سے یہ سب چیزیں معدوم ہو گئی ہیں ان کا تو اس مقولہ پر عمل ہے کہ ع

"حب وطن از ملک سلیمان خوشتر"

اس کے علاوہ اس زمانہ میں شخصی تجارت کا کام نہیں رہا ہے متفقہ تجارت کی جس کو کمپنی سے تعبیر کیا جاتا ہے گرم بازاری اور سرسبزی ہے جس کی بناء اتفاق پر ایک دوسرے کی معاونت پر اور سب سے زیادہ راست معاملگی اور اس سے بھی زیادہ دیانت اور انسٹی پر مبنی ہے ، مگر ہماری قوم میں یہ مقولہ مشہور ہے اور اس پر عمل درآمد بھی ہے کہ ''ساجھے کی ہنڈیا چوراہے میں'' مجھ کو کوئی نظیر ایسی معلوم نہیں ہے کہ ہماری قوم کے دو چار آدمیوں نے بھی مل کر کوئی تجارت کا کام کیا ہو اور آس میں خیانت اور آپس میں بدگمانی اور آخر کو باہمی تنازع و تکرار نہ ہوئی ہو ۔ ان رذائل کا قوم سے دور کرنا اور فضائل کا آن میں پیدا کرنا نہایت اعلیٰ درجے کی تعلیم اور تعلیم سے زیادہ تربیت پر منحصر ہے نہ کوئی ٹوٹی پھوٹی انگریزی جاننے سے اور یونی ورسٹی کی ڈگریاں حاصل کرنے سے ۔ مدراس میں ہزاروں آدمی انگریزی جانتے ہیں میں نے خود ایک مدراسی بی ۔ اے ۔کو دیکھا جو ایک انگریز کے ساتھ تھا اور بیرا کا کام کرتا تھا ۔ یہ اس امر کا نتیجہ تھا کہ تعلیم تھی مگر تربیت نہ تھی ۔

سب سے بڑا جوہر انسان میں ایک بہادر سپاہی کی سی جرأت اور دلیری اور دل چلا پن ہے اور مستعدی اور اپنے کام کو ایمان داری سے ادا کرنا اس کا لازمہ ہے یہی چیز ہے جس کے سبب انسان سے ایسے کام ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر دنیا تعجب کرتی ہے ، ہماری قوم کے نوجوانوں میں ان سب چیزوں کی بہت کمی ہو گئی ہے اور ہوتی جاتی ہے ، سپاہیانہ جرأت اور دلیری آن میں نہیں رہی ۔ اگر کسی میں کچھ ہے تو نامہذب اکھڑ پنا ہے ۔ سلف رسپکٹ کا بہت کم خیال ہے ضعیف و ناتواں ہوگئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں ۔ بہت سے ضعف بصر کے شاکی ہیں ۔ دوڑ دپاڑ کی

آن میں طاقت نہیں ہوتی ۔ خراماں خراماں چند قدم چلنا ان کی معراج ہوتا ہے ۔ پس آن کی ان عادتوں کو بدلنا ، آن میں سپاہیانہ دلیری ، مہذب بہادری ، شائستہ جرأت پیدا کرنا ۔ محنت و مشقت کا عادی کرنا ۔ ریاضت جسانی میں آن کو ڈالنا ۔ آن کی صحت کو درست کرنا ۔ یہ سب وہ کام ہیں جو ایک با عزت قوم کے لیے ہونے چاھئیں جیسا کہ ہم اپنی قوم کو بنانا ضرور سمجھتے ہیں ۔ اگر ہاری یہ خواہش ہو کہ ہم تعلیم سے اسی قدر مطلب سمجھیں کہ ''چارپائے بروکتابے چند'' صاف کہیے میں نے غلط کہا ۔ بر دو پائے بود کتابے چند ۔ تو ہم نے اپنی قوم کے ساتھ کچھ سلوک نہ کیا ہوگا ۔

مسلمان تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں اگرچہ گورنمنٹ نے اپنی مہربانی سے اور مشنریوں نے اپنے خیال مذھبی سے جا بجا مدرسے قائم کیے ہیں اور ان میں کچھ مسلمان پڑھتے ہیں مگر آن مدارس میں مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل ہے اور دیگر اقوام کی زیادہ کثرت ہے ۔ دیگر اقوام کی کثرت سے مسلمانوں کی قومی فیلنگ دبی رہتی ہے ۔ آن میں مل کر تعلیم پانے سے کبھی آن میں قومی فیلنگ پیدا ہی نہیں ہو سکتی ۔ تعلیم میں بھی ایک کو دوسرے سے اعانت نہیں پہنچتی ۔ ایں ازاں دورو آں ازیں نفور ۔ طرز معاشرت باھم مختلف ۔ ایک کی ضروریات دوسرے کی ضروریات سے مبائن اور اس سبب سے مسلمانوں کو آن کالجوں میں کوئی ذریعہ اپنی تعلیم کو ترقی دینے کا اور اپنی قومی فیلنگ کو بڑھانے کا بلکہ اس کو قائم رکھنے کا نہیں ہے ۔ پس آن مدارس میں تعلیم پانے سے کبھی توقع نہیں ہو سکتی کہ ہماری قوم قوم بن سکے گی ۔ دیکھو ان طالب علموں کی فیلنگ کو جو اور قوموں کے ساتھ بڑھتے ہیں اور آن طالب علموں کو فیلنگ کی جو اپنی قوم کے طالب علموں کے ساتھ

ملے ہوئے پڑھتے ہیں اور اپنی قوم کے نوجوانوں کے ساتھ مل کر رہتے ہیں ۔

یہ سچ ہے کہ ہم تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک جگہ یا ایک کالج میں جمع نہیں کر سکتے اور یہ بھی کہا جاتا ہے ۔ (جس کو میں صحیح نہیں سمجھتا) کہ ہم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ مختلف صوبوں میں ایسے اعلیٰ درجہ کے کالج بنا سکیں جو مسلمانوں کی ضروریات اور ان میں قومی فیلنگ پیدا کرنے کے لیے مناسب ہوں مگر ان خیالات کے سبب ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ رہنا قوم کے قوم بنانے کی تدبیر کو چھوڑ دینا نہایت بزدلی اور جوش قومی نہ ہونے کی دلیل ہے ۔

اگر ہم ایک کالج بھی ایسا بنا لیں جس میں ہم اپنی قوم کے بچوں کو اس طرح پر تعلیم و تربیت دے سکیں جیسی دینی چاہیے تو بلاشبہ اس میں ایک محدود تعداد ہوگی مگر اس محدود تعداد کا اس قسم کی تربیت پانا قومی فلاح کی نشانی اور قومی ترقی کے ستارۂ اقبال کے طلوع ہونے کی علامت ہوگی ۔ یہی محدود تعداد جب اس قسم کی تعلیم پا کر نکلیں گے اور ملک کے مختلف حصوں میں پھیلیں گے تو وہ قومی ترقی کے لیے بہ منزلہ خمیر کے ہوں گے اور قومی باغ کے لیے بہ منزلہ تخم کے اور اُمید ہے کہ ان سے ایسے سر سبز و بار آور درخت پیدا ہوں گے جن کی نسبت مجھ کو قرآن مجید کے چند الفاظ تلاوت کردینے کافی ہیں : کزرع اخرج شطأہٗ فآزرہٗ فاستغلظ فاستوی علیٰ سوقہ یعجب الزراع (یا اللہ اوجو منک ان یکون ھکذا) ۔

اس موقع پر میں دو لفظ اپنے کالج کے لڑکوں کو مخاطب کر کے کہنا چاہتا ہوں ۔ اے طالب علمو ! جو تم اس حال میں جمع ہو سن لو اور سمجھ لو کہ مجھ کو تم سے کیا توقع ہے ۔ اگر

تم نے میری توقعوں کو پورا نہ کیا تو افسوس تم پر اور افسوس مجھ پر اور افسوس قوم پر ۔

لوگ شکایت کرتے ہیں کہ انگریزی تعلیم سے طالب علموں کی عادات اور اخلاق خراب ہو جاتے ہیں اور آزادی اُن میں سما جاتی ہے ۔ بڑوں کا ادب ، ماں باپ کا ادب ، آن کی عزت ، اُن کی فرماں برداری اُن میں سے جاتی رہتی ہے ۔ اگرچہ مجھ کو ایسے لوگوں سے واسطہ نہیں پڑا کیوں کہ میں اپنے کالج کے طالب علموں کو ایسا نہیں پاتا ۔ وہ نہایت مہذب اور بزرگوں اور اُستادوں کا ادب کرنے والے ہیں ۔ لیکن بالفرض اگر یہ شکایت صحیح ہے تو یہ اس حالت میں کہ چار مسلمان بچے لاہور میں اور چار کلکتہ میں اور چار بمبئی میں اور چار مدراس میں اور کچھ مشنری کالجوں میں پڑھتے ہوں ۔ اگر اُن کے اُستاد مہذب و تربیت یافتہ بھی ہوں اور یہ بھی فرض کرو کہ وہ اُستاد ان کی تربیت پر بھی خیال رکھتے ہوں تو ایک دو گھنٹہ اُن کو اُستاد کے سامنے شکسپیئر یا ناول یا ہسٹری یا فلسفہ پڑھ لینا اور اس کے بعد شہر کے بازاروں اور گلیوں میں پھرنا جن میں سامان بد تہذیبی بہ نسبت زمانہ سابق کے کثرت سے موجود اور بہ نسبت سابق کے سہل الوصول و ارزاں ہے ۔ اور کسی مہذبہ سوسائٹی کا ان کو میسر نہ آنا ۔ اس نقصان کو جس کی شکایت کی جاتی ہے رفع نہیں کر سکتا ۔ پس اے دوستو ! اگر یہ شکایت حقیقی ہے تو آپ کو جو فلاح قومی اور اپنے بچوں کے مہذب ہونے کے خواہاں ہو غور کرنا لازم ہے کہ یہ شکایت کیوں کر رفع ہو سکتی ہے ۔

اس سے بھی زیادہ وہ خطرناک اور نا سمجھی بلکہ نادانی کی آزادی ہے جو میں یقین کرتا ہوں کہ ہمارے کالج کے طالب علموں نے نہیں مگر دوسرے کالج کے طالب علموں نے خواہ وہ گورنمنٹ

کالجوں کے ہوں یا مشنری کالجوں کے اختیار کی ہے - اس سے میری مراد وہ پولٹیکل ایجیٹیشن ہیں جو انگریزی خواں طالب علموں نے گورنمنٹ کے مقابلہ میں جس کے سایہ عاطفت میں ہم بآرام زندگی بسر کرتے ہیں اور جس کے پُر امن زمانہ میں ہم اپنی قوم کو ہر طرح کی ترقی دے سکتے ہیں اختیار کیے ہیں - یہ نوجوان انگریزی خواں ایک ہلدی کی گرہ پا کر پنساری ہونے کے مدعی ہیں نہ پالیٹکس کے اصول سے واقف ہیں نہ اُس پر غور کی ہے نہ دوسرے ملکوں کے حالات سے واقف ہیں نہ اُن کو کبھی دیکھا ہے اور بے سود باتوں اور گورنمنٹ کی پالیسی کی مخالفت میں سر گرم ہو گئے ہیں اور میں کامل یقین سے کہتا ہوں کہ ایسے ایجیٹیشن ملک کے لیے اور اگر مسلمان اُس میں شریک ہوں تو بالتخصیص مسلمانوں کی قوم کے لیے نہایت مضر بلکہ قوم کو برباد کرنے والے ہیں ہمارے نوجوان مسلمانوں کے لیے نہ کوئی ایسی سوسائٹی ہے جو اُن کو اس غلطی سے آگاہ کرے نہ اُن کو کوئی نصیحت کرنے والا اور سمجھانے والا ہے پس آپ نے کیا تدبیر سوچی ہے اور کیا طریقہ اختیار کیا ہے اور کیا طریقہ اختیار کر سکتے ہیں جس سے ہماری قوم کے بچے اس وبا سے محفوظ رہیں - کیا قوم کو متفرق رکھنے اور متفرق جگہ تعلیم دینے سے ایسا ہو سکتا ہے ہاشا وکلا -

اس سے بھی زیادہ ایک اور خطرناک امر ہے جو مسلمان انگریزی خواں طالب العلموں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ انگریزی پڑھ کر عقائد مذہبی سے بر گشتہ یا اُن میں مذبذب اور فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں سست ہو جاتے ہیں - پچھلی بات اگرچہ افسوس کے قابل ہے مگر میں اس کی خصوصیت انگریزی خواں مسلمانوں کے ساتھ نہیں کر سکتا - کیوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ

جو نوجوان مسلمان انگریزی خواں نہیں ہیں وہ بھی فرائض مذہبی ادا کرنے میں کچھ چست نہیں ہیں ۔ خیر اس کا کچھ ہی سبب ہو مگر زیادہ خطرہ کی بات پہلا امر ہے یعنی عقاید مذہبی سے برگشتہ ہونا یا اُن میں مذبذب ہو جانا ۔ اس کا اصلی سبب علوم جدیدہ کا شائع ہو جانا اور جو کہ انگریزی خواں طالب علموں کو اُن علوم جدیدہ سے زیادہ واقفیت کا موقع ہے اس لیے یہ کہنا کہ انگریزی پڑھنے سے عقاید میں فرق آ جاتا ہے کچھ بیجا نہیں ہے مگر اتنی بات میں ضرور کہوں گا کہ بہ نسبت دیگر مدارس کے ہمارے مدرسۃ العلوم میں یہ بیماری بہت کم ہے ۔

لیکن اے دوستو ! اس معاملہ میں کمی و بیشی پر خیال کرنا بیجا ہے بلکہ ہماری قوم کو اس کے جڑ سے اکھاڑنے کی تدبیر کرنی واجب بلکہ فرض ہے ۔ یہ آفت کچھ نئی نہیں ہے بلکہ جب فلسفہ یونانی مسلمانوں میں پھیلا تھا اُس وقت بھی یہ مشکل پیش آئی تھی جس کے سبب اُس زمانہ کے علماء نے علم کلام ایجاد کیا تھا ۔ پس ہم جو اس کا الزام اپنے نوجوان انگریزی خواں طالب علموں کو دیتے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہے ۔ بلکہ در اصل وہ الزام اس زمانہ کے علما پر ہے جو فلسفۂ جدید کے مقابلہ میں کوئی علم کلام پیدا نہیں کرتے ۔ حال میں یعنی اس ربیع الاول گذشتہ کے مہینے میں بہ موقع مجلس میلاد شریف ایک بہت بڑے عالم مصری محمد روحی آفندی نے پیرس کے مقام میں اُن مسلمان طالب علموں کے سامنے جو یورپ میں اور خصوصاً فرانس میں تعلیم پاتے ہیں ایک اسپیچ دی ہے جس کے چند فقرے میں آپ کے سامنے پڑھتا ہوں ۔

اُنھوں نے بیان کیا کہ ” جس امر ضروری کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اور جس کے لیے یہ سب کچھ بہ طور مقدمہ اور تمہید کے تھا وہ یہ ہے :

اول تو یہ کہ بلادِ اسلامیہ کے رہنے والوں نے جن کو اس انیسویں صدی کے حالات اور سویلزیشن کی حقیقت پر اطلاع نہیں ہے ان طلباء کا ممالک یورپ کو جانا پسند نہیں کیا ۔ اور اُن ملکوں میں جو اسلامی نہیں ہیں اُن کا تحصیل علم کرنا اِن کو ناگوار ہوا ۔ اور اُن کو حقارت اور ذلت کی نگاہ سے دیکھنے لگے ۔ حتیٰ کہ بعض نے تو معاذاللہ اِن پر کفر کے فتوے لگائے ۔ یہ لوگ مسلمانوں کی ترقی اور موجودہ تحریک کے سدِ راہ ہو گئے اور اُنھوں نے ذرا بھی نہیں سوچا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو آنحضرت سے منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ علم کی تلاش کرو اگرچہ وہ چین میں ہو ۔ ملک چین تو اُس وقت اہلِ کتاب کا ملک بھی نہ تھا ۔ بلکہ محض بت پرستوں اور مشرکوں کا ملک تھا ۔ اور ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے ۔ جہاں اُس کو پاؤ حاصل کرو ۔ اور اِسی طرح بہت سی احادیث نبوی و آثار شرعی مروی و منقول ہیں جو میرے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ ہیں ۔''

''دوم یہ کہ بعض طلباء دین اسلام کے حقائق سے آگاہ نہیں ہیں ۔ نہ اُن حکمتوں اور باریک معانی کو سمجھتے ہیں جو مذہبی الفاظ کی تہہ میں پوشیدہ ہیں ۔ نہ اُن علماء سے دریافت کرتے ہیں جو اُن کے ذہنی شبہات کو رد کرنے اور اُن کی غلطیوں اور کم زور خیالات کو دور کرنے پر قادر ہیں ۔ بلکہ اُنھوں نے صرف ایسے چند قصوں اور کہانیوں پر قناعت کی ہے ۔ جو اُن لوگوں سے سنی سنائی ہیں جن کو چوڑی آستینوں اور بڑے بڑے عماموں کے لحاظ سے تو البتہ علماء سے مشابہت ہے مگر حقیقت میں وہ تعصب اور جہالت میں گرفتار ہیں ۔ اُنھیں لوگوں نے اسلام کے دائرہ کو تنگ کیا ہے اور اُس میں چند در چند

مشکلات پیدا کر دی ہیں اور کتب دینیہ کے مطالعہ کرنے
اور علماء دینیہ کی چند روزہ نصیحت سننے سے ان کو نافر اور بے توجہ
کر دیا ہے جس سے معاذ اللہ یہ گمان فاسد پیدا ہوا ہے کہ
اسلام حقائق ادلہ کے برخلاف ہے اور ترقی تمدن کا مخالف ہے
اور عالم مسلمان محض مقلد ہے جو نقل پر کفایت کرتا ہے اور عقل
سے ذرا بھی کام نہیں لیتا۔" [illegible]
پھر انہوں نے لکھا کہ "میں ان طلباء کو جن کا میں نے
ذکر کیا معذور سمجھتا ہوں کیونکہ وہ ایسے اشخاص سے
تعلیم پاتے ہیں جن کو مذہبی حقائق کی ذرا بھی خبر نہیں ہے
علوم عالیہ میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان کو ہرگز ایسے
شخص نہیں ملتا نصیب نہیں ہوتا جو ان کو مذہب مقدس کی حکمتیں
ان کو سمجھائے اور ان کے عقلی و فلسفی شبہات کو رفع کرے
نہ ان کو ایسی کتابوں کے مطالعہ کی قدرت ہے جو خاص
اسی مضمون پر لکھی گئی ہیں کیونکہ ان کتابوں کا مضمون
مشکل اور پیچیدہ ہے ان کے سمجھنے کے لیے برسوں کی محنت
درکار ہے اور سب سے ادنی بات تو یہ ہے کہ ان کو عربی زبان
اور علمی اصطلاحات سے بھی لگاؤ نہیں ہے" (انتہی) [illegible]
[illegible] نے ابتدا ہی سے یعنی جب سے کہ زبان انگریزی و علوم
جدیدہ کے مسلمانوں میں رواج ہونے کی کوشش کی اپنی یہ
خواہش کی ہے کہ ہمارے زمانے کے علماء اس مشکل امر پر
متوجہ ہوں اور علوم جدیدہ کے مقابلے میں علم کلام پیدا کریں۔
مگر افسوس ہے کہ کسی نے اس پر توجہ نہیں کی ہے۔
تھوڑے دن ہوئے کہ ایک بڑا مجمع علمائے دین کا کانپور
میں جمع ہوا تھا جو ندوۃ العلماء کے نام سے مشہور ہے میں نے
اس مجلس کے سکرٹری کو ایک خط لکھا اس کے فقرے

آپ کے سامنے پڑھتا ہوں ۔ اُس میں میں نے لکھا کہ " ایک اور امر جو سب سے ضروری اور مقدم ہے ۔ میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک زمانہ مسلمانوں پر ایسا گزرا ہے جس میں بجز تحصیل علوم دین کے اور کسی علم سے سروکار نہ تھا جس کے سبب دین کی ہزاروں کتابیں ، حدیث ، تفسیر ، فقہ ، اسماء رجال ، اصول حدیث ، اصول فقہ وغیرہ موجود ہوگئیں ۔ اس کے بعد ایک زمانہ آیا ۔ جس میں حکمت و فلسفہ یونان کا مسلمانوں میں رواج ہوا اور اُس کے سبب سے عقائد مذہبی میں بہت کچھ خلل واقع ہوا یا واقع ہونے کا اندیشہ ہوا ۔ اس وقت علماء نے مذہب اسلام کی تائید پر کمر باندھی اور علم کلام ایجاد کیا ۔ اور اسلام کی نصرت کی ۔ مگر اب وہ زمانہ بھی گیا اور جدید فلسفہ اور جدید حکمت اور جدید علوم حکمیہ پیدا ہوگئے اور اس کے مسائل اور جو جو تحقیقات علوم طبعی کی اس میں ہوئی ہے وہ بہت زیادہ مخالف مسائل موجودہ اسلام کی ہے اور ان جدید علوم کا روز بروز زیادہ شیوع ہوتا جاتا ہے اور کسی کے بند کرنے سے بند نہیں ہو سکتا ۔ اگلے زمانے کے عالموں نے بھی حکمت اور فلسفہ یونان بلکہ منطق پڑھنے کو بھی حرام قرار دیا تھا ۔ مگر اس سے کچھ نتیجہ نہیں ہوا ۔ ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے اُس کو پڑھا اور لاچار خود علماء نے اُس کی تحصیل کی اور علم کلام ایجاد کیا ۔

جو مسائل حکمت و فلسفہ و طبیعیات کے علوم جدیدہ کے ذریعہ پیدا ہوئے ہیں اُن کے لیے وہ علم کلام جو یونانی فلسفہ و حکمت کے مقابل بنایا گیا تھا کافی نہیں ہے اور تفاسیر قرآن مجید اور تفاسیر حدیث شریف اور دیگر کتب مصنفہ اہلِ اسلام میں اُس کے متعلق کچھ پایا نہیں جاتا اور اس سبب

سے الحاد و زندقہ مسلمانوں میں پھیلتا جاتا ہے جو نہایت سخت وبا ہے جس کی روز بروز ترقی ہونے کی امید قوی ہے پس اس کا کیا علاج ہے ۔ اُمید ہے کہ آپ میرے اس عریضہ کو ندوۃ العلماء کے سامنے پیش فرماویں گے اور جو ہدایت علماء کی اس باب میں ہو اُس کو مشتہر فرماویں گے تاکہ مسلمان اس آفت سے جس کی پناہ کسی جگہ نہیں معلوم ہوتی محفوظ رہیں ۔ والسلام

مگر میں سمجھتا ہوں کہ کسی مصلحت سے یہ خط علماء کرام کے سامنے پیش نہیں ہوا ۔

ان امور کے بیان کرنے سے میرا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ جو حالات قوم کے ہیں وہ آپ کے سامنے بیان کروں اور یہ ظاہر کروں کہ اس باب میں آپ یا ہم یا ہماری قوم جب تک کہ ہمارے زمانے کے علماء بھی اُس پر متوجہ نہ ہوں کچھ نہیں کر سکتے مگر با ینہمہ ہم کو سوچنا چاہیے کہ جو ہم کر سکتے ہیں وہ کیا ہے وہ بجز اس کے اور کچھ ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم اُن طالب علموں پر نماز پڑھنے کی ، روزہ رکھنے کی تاکید کریں ۔ اُن کے نماز روزہ کے لیے جو ضروریات ہیں اُس کو مہیا کریں اس سے بڑھ کر یہ کر سکتے ہیں کہ ہم کسی لائق عالم کو اُن کی نصیحت اور اُن کے امور دینی کی حفاظت کے لیے مقرر کریں تاکہ وہ اپنے وعظ و نصیحت سے ان کے عقائد اور اُن کے خیالات فاسد کو اگر وہ درست کر سکتا ہے درست کرے ۔ مذہبی تعلیم کو جس قدر ہو سکے اُن کے کورس تعلیم میں داخل کر دیں اور ان تمام امور کے اہتمام کو ایک جزو تعلیم کا قرار دیں جیسے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ مدرسۃ العلوم میں ان تمام امور کا اہتمام جیسا کہ ممکن ہے ہوتا ہے ۔

قوم کو اگر قومی ترقی اس طرح کی منظور ہو تو یہ بھی

ہوگا کہ جو مسلمان نوجوان کالج میں رکھے جاویں وہ عمدہ ہوں۔ اگر
عمدہ نہ ہوں تو متوسط حالت میں رکھے جاویں۔ ان کے رہنے کے
مکانات صاف اور درست ہوں۔ ان کو پاکیزہ اور صاف لباس پہننے کی
عادت ڈالی جاوے۔ سلیقہ سے رہنا اپنے رہنے کے مکان کو
درست رکھنا ان پر لازم کیا جاوے۔ سب کو اگر ممکن ہو
ایک سی حالت میں رہنے کی تدبیر کی جاوے۔ کھانے کا انتظام
ایسی طرح پر ہو کہ جس سے ان کو کھانے کا آپس میں دوستانہ
اور برادرانہ طریقہ سے مل کر کھانا آ جاوے جو ایک بڑی تدبیر
قومی مؤانست قومی یگانگت کی ہے۔

مگر بعض لوگوں کی رائے اس کے برخلاف ہے وہ کہتے
ہیں کہ ایسی مہذب عادتیں طالب علموں میں نہ ڈالی جاویں۔
کیونکہ جب وہ کالج سے نکلیں گے تو ان کی قسمت میں تو
ایک قلی کے طور پر رہنا ہے وہ ایسی اچھی طرح پر کیونکر
رہ سکیں گے۔

وہ لوگ ان تمام تدبیروں سے جو ان نوجوان مسلمانوں کو
مہذبانہ طریق سے رہنے کی سکھائی جاویں اس بات کو زیادہ
پسند کرتے ہیں کہ غریب مفلس آدمیوں کو جس طرح کہ
مسجدوں یا خیراتہ خانوں میں یا خیراتی اسکولوں میں رہتے ہیں
یا جس طرح مدرسہ عالیہ جامع ازہر مصر میں طالب علموں کو
ایک گلی میں گھیرا کر کے ان کے ہاتھوں میں دو دو یا تین تین
خمیری روٹیاں رکھ دی جاتی ہیں اسی طرح یا اس کی مثل سستا
آسان طریقہ اخراجات تعلیم کا اختیار کیا جاوے تاکہ کثرت سے
غریب آدمی بھی تعلیم پا جاویں۔

اگر اس طریقہ سے قوم قوم بن سکتی ہے۔ اگر اس طریقہ سے
مسلمان بچوں میں آدمیت و غیرت و سلف رسپیکٹ پیدا ہو سکتی

ہے ۔ اگر تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ تمہارے بچے اس طرح پر تعلیم پاویں اور تعلیم کے ساتھ ذلت کی زندگی وہ کما لے جاویں تو بہتر ۔ مگر میری رائے میں تو اس طریق سے کوئی قوم معزز قوم نہیں بن سکتی جو لوگ اس طرح پر تعلیم دینا چاہتے ہیں اُن کو مناسب ہے کہ خیراتی اسکول و کالج کھولیں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ جو بچے قوم کے قوم بننے کے لائق ہیں اُن کو بھی اُن کے ساتھ ملا کر جن سے کچھ توقع نہیں ہے برباد کر دیا جاوے ۔

اخراجات تعلیم کی شکایت کرنے کی لوگوں کو حب قومی جتلانے کی غرض سے عادت پڑ گئی ہے ۔ طالب علموں کے مربیوں کو اپنی اولاد کی تعلیم پر روپیہ خرچ کرنے کی عادت نہیں ہے ۔ ورنہ وہ ایسے مفلس نہیں ہیں کہ اولاد کی تعلیم پر روپیہ خرچ نہ کر سکیں ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہی جن پر اولاد کی تعلیم پر روپیہ خرچ کرنا گراں گذرتا ہے دیگر رسمیات اور فضول باتوں میں کس قدر روپیہ خرچ کرتے ہیں ۔ فضول اخراجات اور بے ہودہ رسوم میں روپیہ قرض لیتے ہیں ۔ جائدادیں گروی کرتے ہیں مگر اولاد کی تعلیم پر خرچ کرنا نہیں جانتے ۔ اے دوستو ! وہ زمانہ گیا جب طالب علم مسجدوں کے حجروں میں رہ کر اور فاتحہ درود کی یا کسی لنگر خانہ کی روٹیاں کھا کر عالم ہوتے تھے اب تو جب تک اُن کے مربی اپنے فضول اور لغو اخراجات بند نہ کریں اور اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر خرچ نہ کریں ۔ اُس وقت تک اُن کی اولاد کو نہ تعلیم ہو سکتی ہے نہ تربیت ۔

میں نے آپ کے سامنے قوم کا واقعی اور مفصل حال بیان کیا ہے ۔ میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کو اپنی قوم کی ترقی تعلیم اور عمدہ تربیت کی خواہش ہے ۔ میں آپ سے یہ نہیں چاہتا کہ آپ اس وقت کوئی تدبیر بناویں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ آپ ان

حالات پر غور کریں اور اپنی فرصت کے گھنٹوں میں سوچیں کہ
قوم کو ایک معزز قوم بنانے اور اُن کی تعلیم و تربیت کرنے کی
کیا تدبیر ہے ۔ اور جو بہتر سمجھیں ویسا کریں و آخر دعوانا
ان الحمد لله رب العالمین والصلواة والسلام علی جدی
محمد رسول الله الذی هدانا الی الایمان و اخرجنا من الظلمات
الی النور و رفعنا من قعر الذلة الی اعلی الدرجة فی الدین
والدنیا والآخرة و علی آله و اصحابه اجمعین ۔

ترقی کے اصول اور تنزّل کے وجوہ

(دسمبر ۱۸۹۶ء)

اگرچہ بعض قابل ادب بزرگوں کا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بد نصیب ہے جس کی گزشتہ زمانے کی تاریخ قابل یاد رکھنے کے ہو اور اس کو یاد نہ ہو اور وہ قوم نہایت خوش نصیب ہے جس کی گزشتہ زمانے کی تاریخ یاد رکھنے کے قابل ہو اور قوم نے اس کو یاد بھی رکھا ہو۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہماری قوم کی گزشتہ زمانے کی تاریخ یاد رہنے کے قابل ہے مگر دو وجہ سے میں اُس کا ذکر کرنا نہیں چاہتا۔

اول: اس لیے کہ ہماری قوم کے تنزل کو ابھی کچھ بہت عرصہ نہیں گزرا اور قوم کی تاریخ کی شان و شوکت کے نشان ھندوستان میں، عرب میں، افریقہ میں، یورپ میں سب جگہ موجود ہیں اور ابھی تک مٹے نہیں۔

دوسرے: یہ کہ جب کہ ہم خود نالائق و ناخلف ہیں تو ہم کو اپنے بزرگوں کی شان و شوکت پر فخر کرنے اور استخوانِ جد فروش ہونے سے کیا فائدہ ہے مثل مشہور ہے کہ

”ذکر جوانی در پیری و ذکر تونگری در فقیری راست نیاید۔“

اگر یہ خیال ہو کہ ہم کو اپنے بزرگوں کی تاریخ یاد کرنے سے کچھ عبرت اور اپنی حالت درست کرنے پر کچھ رغبت

ہوگی تو اس کی بھی کچھ توقع نہیں ہے ۔ آج دس برس ہوئے کہ محمڈن ایجوکیشن کانفرس میں برابر یہی مضمون نظم و نثر میں گایا جا رہا ہے ۔ مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا ۔ بلکہ ہمارے خواب غفلت کے لیے وہ قصے بہ طور لوری کے ہو گئے ہیں ۔ پس مناسب ہے کہ ہم ان خیالات کو چھوڑ دیں اور موجودہ زمانے کے حالات پر غور کریں اور موجودہ زمانے کے حالات کے موافق اگر کچھ ہو سکے تو اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کریں ۔ یہی بہتر اور شاید مفید ہو ۔ اگرچہ اس کے بھی مفید ہونے کی بہت کم توقع ہے ۔ ہمارے ایک معزز دوست کا قول ہے کہ ”اچھلا ہوا پتھر جب تک زمین پر نہیں گر لیتا بیچ میں نہیں ٹھیرتا“ یہی حال ہماری قوم کے تنزل کا ہے ۔ جب تک کہ نہایت خوار اور ذلیل نہ ہو جاوے گی ۔ اور بدترین درجے تک نہ پہنچ جاوے گی ۔ اور خاک مذلت سے نہ ٹکرا جاوے گی ۔ بیچ میں دم نہیں لیئے کی ۔ ہم تو اس کے انتظار پر بھی راضی ہیں کہ ٹکرا کر کچھ اچھلے ۔ مگر افسوس اور صد افسوس کہ ہم کو ٹکرا کر اچھلنے کی بھی توقع نہیں ہے ۔ اس لیے ہمارا یہ انتظار بھی گو وہ کیسا ہی مشکل ہو بے سود ہے ۔ کیوں کہ وہ وقت اچھلنے اور سنبھلنے کا اگر وہ چاہے بھی تو باقی نہیں رہنے کا اور غالب کا یہ شعر صادق آوے گا :

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

پس موجودہ زمانے پر غور کرو اور جو اس کا مقتضی ہو اس کے مطابق کام کرو شاید کچھ بہتری ہو ۔

سب سے اول ہم کو اس حکومت پر غور کرنا ہے جس کے سایۂ عاطفت میں ہم تم رہتے ہیں ۔ جو امن و امان اور جانی اور مالی اور مذہبی آزادی انگریزی حکومت میں ہم کو اور تم کو

- حاصل تھے۔ اس لئے بہتر اور عمدہ کسی عہد کے لوگوں نے نہیں
نہیں دیکھے۔

- زمانہ سابق کے یہ مظالم یہ زبردست کی زیردست پر دست درازی
کا اب وجود نہیں ہے۔ ہر ایک شخص اور ہر ایک قوم اپنی
مالی و دماغی ہر قسم کی ترقی جہاں تک وہ چاہے کر سکتی ہے۔
علمی ترقی کو، تجارت کو، اس کی ترقی کو کوئی امر مانع نہیں ہے
بلکہ تجارت کے لیے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ دور دراز ملکوں کا
سفر ایسا آسان ہو گیا ہے جو کسی کے خیال میں بھی نہیں تھا۔
تجارت کی ترقی کے لیے ہر ایک ملک کی خبر آنی ایسی سہل ہو گئی
ہے کہ اس وقت ہم اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پاویں اور جس ملک
کی خبر چاہیں منگا لیں۔ پس جو امر اگلے زمانے میں بادشاہوں کو
بھی نصیب نہ تھا وہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کو میسر ہے۔

اس پرامن وقت کی ہم کو اس لیے قدر نہیں ہے کہ ہم
نے وہ شہر آشوب زمانہ نہیں دیکھا جس میں خانہ جنگیاں ہوتی
تھیں۔ مسافر رستے میں لوٹے جاتے تھے۔ جب کوئی سفر کرتا
تھا تو اس کے عزیز و اقارب بہ چشم پرنم اس خیال سے رخصت
کرتے تھے کہ دیکھیے پھر اس کو صحیح و سالم واپس آنا بھی
نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ قافلہ اور ہتھیار بند سپاہیوں کے بغیر
ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا دشوار تھا۔ اس ماحول میں اور
اس علاقہ میں بلکہ تمام ہندوستان میں وہی لوگ ہیں جنھوں نے
آنکھ کھول کر انگریزی حکومت کے سوا دوسری حکومت نہیں
دیکھی اور اس لیے کچھ عجیب نہیں ہے کہ وہ اس نعمت کی کچھ
قدر نہ کرتے ہوں مگر اب تک اگلی حکومتوں کی کہاوتیں
اور قصے ہزاروں آدمیوں کو یاد ہیں اور تاریخ کی کتابوں سے بھی
ان کا پتہ لگتا ہے۔ پس میری نصیحت یہ ہے کہ اس وقت کو

غنیمت سمجھو اور اپنی قوم کی بھلائی میں ، ترقی میں کوشش کرو ۔
جب سلطنت ہمارے ھاتھ میں تھی اُس وقت ترقی کی دوسری صورت تھی مگر زمانہ موجودہ میں ترقی کی دوسری صورت ہے ۔ سر آکلینڈ کالون لیفٹیننٹ گورنر سابق کا نہایت عمدہ مقولہ ہے کہ اگر خاندان تیمور کی تلوار علیحدہ رکھ دی گئی ہے تو وہ قوت اور استقلال ، شجاعت اور ہمت باقی رھنا چاھیے جنھوں نے اُس تلوار کو اس قدر تیز کر دیا تھا ۔ آج کل کے مسلمانوں کو اپنے آبا و اجداد کی تیز اور جوش والی طبیعت کی ضرورت نہیں ہے ۔ بلکہ اُن اوصاف حمیدہ کی ضرورت ہے جس نے اُس تیز اور جوش والی طبیعت کو اُن کے زمانے کے لوگوں پر غلبہ دیا تھا ۔ اب ان اوصاف حمیدہ کا رخ حصول کام یابی کے لیے دوسری طرف پھیر دینا چاھیے ۔

بہر حال جہاں تک میرا خیال ہے میں اس بات میں سب کو متفق پاتا ھوں کہ مسلمان نہایت تنزل کی حالت میں ھیں اُن کو ترقی کرنی چاھیے مگر ترقی کی کیا صورت ہے ۔ اس باب میں البتہ مختلف رائے ھیں ۔

بزرگانِ دین سمجھتے ھیں کہ مذھبی تعلیم کو بہت تنزل ھو گیا ہے اور مذھبی پابندی بہت کم ھو گئی ہے ۔ اسی کی ترقی سے قوم کو ترقی ھوگی ۔ اگر اس ترقی سے روحانی مراد ھو تو میں اُس کو تسلیم کرتا ھوں مگر اس وقت جو ھم کو بحث ہے وہ دنیاوی ترقی سے ہے ۔ اے دوستو ! یہ مت سمجھو کہ دنیوی کہنے سے میں نے اسلامی ترقی سے قطع نظر کی ہے ۔ حاشا و کلا ۔ میں سمجھتا ھوں کہ دنیوی حالت میں بھی اگر مسلمانوں کی ذلیل حالت ھو جاوے گی تو خود اسلام کی بھی رونق جاتی رہے گی ۔ پس دنیوی ترقی کے ساتھ جب کہ وہ نیکی اور ایمان داری سے

کی جاوے اسلامی ترقی بھی لازم و ملزوم ہے مجھ کو خوف ہے کہ خدا نخواستہ مسلمان بھی ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ کے مصداق نہ ہو جاویں ۔

ہر ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے مذہبی عقائد اور ضروری مسائل نماز روزہ ، حج ، زکواۃ سے واقف ہو ۔ جو لوگ قوم کی بھلائی کے درپے ہیں اور دنیاوی علوم کو اپنی قوم میں ترقی دینا چاہتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ مسلمانوں کو مسلمانی عقائد اور ضروری احکام نماز و روزہ ، حج و زکواۃ کی تعلیم دیں ۔ یہی نعمت اُن کو دوسری دنیا میں نجات دینے والی اور عذاب الیم سے آڑے آنے والی ہے مسلم اور بخاری میں ایک حدیث ہے کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو ایسا عمل بتا دیجیے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہوں ۔ آنحضرت نے فرمایا کہ خدا کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہ کرنا ۔ نماز پڑھنا ، زکواۃ ادا کرنا ، رمضان شریف کے روزے رکھنا ، اُس شخص نے کہا مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ۔ میں اس پر نہ کچھ بڑھاؤں گا نہ کم کروں گا ۔ جب وہ چلا گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ جو شخص جنتی آدمی کو دیکھ کر خوش ہونا چاہے وہ اس شخص کو دیکھ لے ۔ پس آخرت کا رستہ ہمارے لیے بہت سیدھا اور صاف ہے اور جدی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ " علی رغم انف ابی ذر ۔" ہمارے دل کو تسلی دینے والا ہے ۔ جو کچھ مشکل ہے ہم کو اس دنیا میں ہے گو وہ چند روزہ ہے مگر ان کم بخت چند روزہ دن ہی کو بسر کرنا کٹھن ہو گیا ہے ۔

اب وہ زمانہ نہیں رہا ہے جس میں ایک خیالی اور فرضی

غیر واقعی مضمون کو چکنے چپڑے لفظوں میں نظم کرنے سے بہت بڑا صلہ مل جاتا تھا - یا بغیر استحقاق کے جاگیریں حاصل ہوتی تھیں یا کسی حیلے سے مدد معاش مل جاتی تھی یا بغیر لیاقت کے بڑے بڑے عہدے ملنے کی توقع رہتی تھی یا زیردستوں کی محنت یا اپنے جاہ و حشم کے لیے چھین لی جاتی تھی اب وہ زمانہ ہے کہ جب تک خود لیاقت اپنی ذات میں پیدا نہ کریں دنیا میں فلاح کی صورت نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ دوستو! بڑی یہ مشکل تو یہی ہے کہ اگر قوم میں سے دو چار دس پانچ شخصوں نے اپنی ذات میں خود لیاقت پیدا کر لی تو اس سے بھی کچھ فائدہ نہیں اور قوم وحشی و نالائق ہونے کے خطرے سے بری نہیں ہو سکتی اور وہ دس پانچ شخص قوم کے لیے کچھ کر بھی نہیں سکتے - ایک سوراخ چنا پہاڑ نہیں پھوڑ سکتا - پس جب تک تمام قوم تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ نہ ہو قوم کی آسودگی اور خوش حالی نہیں ہو سکتی اور اس کی بدنامی نہیں مٹ سکتی - [illegible] شاید آپ کے دل میں یہ کھٹکا ہوگا کہ تمام قوم کا تعلیم یافتہ ہونا محالات سے ہے اور نہ آج تک کسی ملک میں تمام قوم تعلیم یافتہ ہوئی ہے یورپ میں بھی اور خاص لندن میں بھی ہزاروں آدمی نا تعلیم یافتہ، جاہل موجود ہیں - پھر کیوں کر ہندوستان میں ایسا ہونے کا خیال ہو سکتا ہے - [illegible] یہ بلاشبہ درست ہے مگر قوم کے تعلیم یافتہ ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ قوم کی قوم شفا اور اشارات کے مسائل حل کرتی ہو اور سقراط اور بقراط بن گئی ہو - کیونکہ ایسے لوگ تو قوم میں بہت ہی قلیل ہوتے ہیں مگر قوم کے تعلیم یافتہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ کل قوم میں ایک علمی خیال اور اکثروں میں ایک علمی ذوق پیدا ہو گیا ہو گو کہ انھوں نے

معمولی تعلیم سے کچھ زیادہ تعلیم نہ پائی ہو اور کل قوم کو ادنلی ہو یا اعلٰی قوم کی ترقی اور اس کی بھلائی کا دل میں جوش پیدا ہو گیا ہو - ہر ایک ادنیٰ اور اعلٰی بہ قدر اپنی استطاعت کے قوم کی ترقی کے کاموں میں مدد دیتا ہو - قوم کو اپنے حق میں لائق آدمیوں کے ہونے سے فخر اور عزت ہو - کیا مسٹر گلیڈ اسٹون کی پارٹی کو بلکہ تمام انگریزوں کو اپنے میں مسٹر گلیڈ اسٹون سا شخص ہونے پر فخر نہیں ہے؟ کیا لارڈ سالسبری کی پارٹی کو بلکہ تمام انگریزوں کو اپنے میں لارڈ سالسبری سا شخص ہونے پر فخر نہیں ہے؟ کیا تمام قوم کو ان میں لارڈ ڈینس سا شخص ہونے سے فخر نہیں ہے؟ کیا ہم کو جب کہ ہمارا زمانہ ہمارے موافق تھا ہم کو اس قسم کے عالی رتبہ شخصوں کے ہونے سے فخر نہ تھا؟ مگر اب یہ زمانہ ہے کہ نہ ایسے لوگ قوم میں ہیں اور نہ قوم کو علمی خیال ہے اور نہ علمی مذاق، اور قومی ترقی کا خیال، اور اس لیے وحشی جاہل و ناتربیت یافتہ ہونے کے لقب کی مستحق ہو گئی ہے۔

سلطان محمود نے فردوسی کو "شاہ نامہ" لکھنے پر فی شعر ایک اشرفی دینے کا اقرار کیا تھا جو دے نہ سکا۔ اس زمانے میں اس طرح پر انعام نہیں ملتا - مگر کاپی رائٹ یعنی تصنیف کا قانون لائق آدمیوں کو اس سے بہت زیادہ انعام دیتا ہے جس کے سبب سے لائق مصنفوں نے فی شعر یا فی سطر دس دس اشرفی سے بھی زیادہ انعام پایا ہے - یہ انعام کس نے دیا؟ قوم نے کیوں؟ اس لیے کہ تمام قوم تعلیم یافتہ تھی قوم میں علمی مذاق تھا - یہی قانون ہندوستان میں بھی جاری ہے پھر کوئی ایسی نظیر ہندوستان میں مل سکتی ہے؟

اس زمانے میں ہندوستان میں اخبارات کی نہایت کثرت ہے -

خیر وہ جیسے ھیں ویسے ھیں مگر ھم نے تو اُن کی نسبت بجز تین باتوں کے اور کچھ نہیں سنا ۔ یا تو یہ سنا کہ خریدار نہیں ھیں یا یہ سنا کہ جن کا نام فہرست خریداران میں داخل ھے، وہ قیمت ادا نہیں کرتے ۔ یا لوگوں کو یہ کہتے سنا ھے کہ ھم نے خریداری کی درخواست نہیں کی، ھمارے پاس اخبار کیوں بھیجا جاتا ھے ۔ ان تمام واقعات کا سبب یہی ھے کہ ملک اور قوم تعلیم یافتہ نہیں ھے۔ نہ اُس میں علمی مذاق ھے اور اسی سبب سے اخبارات جیسے ھیں ویسے ھیں ۔

نتیجہ ان تمام حالات کا یہ ھے کہ قوم میں تعلیم کی نہایت کمی ھے اور جب تک قوم میں تعلیم نہیں پھیلتی اور اُن کی دماغی اور ذھنی قوتوں کو ترقی نہیں دی جاتی اُس وقت تک کسی قسم کی ترقی قوم کو نہیں ھو سکتی، خواہ وہ ترقی صنعت و حرفت میں ھو، خواہ وہ ترقی تجارت میں ھو ۔ تجارت کی ترقی کے لیے ایسے لوگوں کی نہایت ضرورت ھے جو تعلیم یافتہ ھوں ، دل چلے ھوں ، محنتی ھوں ، اپنے فرائض کو نہایت مستعدی اور ایمان داری سے انجام دیتے ھوں ۔ دیانت اُس کے لیے سب سے بڑا جزو ھے اور یہ باتیں بغیر اعلی درجے کی تعلیم و تربیت و تہذیب کے پیدا نہیں ھو سکتیں ۔

غرض کہ قومی ترقی پر جس پہلو سے نظر کرو اُس کے لیے اعلی درجے کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ھے جس کے بغیر ترقی ممکن نہیں ھے ۔ اے صاحبو! پھر آپ کے دل میں کھٹکا پیدا ھوا ھوگا کہ قوم کی قوم کو اعلی درجے کی تعلیم و تربیت کیوں کر ھو سکتی ھے ؟ پھر میں کہتا ھوں کہ یہ سچ ھے ۔ مگر جب قوم میں اعلی تعلیم اور تربیت یافتہ لوگ پیدا ھو جاتے ھیں تو ان کا اثر قوم کے ان لوگوں پر بھی پھیل جاتا

ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں - کیا آپ اس ملک کے عوام الناس اور یورپ کے عوام الناس میں بہ لحاظ علمی مذاق اور قومی ہم دردی کے کچھ فرق نہیں دیکھتے ؟ اگر دیکھتے ہیں تو اس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ان ملکوں میں کثرت سے تعلیم و تربیت یافتہ اشخاص موجود ہیں جن کا اثر اُن لوگوں میں بہ خوبی پہنچ گیا ہے جو عوام الناس کہلاتے ہیں۔ اب ہمارے سامنے قوم کی اعلیٰ درجے کی تعلیم و تربیت کا اور اُن میں علمی مذاق پیدا ہونے کا اور ان کے اثر سے عوام الناس کے موثر ہونے کا مسئلہ درپیش ہے - مذہبی امور کو تو میں نے اس کے مقدس ہونے کے سبب سے اس بحث سے خارج رکھا ہے جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں - پس اس وقت ہم کو دنیاوی علوم کی ترقی سے بحث ہے -

ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے اور ہمارے بزرگ سب کچھ کر چکے ہیں۔ہم کو انہیں علوم کو حاصل کرنا چاہیے جو ہمارے بزرگوں کے پاس تھے - مشہور مقولہ ہے کہ :

"میراثِ پدر خواہی علمِ پدر آموز"

ہم کو ان علوم کے سوا اور کسی علم کی حاجت نہیں ہے -

کیا یہ بات سچ ہے ؟ کیا آپ کے نزدیک اُن علوم نے جو ہمارے بزرگوں کے پاس تھے ترقی نہیں کی ؟ کیا آپ کے نزدیک علمِ طب ، علمِ جراحی ، علمِ دوا سازی نے کچھ ترقی نہیں کی؟ کیا آپ کے نزدیک فلسفہ اور علمِ طبیعیات نے کچھ ترقی نہیں کی ؟ کیا آپ کے نزدیک علمِ ہیئت ، علمِ ہندسہ ، علمِ حساب ، علمِ جبر و مقابلہ ، علمِ آلات نے کچھ ترقی نہیں کی ؟ کیا آپ کے نزدیک اور جدید علوم بھی جو ہمارے بزرگوں کے پاس نہ تھے، ایجاد

نہیں ہوئے ؟ کیا لٹریچر کے طرزِ بیان اور طریقِ ادائے مطالب میں ترقی نہیں ہوئی ؟ اے صاحبو ! تم یقین کرو جو علوم ہمارے بزرگوں کے پاس تھے وہ مثل ایک بیج کے تھے - وہ اب ایسے پھلے اور پھولے ہیں کہ مثل ایک تناور درخت کے ہوگئے ہیں اور پہچانے نہیں جا سکتے کہ یہ وہی علوم ہیں جو ہمارے بزرگوں کے پاس تھے - اور جو نئے ایجاد ہوئے ہیں وہ تو نئے ہی ہیں - ان کا بیج بھی ہمارے بزرگوں کے پاس نہ تھا اور جو غلطیاں ہمارے بزرگوں کے علوم میں نہیں بلکہ یونانیوں کے علوم میں بہ سبب ابتدائی زمانے کے تھیں اور اب ظاہر ہوئی ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں -

ہمارے بزرگوں کو صرف اس پر ناز تھا کہ انھوں نے یونانی فلسفہ اور یونانی علم طب اور یونانی علم ہیئت غرض کہ تمام وہ علوم جو یونانیوں کے پاس تھے ان کو حاصل کیا ہے - مگر جب اُن میں صریح غلطیاں ظاہر ہوئی ہیں اور ترقی یافتہ علوم ہمارے دسترس میں موجود ہیں تو ہماری کیا شامت ہے کہ ہم اُنھیں یونانیوں کی غلامی میں اپنی تمام عمر خراب کیا کریں -

پس اب غور کرنا ہے کہ ہماری قوم کے لیے اس زمانے میں کیا مفید ہے - ان ترقی یافتہ علوم کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا یا یونانیوں کے اُس پرانی دھڑے پر چلنا اور اُسی جھولے میں جھولتے رہنا جو نہایت بوسیدہ اور کمزور ہو گیا ہے اور اس قابل بھی نہیں رہا ہے کہ ایک طفل مکتب کا بھی بوجھ اٹھا سکے -

اگر میری یہ رائے صحیح ہو تو ہم کو کچھ چارہ نہیں ہے بجز اس کے کہ اپنی قوم کو ان علوم کے حاصل کرنے پر متوجہ کریں جو ترقی یافتہ اور در حقیقت مفید ہیں - یہ علوم بالاستیعاب تین زبانوں میں پائے جاتے ہیں : فرنچ ، جرمن اور انگریزی - پہلی دو زبانیں ہمارے دسترس سے خارج ہیں - انگریزی

قطع نظر اس کے کہ وہ ہمارے حاکموں کی بھی زبان ہے اور علاوہ علوم حاصل کرنے کے اور بہت سی وجوہ سے ہمارے بکار آمد ہے ہمارے دسترس میں ہے ۔ اور اس لیے لازم ہو گیا ہے کہ ہم اسی زبان میں ان علوم کو حاصل کریں ۔

ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ جب تک وہ علوم ہماری مادری زبان میں ترجمہ ہو کر قوم میں نہ پھیلائے جاویں ۔ قوم کو غیر زبان میں علوم ہونے سے ترقی نہیں ہو سکتی ۔ بلاشبہ جس قدر کتابیں غیر زبان کی ہماری مادری زبان میں ترجمہ ہو جاویں میں اس کو نہایت پسند کرتا ہوں مگر یہ مقولہ کیسا ہی صحیح ہو عمل میں آنے کے قابل نہیں ۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید کے زمانے میں معدودے چند کتابیں یونانی زبان کی تھیں جو ترجمہ ہو گئیں ۔ اس زمانے میں یہ کتابیں اس قدر کثرت سے ہیں کہ اگر ہارون الرشید اور مامون الرشید کی سی دس سلطنتیں بھی ان کے ترجمے پر جمع ہو جاویں تو مترجمہ نہیں ہو سکتیں ۔ مع ھذا آج تک دنیا میں اس بات کی نظیر موجودہ نہیں ہے کہ جو زبان ملک میں حاکم کی ہے اس ملک میں اس زبان کے سوا دوسری زبان میں علوم و فنون کی ترقی ہوئی ہو ۔ پس لازمی طور سے ہم کو ضرور ہے کہ ہم انگریزی زبان کے ذریعے سے علوم کو حاصل کریں ۔

ہندوستان میں ابھی تک علوم و فنون حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے چند یونی ورسٹیاں ہیں جنھوں نے ہماری تعلیم کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہے ۔ اور افسوس ہے کہ ہماری نالائقی سے ہماری تعلیم ان کے قبضے میں چلی گئی ہے جو قومی اغراض کے لیے کافی نہیں ہے اور نہ گورنمنٹ سے قومی اغراض پورے ہو سکتے ہیں ۔ خصوصاً ایسی گورنمنٹ سے جو

غیر قوم اور مختلف اقوام پر حکومت کرتی ہو ۔ اور نہ کوئی گورنمنٹ کسی ملک کی ایسی ہے جس نے قومی تعلیم کی ضروریات کو پورا کیا ہو ۔ یہ کام خود قوم کا ہے اور جب تک قوم ہی اس کو پورا نہ کرے پورا نہیں ہو سکتا ۔

افسوس یہ ہے کہ ہماری قوم میں ایسی لیاقت نہیں ہے کہ اس قومی ضرورت کو پورا کرے پس بالفعل جو تعلیم ہوتی ہے اسی پر ہم کو بہ مجبوری صبر کرنا اور یونی ورسٹیوں کی غلامی میں پڑا رہنا چاہیے ۔ موجودہ تعلیم سے بلاشبہ ایک قسم کی دماغی تعلیم ہوتی ہے ۔ خیالات کی درستی ہوتی ہے لوگوں کے دلوں میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ قوم تنزل کی حالت میں ہے اور اس کی ترقی کا خیال مثل ایک خواب کے دل میں پیدا ہوتا ہے جب اس قسم کے لوگ کثرت سے ملک میں پیدا ہو جاویں گے اور ان میں وہ خیالات جن کا میں نے ذکر کیا زیادہ تر مستحکم اور پختہ ہو جاویں گے تو قوم کی ترقی کی پہلی منزل ہوگی ۔ مگر موجودہ تعلیم کے ساتھ اگر تربیت شامل نہ ہو تو موجودہ تعلیم سے ہم کو کسی باثمر درخت کے پیدا ہونے کی توقع نہیں کرنی چاہیے ۔ بلکہ ایک پُر خار اور مردم خوار درخت کے پیدا ہونے کا یقین کرنا چاہیے ۔ پس اے دوستو ! تمھارا فرض ہے کہ تم اپنے بچوں کی تربیت کا تعلیم سے بھی زیادہ خیال رکھو ۔ تربیت سے میری مراد وہ تربیت نہیں ہے جو ہماری قوم کے پرانے دقیانوسی بزرگوں کے خیال میں ہے اور جو ایک بوزینہ کی دل چسپ حرکات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی بلکہ تربیت سے میری مراد وہ تربیت ہے جس سے سچائی ، ایمان داری ، سچے اخلاق ، سچی محبت ، سچی ہم دردی ، سلف رسپیکٹ ، قومی محبت ، قوم کا خیال اپنے کاموں میں دیانت داری ، ایمان داری ، فرائض منصبی کا ایمان داری

سے ادا کرنے کی خصلت پیدا ہوتی ہے ۔ اس تربیت کی دفعتاً ہو جانے کی توقع نہیں ۔ لیکن اگر اس راہ پر ہمارے نوجوان بچے ڈالے جاویں تو شاید ایک زمانے کے بعد ایسے لوگ قوم میں پیدا ہو جاویں ۔

افسوس یہ ہے کہ اس ناقص تعلیم کا بھی جو ابتدائی زمانے میں لازمی ہے اور قومی ترقی کے لیے پہلی منزل ہے ۔ ہماری قوم کو خیال نہیں ۔ بلاشبہ قوم میں امیر ، غریب سب قسم کے لوگ ہوتے ہیں ۔ مگر یہ کہنا کہ ہماری قوم غریب اور مفلس ہے اس سبب سے اس قسم کی تعلیم کا بھی اپنی قوم کے لیے بندوبست نہیں کر سکتی ۔ محض غلط اور مجھ کو معاف کیجیے اگر میں یہ کہوں کہ سراسر جھوٹ ہے اصل یہ ہے کہ قوم کو قومی تعلیم ، قومی ترقی ، قومی فلاح کا خیال نہیں ہے اور اس قسم کے امور میں بلکہ اپنی اولاد کی تعلیم میں بھی روپیہ خرچ کرنے کی عادت نہیں ہے ۔ اگر کسی میں کچھ جوش اٹھا بھی اور روپیہ بھی خرچ کیا تو قوم کے لیے نہیں بلکہ اپنے خیالات خاص کے مطابق اپنی عاقبت میں سرمایا جمع کرنے کے لیے یہ فیاضی اگر فیاضی کہی جاوے تو قوم کے لیے نہیں ہے بلکہ اپنے خیال کے مطابق اپنے لیے ہے حالاں کہ اگر اصول مذہب اسلام پر خیال کیا جاوے تو نیکی اور ثواب بھی اسی فیاضی میں ہے جس سے قوم کو جو ضرورت ہو وہ رفع ہو ۔ میں تو اس قسم کی فیاضی کو جو ہماری قوم کرتی ہے اس پیرزال بڑھیا کی فیاضی سے جو گنگا میں کمر کمر پانی میں کھڑی ہو کر اپنی قیمتی نتھ چپکے سے گنگا میں چھوڑ دیتی ہے اور کہتی ہے کہ ” لے گنگا مائی “ زیادہ وقعت نہیں سمجھتا ۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اخراجات تعلیم مثل دیگر اخراجات کے روز بروز بڑھتے جاتے ہیں اور بغیر

روپیہ کے تعلیم نہیں دی جا سکتی اور تعلیم کا سامان جمع نہیں ہو سکتا ۔ پس جو لوگ آسودہ ہیں وہ کیوں نہیں اپنی قوم کی تعلیم میں اور اُس کا سامان جمع ہونے میں مدد کرتے۔ اگر ایک پیسہ ، یعنی تین پائی فی روپیہ اپنی آمدنی کا قوم کی تعلیم میں دیں تو لاکھوں کروڑوں روپیہ قوم کی تعلیم کے لیے جمع ہو سکتا ہے ۔

کیسی شرم کی بات ہے کہ کبھی ہم کو اپنی قوم کی صلاح و فلاح کا یہ خیال تک نہ آوے اور ایک پیسہ تک اُس میں خرچ کرنا دشوار معلوم ہو ۔ لیکن اگر ہماری قوم کو اور خصوصاً اُن کو جو رئیس کہلاتے ہیں یہ بات معلوم ہو کہ فلاں امر میں روپیہ خرچ کرنا خوش نودی حکام کا باعث ہوگا ۔ خواہ وہ کام مسجد ہی کے بنانے کا ہو یا مدرسہ یا شفاخانہ یا مدرسہ نسواں کے قائم کرنے کا یا اور کوئی تو اُس وقت کس قدر فیاضی برتی جاتی ہے اور بے دریغ چندہ دیا جاتا ہے اور پھر اُس سے ثواب آخرت کی توقع رکھی جاتی ہے ۔ العجب ثم العجب :

ترسم نرسی بکعبہ اے حضرت من
کیں رہ کہ تو میروی بترکستانیست

اگلے زمانے میں تعلیم کی دوسری صورت تھی اور تعلیم کے اخراجات بہت قلیل تھے ۔ طالب علم مسجدوں یا خانقاہوں کے حجروں میں رہتے تھے ۔ اُن کے ایک وقت کی روٹی کسی گھر سے اور دوسرے وقت کا کھانا کسی گھر سے ملتا تھا ۔ مردوں کے فاتحہ کی روٹی ، سویم اور چہلم کے کھانے پر اُن کی گزران تھی ۔ کہیں لنگر جاری تھا اور وہی ذریعہ اُن کی گزران کا تھا ۔ جن لوگوں کی عمر میرے برابر یا مجھ سے زیادہ ہے اور جن لوگوں نے مصر کی سیر کی ہے اور جامع ازہر کے مدرسے اور طالب علموں کا حال دیکھا ہے انھوں نے یہ سب باتیں اپنی آنکھ سے دیکھی

ہوں گی ۔ ہندوستان میں اب بھی اسلامی مدرسوں میں اس کا نشان پایا جاتا ہے ۔ اُس زمانے کے طالب علموں کو پہننے کے لیے ایک کُرتا اور ایک پاجامہ اور زیادہ سے زیادہ تکلف ہوا تو ایک لنگی کافی تھی ۔ میرا مطلب اس بیان سے اُن کی تحقیر کرنا نہیں ہے کیوں کہ اُنھیں طالب علموں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے ہیں جو نہایت مقدس اور قابل ادب ہیں بلکہ میرا مقصد اس بیان سے ایک امر واقعی کا بیان کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ اب زمانہ بدل گیا ہے اس زمانے میں وہ سادہ اور کم خرچ طریقہ علوم تحصیل کرنے کا اب نہیں چل سکتا ۔ خصوصاً علوم انگریزی اس طرح پر حاصل نہیں ہو سکتے اور نہ وہ اوصاف طالب علموں میں پیدا ہو سکتے ہیں جن کا پیدا ہونا بمقتضائے زمانہ ہم اُن میں چاہتے ہیں اور نہ اس طریقۂ تعلیم و تربیت سے اُن میں ہمت اور جرأت ۔ سلف رسپیکٹ پیدا ہو سکتی ہے نہ غیرت اور محبت باقی رہتی ہے نہ اُن میں قومی ہم دردی کا جوش پیدا ہوتا ہے نہ قوم کو اُن سے قومی بہبودی کی توقع ہو سکتی ہے ۔ اُس زمانے میں جو کچھ جلوہ تھا وہ صرف ایسی سلطنت کا تھا جو اُنھیں کے ہم خیال تھی جو اُن مسجدوں میں تعلیم دیتے تھے یا تعلیم پاتے تھے ۔ مگر اس زمانے میں سلطنت کا ، قوموں کا ، قوموں کی ترقی و بہبود کا اور قوم کے غریبوں کی مدد کرنے کا سب کا رنگ بدل گیا ہے ۔ اور جب تک ہم بھی نہ بدل جاویں اور زمانے کے ساتھ نہ چلیں کسی طرح کام یابی نہیں حاصل کر سکتے ۔

اس زمانے میں بھی مسلمان طالب علم اور شریف خاندانوں کے بچے بہت زیادہ امداد کے محتاج ہیں ۔ قوم کے سرداروں اور قوم کے مال داروں اور قوم کے ترقی خواہوں کو اُن کی امداد

کرنی ضرور ہے مگر نہ اُس پہلے طریقے سے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا بلکہ دوسرے طریقے سے جس سے اُن طالب علموں کی حمیت ، غیرت ، سلف رسپیکٹ میں بھی کچھ خلل نہ آوے اور اُن کو تعلیم میں بھی مدد ہے ۔ وہ شریفانہ طریقے پر رکھے جاویں تاکہ اُن کی حمیت اور غیرت اور اپنے پر بھروسہ کرنے کی خصلت کو روز بروز ترقی ہوتی جاوے تو آئندہ کو قومی ترقی اور بہبودی کا ذریعہ ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں قوم کو جس قدر قومی ترقی پر توجہ ہے پہلے کسی زمانے میں نہ تھی ۔ ہندوستان میں جا بہ جا اسکول مکتب قوم کی سعی سے جاری ہوتے جاتے ہیں ۔ یتیم خانے بنائے جاتے ہیں جن کا پہلے کبھی وجود نہ تھا ۔ انجمن ہائے اسلامیہ قائم ہوتی جاتی ہیں جن کی کثرت برسات کے مینڈکوں سے کچھ کم نہیں ہے ۔ گو کہ چند روز بعد وہ معدوم ہو جاتی ہیں ۔ مگر افسوس یہ ہے کہ وہی نکبت اُن سب پر برستی ہے جس کا دور کرنا ہم چاہتے ہیں ۔ کیا ایسی باتوں سے قوم کو کچھ ترقی ہو سکتی ہے اور اُس کی نکبت دور ہو سکتی ہے ۔ حاشا و کلا ۔ بلکہ ایک اور نشانی قومی نکبت کی پیدا ہوتی ہے ۔

ایک بہت بڑے سیاح کا مقولہ ہے کہ اگر تم اپنے سفر میں کسی قوم کے آسودہ خوش حال یا ذلیل و خوار ہونے کا اندازہ کرنا چاہتے ہو تو تم کو اُن کے قبرستان اور معبدوں کا دیکھ لینا کافی ہے ۔ اگر اُن کے قبرستان درست اور معبد با رونق ہیں تو تم یقین کر لو کہ وہ قوم بھی آسودہ ہے ۔ مگر میرے نزدیک ہندوستان میں ایک تیسری چیز بھی اس کے اندازہ کرنے کو پیدا ہو گئی ہے یعنی اسلامی مدرسے ، اسلامی انجمنیں ، یتیم خانے ، کیوں کہ اُن سب میں قومی نکبت کے نشان پائے جاتے ہیں ۔

اے قوم کے بزرگو! اگر تم سب مل کر اتفاق سے کام کرو تو تم میں اب بھی وہ قوت و طاقت ہے جو نہ ہارون الرشید کو میسر ہوئی تھی نہ مامون الرشید کو اور نہ اکبر کو نصیب ہوئی تھی ، اور نہ شاہ جہاں کو ۔ اور نہ اس زمانے میں باوصف اس جاہ و جلال کے انگریزی گورنمنٹ کو نصیب ہے ۔ بہ شرطیکہ تم ایک پیسہ فی روپیہ یعنی تین پائی اپنی آمدنی میں سے قوم کے لیے دو اور مختلف اور متعدد کاموں کے بدلے کسی ایک کام کو متفق ہو کر تمام کر لو ۔ پھر تم دیکھو گے کہ کیسے کیسے عالی شان کام کر سکتے ہو جو یورپ کے کاموں سے بھی فوق لے جاتے ہیں ۔ مگر افسوس ہے کہ ہم میں استقلال نہیں اگر استقلال ہے تو اتفاق نہیں اس لیے تمام کام خراب اور ابتر ہیں اور ہر ایک کام میں بلکہ ہر بات میں قومی نکبت کے نشان موجود ہیں ۔ امنا باللہ و بکلامہ حیث قال جل جلالہ' تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیئی قدیر ۔

اوہام مذہبی اور تعصبات بے جا بھی ہماری قومی ترقی کے مانع ہیں ہم کو اپنی قوم کے علماء سے آمید کرنی چاہیے خواہ وہ پوری ہو یا نہ ہو کہ قوم میں سے اوہام مذہبی اور بے جا تعصبات کو دور کریں جس سے ملک میں امن اور آسائش اور قوم کو ترقی اور بہبودی ہو ۔ مجھے یاد ہے کہ جب اول اول ریل جاری ہوئی آس وقت یہ مسئلہ پیش ہوا کہ چلتی ریل میں نماز درست ہے یا نہیں ۔ فیصلہ یہ ہوا کہ نہیں ۔ پھر یہ امر پیش ہوا کہ ریل کا ٹھہرا لینا ہمارے اختیار میں نہیں ہے ممکن ہے کہ نماز کے وقت ریل نہ ٹھہرے اور نماز کا وقت جاتا رہے اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ ریل پر سوار ہونا ہی جائز نہیں ۔ مگر چوں کہ اس فیصلے کی مضرت میں مولوی اور نمازی سب شامل تھے اس لیے

علمائے کرام نے اس بحث کو خاموش کر دیا اور کہا چپ - چپ - " الضروریات تبیح المحذورات -" مگر میں نے بعض مقدس لوگوں کو دیکھا ھے کہ ٹھہری ہوئی ریل سے اتر کر اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر نماز پڑھتے ھیں اور ایسی جلدی سے کہ کراماً کاتبین کو بھی اُس کے لکھنے کا وقت نہیں ملتا - اور ایسا بھی ہوا ھے کہ ادھر نیت باندھی اور اُدھر ریل چلی - نماز کے بعد حیران بیٹھے ھیں کہ کیا کریں - ساتھ کا اسباب بھی ریل کے ساتھ چلا گیا - جب بہت لوگوں نے پوچھا تو غصے میں آ کر کہا کہ میاں کیا پوچھتے ھو - الدنیا سجن المومنین و جنت الکافرین - جو کچھ مصیبتیں اس دنیا میں پڑیں اُن کو برداشت کرنا چاھیے -

ایک بزرگ مولوی تھے جو ہر بات میں من تشبہ بقوم فھو منھم سے بہت لوگوں کو کافر بناتے تھے وہ ایک شخص کے پاس جو اُن کے اس فتوے سے مخالف تھا بحث کرنے کو تشریف لائے - گرمی کا موسم تھا اور دن بھی اخیر ہونے کو تھا وہ شخص ایک دالان میں بیٹھا ہوا تھا جب اُنھوں نے اس مسئلے پر گفتگو چاھی اُس شخص نے کہا بہتر ھے کہ ھم سب باھر صحن میں چل بیٹھیں - صحن میں ایک تخت اور چند کرسیاں بچھی ہوئی تھیں - یہ شخص تو تخت پر بیٹھا اور مولوی صاحب کی تعظیم و توقیر کے سبب سے اُن سے کہا کہ آپ کرسی پر تشریف رکھیں - جب مولوی صاحب کرسی پر بیٹھ گئے تو یہ شخص اٹھا اور آداب بجا لایا اور کہا کہ " من تشبہ بقوم فھو منھم" جب اس قدر توہمات اور بے جا تعصبات قوم میں پھیلے ہوئے ھیں اور ھمارے علماء بہ عوض اس کے کہ ایسے اوہام کو دور کریں قوم کے لوگوں میں زیادہ استحکام دیتے ھیں تو

کیا توقع ہے کہ قوم کی ترقی ہو ۔ خدا ہی ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور ہم کو ثابت قدم رکھے اور ہماری مدد کرے تو کچھ ہو سکے ۔ ربنا اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا و انصرنا ۔ اس سے زیادہ میں پوری آیت پڑھنا نہیں چاہتا ۔

آپ یقین کریں کہ جب تک ہم اپنی قوم کے لیے اعلیٰ درجے کی انسٹیٹیوشن خواہ تعلیم کے ہوں یا یتیموں کی پرورش کے قائم نہ کریں گے اور عمدہ سے عمدہ سامان تعلیم کا جمع نہ کریں گے جو مثل یا قریب قریب یورپ کے انسٹیٹیوشنوں کے ہو اور اپنے نوجوان بچوں کو ویسے ہی اعلیٰ درجے کے اصول پر جیسے کہ یورپ میں ہیں تعلیم و تربیت نہ دیں گے اس وقت تک ہماری قومی ترقی ہونی ممکن نہیں ہے ۔ بلاشبہ اس کے لیے زرکثیر کی ضرورت ہے ۔ اگر قوم مستعد ہو جائے اور عملی کارروائی بھی کرے تو ہم کو روپیہ کی کچھ کمی نہ رہے ۔ ہماری قوم اب بھی اس سے زائد روپیہ اپنی ہی قوم سے جمع کر سکتی ہے جس کی ان کاموں کے لیے ضرورت ہے بہ شرطیکہ بہ قول سر آکلنڈن کالون کے ہم اپنے معنوی بتوں کو توڑ دیں اور قوم کی ترقی اور بہبودی پر متوجہ ہوں ۔

سر آکلنڈن کالون کا قول ہے کہ آج کل دنیا میں اسی قدر بت دکھائی دیتے ہیں جتنے کہ ساتویں صدی عیسوی میں عرب میں دکھائی دیتے تھے ۔

ایک بت یہ ہے کہ لوگ گزشتہ طریقۂ تعلیم پر اور اس زمانے کے دلائل اور بحث مباحثے کے طریقے پر از خود رفتہ ہیں ۔

ایک بت یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے جو مذہب اور اسلامی مملکت سے اجنبی ہیں متعصبانہ نفرت رکھتے ہیں ۔

ایک بت قومیت کے مغرورانہ افتخار کا ہے ۔

ایک بت جو سب سے بڑا اور نہایت خوف ناک ہے وہ کاھلی اور لاپرواھی اور غفلت کا ہے ۔ یہ سارے بت گونگے اور تاریک ھیں جن کی شکل سے وھشت ٹپکتی ہے اور جو اپنے دعویٰ میں محض بے ھودہ ھیں اور اپنی کمزوری اور بے اثری کے باعث قابلِ نفرت ھیں ۔

ھمارے سب سے پہلے پیشوا حضرت ابراھیم علیہ السلام نے بت خانہ کے اور ھمارے ھادی ۔ بابی و آمی جدی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کعبہ کے بتوں کو توڑا اور کعبہ سے نکالا ۔ پس ھم بھی اُن کی تقلید کریں اور اپنے دلوں کے اُن معنوی بتوں کو توڑیں جن کے توڑے بغیر کبھی فلاح نہیں پانے کے :

چندے بغلط بت کدہ کردیم حرم را
وقتے است کہ از کعبہ بر آریم صنم را

ترغیبِ تعلیمِ انگریزی

۶ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو مجلسِ مذاکرۂ علمیہ کلکتہ کے ایک اجلاس میں بر مکان آنریبل مولوی عبداللطیف خاں صاحب، سرسید نے یہ مقالہ لکھ کر پڑھا۔ جو فارسی میں تھا اور جس میں اس امر کی ترغیب دی گئی تھی کہ مسلمانوں کو اپنے اسلامی اور قومی اور دینی علوم کی تحصیل کے ساتھ انگریزی زبان اور اس کے علوم بھی حاصل کرنے چاہئیں۔ تا کہ ہم حکمران قوم کے افکار و خیالات سے بخوبی واقف ہو سکیں۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

پیش ازاں کہ آهنگ حرف مدعا سرائی ساز کنم ایزد بے همتا را نیائش می نمائم کہ بختم را یاوری و طالعم را بختیاری داد تا دریں مملکت بنگالہ گذر کردم و دریں دار الامارۃ کلکتہ کہ آں را دارالسلطنتِ هند توانم گفت وا رسیدم ۔ نازش من نه بران است کہ شهرِ آباداں و وسیع الفضائے کلکتہ را دیدم و از عمارت منیف و اشیاء لطیف آں مسرتے اندوختم بل نازش منِ بران است کہ بخدمت ارباب فضل و کمال و بزرگان والا تبار و فضلائے بے مثل و مثال و وعظمائے صاحب وقار ایں جا مشرف گشته ام و سعادت ملازمت شما بزرگاں کہ باعث افتخار بنی نوع انسان هستید حاصل ساخته ام ۔

حضراتِ من! آنچه مسافر نوازی و غریب پروری از طرف شما بزرگاں و سیما از جانب گلِ سرسبد ایں گلستان بل باعث افتخار

ما هم کیشان (یعنی جناب آنریبل مولوی محمد عبدالطیف خاں بہادر) بحالِ ایں هیچ میرز غریب الوطن که لیاقت کفش برداری همچو بزرگان والا منش ، هم ندارد مرعی گشته است ادائے شکر آں از من ناتواں نیاید اگر همه تن زبان شوم نے نے اگر هر سرِ موئے من زبان گردد و از هر یکے داستان ها سرایم از عهدهٔ آں بر آمدن نتوانم ایں‌حال که اینک موجود است و ایں دم آں را به چشم مے بینم نمونه ایست۔ از اخلاق عمیم شما وا نموذ جیست از مسافر نوازی شما که همچو منے افسرده دلے ادنٰی ترین مخلوقے را در انجمن خود که مہبط قدوسیاں انجمن قدس تواند بود بار داده اید و هم اجازت فرموده اید که آهِ سردے بر کشم و دانه اشکے بریزم و دردِ دلے باز گویم ۔

حضرات من ۔ شما نیکو میدانید که من کم مایه و بے بضاعت لیاقت آں ندارم که رو بروئے هم چو بزرگان عالی مقام زبان به تکلم کشایم ۔ زبانے که به جسارت رو بروئے شما کشاده گردد بسته باد و دلے که بمخالفت شما بر انگیخته شود شکسته باد ۔ زبان کشادن به بیان درد دل خویش به حضور حضرت شما نیست بجز آنکه کرم هائے شما ما را دلیر ساخته که اینک بخدمت شما به پا ایستاده ام و درد دل خود را گفتن می خواهم و خود گلهٔ از خود سرودن آرزو دارم ۔ چیست گله و چیست درد ۔ حب وطن است و حب وطن است دبس ۔

حضراتِ من ! اگر به غور نگریسته آید تواں یافت که هر چه از مکمن خفا به جلوه گاه عیاں ظهور ساخته آں همه حقیقت واحده است که بصورت۔ هائے رنگا رنگ و نقش هائے بو قلموں بصفحه خیال ها صورت بسته و درحقیقت نقش من و تو درمیان نیست ۔

میان عاشق و معشوق هیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میان بر خیز

اگرچه تغایر اعتباری پردۂ خفا بریں راز آشکارا می اندازد ۔ مگر کسے کہ چشم بصیرتش وا کشادہ اند ۔ ایں تغایر اعتباری را اعتبارے نمی نہد ۔ و ازیں حجاب تنگ بے تار و پود پردۂ ظلمانی بریں حقیقت نورانی نمی افگند ۔ حاشا ثم حاشا رہ روئے طریق حقیقت موج را از لجہ جدا نداند و شعاع را از نور متغایر نہ انگارد ۔ از ایں رہبر آشکار است کہ تا ہمہ ہر چہ بوجود آمدہ ایم شخص واحدیم و تغایر اعتباری بیش از سرابے نیست ۔ پس اگر چشم بران اعتبار ہا اندازیم احول ایم کہ حقیقت واحدہ را دو مے بینیم ۔ اینک غور کردنی است ۔ چوں ما دریں کاخ فیروزہ رنگ آمدہ ایم و خود صورت خود را دریں کاخ آئینہ بند بہر رنگے مے بینیم چگونہ با آں ہمہ تمثال ہا بسازیم و چساں بآں ہمہ تشخصات اعتباری بسر بریم ۔ نیست راہے دیگر بجز آنکہ تغایر اعتباری را از میان بر اندازیم و آنچہ با خود کردن میخواہیم با ہمہ آں بکنیم ۔ بر خیزد آئینہ بدست خویش گیر و صورت خود را بہ بیں و بنگر کہ آنچہ با خود مے کنی ہماں بآں تمثال خیالی مے کنی و آنچہ بآں تمثال میکنی در نفس الامر با خود مے کنی ۔ چوں ایں مقدمہ مسلم گشت بما لازم شد کہ چنانکہ مادر رفاہ و فلاح خویشتن سعی مے کنیم ۔ ہمیں ساں ما را در سود و بہبود و جمیع موجودات عالم سعی کرد نیست چہ آں ہمہ درحقیقت نسبت بہ حقیقت واحدہ است کہ من ہم ازاں ۔ نے نے عین آں حقیقت ایم ۔ و اگر چنیں نکنیم ۔ مثال ما ہمیں خواہد بود کہ یک چشم را نگاہ مے داریم و دیگرے را بہ میل کشیدن مے دہیم و دست در بغل می نہیم ۔ و پارہ بہ بریدن مے سپریم ۔ وائے صد وائے ہر کسیکہ چنیں بکند اگر از ہوا خواہی

و فلاح جوئی تمام موجودات عالم حرفے بر زنم سخن به درازی مے
کشد و ازاں دائرہ که ما وانیم پا بیروں مے افتد پس ازاں در گذشته
حرفے چند از فلاح جوئی بنی نوع خود مے سرایم ۔

هوید است که فلاح جوئی کسے از مقتضیات محبت اوست
چه از کسے که محبت ندارم سر رفاه و فلاح او هم ندارم پس اصل اصول
فلاح جوئی کسے محبت اوست ۔ ازیں روح نا گزیر است که مختصرے
از اقسام محبت بر شمارم و برآں اساس هوا خواهی هم کیشاں
خود بر نهم ۔

محبت را درجات بے شمار است ۔ اعلیٰ و افضل آں ست که
تمام موجودات عالم را عین حقیقت خود دانیم اگر بینیم که کسے
برگ کاهے بجفا شکسته است دل همیں حال بدرد درآید که گویه
ناخنے از ناخن هائے دست و پائے من بر شکسته ایں مرتبه حاصل
نمیشود مگر کسے را که خداوند عالم در رحمت برو کشاده باشد ۔

دوئمیں درجه محبت آنست که جمیع ذی روح را که مشارکت
بسیار و مشابهت بے شمار با ما دارند دوست دارم و هر که
جگر تر دارد باو نیکی کنم ۔ ایں درجه اگرچه اول فراواں پایه فروتر
افتاده است الا بجائے خود آں قدر بلند پایه است که دست کوتاه
ما بشاخ پر بار آں نمی تواند رسید ۔

سوئمیں درجه محبت آں است که با بنی نوع خود بکار بریم ۔
چنانکه سعدی علیه الرحمة مے فرمائید ۔

بنی آدم اعضائے یک دیگراند
که از آفرینش ز یک جوهراند

چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوها را نماند قرار

اگرچه ایں مرتبه کم ترین درجه محبت است الا به نظر ایں که انسان را ضعیف البنیان آفریده اند همیں درجه را نسبت بآں درجه اعلٰی قرار داده اندر -

ازیں مرتبه هم در مرتبه کم دیگر درجه محبت است که آں را مجازاً حب قومی نام نهنگ و سرورؐ ما و سرورِؐ عالم علیه الصلواة والسلام که دل و جانم فرش راه سرم خاک پائے آں عرش بارگاه باد - تاکیدے بداں فرموده حیث قال علیه‌الصلواة والسلام والنصح لکل مسلماً علماء محققین ما رضوان الله علیهم اجمعین از لفظ نصح هر گونه رفاه و فلاح برادران دینی مراد گرفته اند پس ما در سعی رفاه و فلاح برادران دینی مامور ایم و به ترک آں به معصیتے گرفتار شویم - اگر ایں مدعا را برهبر عقلی جوئم گویم که ایں درجه محبت را که ما آں را بر حب قومی نامیده ام در حیوانات هم مے یا بم نمی بینی که اگر زاغے را بدرد آریم دیگر هم جنسان او بدرد مے آیند و بآه و ناله ما را مے گویند که اگر هم کیشاں و هم کشوران خود را به دردے مبتلا مے بینم و بدر دلیا بیم و چاره‌کار نیندیشیم از زاغ هم بدتریم - ازیں جمله رهبر ها آشکار است که ما را بجهت صلاح و فلاح هم کیشان و هم کشوران خود کمر سعی چست بستن و درپے سود و بهبود آناں افتادن واجب و لازم است ظاهر است که برادران دینی ما هنوز در گراں خواب غفلت اند و هرچه گویم و هرچه بکنم ازاں گراں خواب بیدار نمی شوند - لیکن ما را بداں سبب کمر همت سست کردن نشاید :

کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے مے کنم

حقوق شاں که بذمه مایاں است آں را ادا کردن شاید :

شاید که همیں بیضه بر آرد پر و بال

گفته اثرے دارد چه عجب که رفته رفته هوشیار شوند و خود را دریا بند -

حضراتِ من ـ معافم فرمائید ـ نغمۂ بے آهنگ سرودم و سخن بے محل گفتم ـ حضرات را مے بینم که همه تن در صلاح و فلاح هم کیشاں و هم کشورانِ خود سرگرم هستتند ـ پس ایں ژاژ خائی و هرزه درای من روبروئے هم چو بزرگاں سراسر بیجا و سر تا پا بے محل بود ـ مگر چه کنم شوق و ولوله محبت که باهم کشوراں خود دارم محل و بے محل ما را از سرودن ایں چنیں نغمه ها باز نمی دارد ـ اے بزرگاں کلکته نیکو میدانید که همه خانواده هائے قدیم هم کیشاں ما برهم خورده اند و شهر هائے قدیم کشور ما که علم و ادب و دانش و فرهنگ را باں نازش بود از پا بر افتاده اند در دارالسلطنت هائے پاستانی هیچ چیزے باقی نیست ـ مگر استخواں هائے چند بوسیده و چند خشت هائے کهنه دیوار هائے غلطیده ـ پس در تمام مملکت هند از خلیج بنگاله تا رود سنده صرف همیں شما بزرگانید که دار الامارة عهد ما را بذات ستوده صفات شما نازش است و بس ـ آرے اگر شما هم در صلاح و فلاح هم کیشاں و هم کشوراں خود سعی نه نمائید باز کدام کس پرسان حال ما بخت برگشتگاں خواهد بود خداوند عالم شما را سرسبز و شاداب دارد و توفیق حب وطنی روز افزوں نصیب کناد ـ

مگر عرض دیگر قابل گزارونی است و آں ایں که در جزو زبان هم کیشاں و هم کشورانِ ما و شما از حلیه تربیت عاری شده اند و روز بروز عاری مے شوند ـ پس دریں زمانه مدار صلاح و فلاح هم کشورانِ مادرانست که بهر طورے که تواند شد در ترقی تعلیم و تربیت شاں سعیٔ ها نمایم و آنچه موانع و عوائق در تربیت هم کیشاں بوده اند در برداشتن آں همه سعی و کوشش ها کنیم ـ مردماں ایں زمانه که تربیت هم کیشاں ما را که به نظر حقارت مے بینند ـ باعث اصلی او ایں است که اکثر برادرانِ ما باں که

در علوم پاستانی ید طولیٰ دارند در علوم و فنون جدیده که
مایۂ نازش نوجوانان این زمانه است عاری اند پس نگریستنی است
که باعث این چنین نا واقفیت از علوم و فنون جدیده مفیده چیست ۔
گویم که آن همه علوم بزبان انگریزی اند و هم کشوران ما را
تا حال بر تحصیل آن توجهے کما ینبغی نیست ۔ دیگر باره پرسم
که چرانیست آیا تعصب مذهبی را دران مداخلت است ۔ گویم
حاشا و کلاّ ۔ کسانیکه ما را بچشم غرض بیں مے نگردند یا
از حقیقت حال واقف نیند این گونه سخن هائے بے اصل سراینده
اند و در آموختن زبان هر قومے که باشد تعصب مذهبی را چه
مداخلت است ۔ ما مسلمانان زبان فارسی را مے خوانیم و آن زبانِ ما
نیست و گاهے تعصب مذهبی را بآن نسبت نکرده ایم ۔ پس
در آموختن زبان انگریزی چرا تعصب مذهبی را گنجائش خواهد بود ۔
اگر گویند که مسائل علوم جدیده سیما ریاضیات ظاهره بآنچه در
قرآن مجید ازاں بیان شده مخالفت دارند ازیں باعث مسلمانان از خواندن
او مستکره اند ۔ گویم این همه غلط است ۔ مسائل حکمت یونان
که بظاهر حال بآنچه در قرآن مجید ازاں ذکرے رفته مناسبت دارند
و همه مسلمانان به هزاراں هزار شوق در تحصیل آن سرگرمی مے
دارند و گاهے تعصب مذهبی را کارنفرسوده اند پس در خواند
و تحصیل نمودن هیات جدیده فیثاغورسیا چرا تعصب مذهبی را
بکار برده باشند ۔ اصلی کار و حقیقت حال کم توجهی برادران ما
در خواندن زبان انگریزی و تحصیل علوم و فنون جدیده آن زبان این
است که کتب مذهبی ما مسلمانان که آموختن آنها در حقیقت بر ما
فرض است همه در زبان مقدس عربی است و عادت ما مسلمانان
از طریقۂ شرفاء این است که اولاً میخواهند که اولاد ما زبان عربی
را بیاموزند و بمسائل دینیه خود واقف شوند ۔ بعد آن چیزے شود

یا نشود ـ حضراتِ من! نیکو دانید و هشیار باشید که ایں طریقه بسیار محمود بغایت نیک و نہایت پسندیده است و گاھے تا آنکه جان در قالب شماست ایں طریقه را مگزارید ـ زبان عربی افضل تریں زبانِ هاست خداوند عالم به هیچ زبان متکلم نشد و الاّ بزبان عربی ـ فضائل ایں زبان چه از اختصار الفاظ و کثرت معانی و چه در علو درجه فصاحت و بلاغت از همه زبان ها فائق تر و شیریں تر است ـ پس ایں چنیں زبان را گزاشتن که در آں عمدگی و علو درجه در دنیا و نجات ابدی در عقبیٰ است کار خرد مندان نیست ـ الاّ تدبیرے باید اندیشید که نوجوانان اقوام ما که در خواندن زبان عربی مصروف اند بجهت حصول علوم و فنون جدیده هم موقعے و قابوے یابند ـ و آں بخوبی حاصل تواند شد ـ اگر هم کشورانِ ما جمع شده انجمنے بپا رایند و کتب علوم و فنونِ جدیده از زبانِ انگریزی بفارسی تا عربی ترجمه نمایند و آں را مشق نونهالان اقوام ما بدهند تا بذریعه هماں زبانے که به تحصیل آں مصروف انداز علومِ و فنون جدیده هم کما ینبغی واقفیت سازند ـ علم و تربیت نام صورت زبان و کام نیست بهر زبان که آں را بپا موزیم به مدعا مے رسیم ـ

ازانچه گفتم چناں ندانند که من روا دار تساہل و تغافل در خواندن و آموختن زبان انگریزی بوده ام ـ نے نے ـ منِ آموختم زبان انگریزی را از قبیل سته ضروریه مے دانم ـ به بیند حکام ما زبان انگریزی دارند ـ اصل احکام و قوانین انتظام مملکت بزبانِ انگریزی است که واقفیت ازاں ما رعایا مطیع و منقاد را از ضروریاتِ است ـ اگر بخدمت کدام حاکم وقت میروم به سبب تخالف لسانِ نیاز مندی هائے خود را چنانکه در دل هست ادا کردن نمي توانم لطف و اخلاقے که از جانب حاکم بر حال ما مے شود آں را فهمیدن و دل را بآں خوش کردن نمے توانم ـ ما را آنقدر حاجتے

بالگریزی دالستن افتاده است که بدون آن سر انجام امور تمدن هم خیلے مشکل است ۔ گردوں و خانے که به تخت سلیماں ماناست ۔ عمده وسیله تسهیل سفر بجهت ما مهیا است ۔ الاّ بعدم واقفیت از زبان الگریزی چها مصائب است که دراں نمی برداریم ۔ اگر پیام ضروری بذریعه قوت کهر بایُ فرستادن مے خواهیم ۔ بدون واقفیت از زبان الگریزی دراں عاجزیم ۔ از بدترین پیشه ها که نوکری است تا به اعلیٰ ترین پیشه ها که تجارت است ما به انگریزی دانی محتاجیم ۔ من به حسد نمی گویم و نه از همچومنے که هوا خواه بنی نوع انسانم ۔ حسد آمد ۔ بلکه بطور تمثیل غبط مے گویم که دیگر هم کشوران ما صرف بذریعه انگریزی از ما سبقت ها برده اند و روز بروز مسابقت می نمایند ۔ پس هم کیشان ما را نیز واجب و ضرور است که سعی موفوره در آموختن زبان انگریزی نمایند ۔ و چنانکه پیش تر بودند دریں معرکهٔ هم گوئے سبقت از دیگر هم کشوران خود ربایند مگر ایں نمی خواهم که عربی را یک سر فروگزارند و از علوم دینیة و مسائل حقیه مذهب خود جاهل و نا بلد محض مانند ۔

ترجمه کتب علوم و فنون جدیده را بایں وجهه خواهانم که اگر ترجمه نشوند تحصیل علوم و فنون جدیده مختصر بزبان انگریزی خواهد بود و بس ۔ و ازاں هماں چند کساں را که در آن زبان لیاقت کلی بهم رسانیده اند فائده حاصل خواهد شد و بس ۔ تمام ولایت ما را که من درپے آن هستم حصول فوائد ممکن نیست ۔ آیا شما خیال می کنید که هر چند سعی کرده آید بزبان الگریزی در ولایت وسیع هندوستان مثل زبان ملکی رائج شدن مے تواند ۔ تا چند سال بلکه بسیار زائد ازاں کسے ایں چنیں خیال کردن مے تواند ۔ پس ابنائے جنس خود را در همیں جهالت و کوری

و ذلت و خواری خواهم گزاشت ۔ اے سر خیلاں قوم ما چندانکہ در اہتمام این امور تاخیرے شود روز بروز مشکل دیگر بر روئے کار مے آید ۔ و آں کار از دست مے رود ۔ وقت را از دست مدهید ۔ و در فراہمی سامان تربیت اہل ہند آمادہ شوید کہ وقت رفتہ و تیر از کمان جستہ باز نمی آید ۔

سخن دیگر ہم بہ غور شنیدنی است کہ در تربیت علوم و فنون جدیدہ و بنو جوانان ہم قوماں ما خواہ بذریعہ زبان انگریزی باشد و خواہ بذریعہ تراجم احتمال سُستی در عقائد حقہ دینیہ و ایں احتمال نیست بلکہ بہ تجربہ و استقراہم ہم چنیں یافتہ ایم مگر غور فرمایند کہ در حقیقت باعث آں توغل در زبان انگریزی یا آموختن علوم و فنون جدیدہ نیست البتہ از توغل بفلسفیات و غفلت تحقیق و تدقیق از اعتقادیات و ایں چنیں مغالطہا در پیش مے آیند چنانچہ در بلاد جرمنی و فرانس آتش ایں فتنہ سر بفلک کشیدہ بود ۔ و صدہا و ہزارہا مردم نقلیات را اوہن از تار عنکبوت خیال کردہ بودند ۔ و زمانے پیش تر ازیں در دارالسلطنت لندن ہم ایں بلا افتادہ بود و در زمانے کہ حکمت حکمائے یونان درمیان ما مسلمانان شیوع یافت ہمیں آفت درمایان ہم رسیدہ بود ۔ مگر علمائے ہر قوم و ملت بدفع آں کوشیدند و ہمہ آں را بر شکستہ حقیقت اعتقادیات نقلیہ را بصحت رسانیدند ۔ علمائے مذہب ما علم کلام را ایجاد کردند باثبات رسانیدند کہ آنچہ فلاسفہ بہ تحقیق آں پرداختہ انداز وہمیات بیش نیست ۔ و نور حقیقت ہماں است کہ زبان وحی بآں ناطق شدہ ۔ آرے ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود

پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

پس من کہ خواہان ترویج زبان انگریزی و تعلیم علوم و فنون

جدیده به شمول عربی و باشتمال تحقیقات و تدقیقات عقائد نقلیه بوده ام ازیں قسم تربیت ایں احتمال بفرسنگ ها دور است البته در تکمیل امر دیگر ما را افتادن خواهد شد ـ و آں ایں که قوائد حکمت یونان از شیوع حکمت جدیده همه از پا بر افتاده اند ـ در زمان پیشین علمائے دین ما را به تردید یا به مطابقت اصول حکمت یونانی یا علم و حکمت حقیقة الهامی حاجت بود ـ و پس چنانچه بتائید روح القدس دراں کامیاب شدند ـ الحال که اصول حکمت را بروش دیگر بنا نهاده اند هر چه ازاں بظاهر مخالف الهامیات مے نماید ـ در تطبیق یا تردید آں توجه کردن خواهد افتاد و ایں امر گو بظاهر دشوار مے نماید لیکن بتائید روح القدس دشوار نیست ؎

فیض روح القدس ارباز مدد فرماید
دیگراں هم بکنند آنچه مسیحا مے کرد

به بیند صرف از مذهب ما بظاهر مخالف مے نماید ـ بلکه از مذهب تمام اهل کتاب که عبارت از یهود و نصاریٰ است مخالف مے نماید ـ علمائے مسیحی چها کوشش دریں باره کرده اند در ساله ها برنگاشته و علاج بد اعتقادی هم ملتّانِ خود کما ینبغی فرموده اند ـ پس علمائے مذهب ما چرا بداں طرف توجه نخواهند فرمود ـ

اگر بدیں گونه تربیت هم کیشان شیوع گیرد یقین واثق است که فلاح بے شمار بحال آنها عاید شود ـ و ترقی روز افزوں و تهذیب مهذب نصیب ایشاں گردد و از تهذیب نا مهذب که در بعضے از هم کشورانِ ما شیوع یافته به کلی ایمنی دست دهد ـ من خیر خواهم کشورانِ خود روز و شب در همیں خیالات بسر مے کنم و عمر گراں مایهٔ خود را و نیز درهم و دینار را هر چه در کسیه ام مے آید در همیں امور صرف مے کنم ـ لیکن من یک

جز و ناتوانم و مثل پیر زالے به خریداری یوسفؑ برآمده ام ۔ تنها از من چه شود و تاوقتیکه همت قومی دران متوجه نشود و هر یکے از دل دوست و زبان و درهم و دینار تائیدے نه نماید انجام آن از محالات مے نماید ۔ چنانچه بنظر انجام بعضے ازیں امور گفته ام تدبیرے اندیشیده ام در رساله در آن باب چاپ نموده پیش کش حضرت صدر ایں انجمن نموده ام ۔ بدیں آمید که اگر مناسب نماید بخدمت جمیع بزرگان که در محفل خلد مشاکل فراهم آمده اند ۔ نذر نمایند ۔ شاید خداوند کریم وسیله بر انگیز د ۔ که تصورات من رتبه تصدیق یابد ۔ ''وَ مَا توفیقی الا باللہ العلیِ العظیم هُو نِعمُ المُولٰی وَ نِعمُ النَّصیر وَ آخِرُ دَعْوانا اَنِ الحمد للہِ رَبِّ الْعَالَمِین ۔''